مختصر حالاتِ زندگی

حضرت مولانا محمد نجم احسن صاحب نگرامی
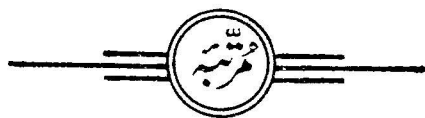
محمد صدیق اللہ آبادی

اشاعت ———— ۱۹۷۸ء

تعداد ———— ۵۰۰

ترتیب ———— محمد صدیق ۳۶ ج رفاہ عام سوسائٹی ملیر

کتابت ———— محبوب کریم ۵/۴۰۷ ۱۲/۱ فیڈرل بی ایریا کراچی

طباعت ———— ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی

ملنے کا پتہ ———— بابا صاحب کا دولت خانہ "درگاہ رضوان"

۳/۵ الف - ناظم آباد نمبر ۲ کراچی ۱۸

فون نمبر ۶۱۵۸۱۰

فہرست مضامین

ذکرِ احسن

باب	مضامین	صفحات
۱۳	شعر و سخن	۱۰۹
۱۴	حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کا تذکرہ	۱۵۲
۱۵	بزرگانِ دین سے ملنا اور دعائیں لینا۔	۱۵۶
۱۶	زیارت مقدسینِ اہلِ قبور در مکشوفات	۱۵۷
۱۷	انعاماتِ الٰہیہ	۱۶۳
۱۸	بشاراتِ منامیہ	۱۷۲
۱۹	ارشاداتِ عالیہ	۱۷۹
۲۰	تصانیف	۲۵۳
۲۱	پاکستان میں آمد اور قیام	۲۶۰
۲۲	حالاتِ وفات حسرتِ آیات	۲۶۲
۲۳	تاثرات	۲۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

مدت سے خیال تھا کہ مولانا تھانوی صاحب قدس سرہٗ کے وہ خلفاء جو کراچی میں قیام رکھتے ہیں اور چراغ سحری کا سا معاملہ رکھتے ہیں ان کی مختصر سی سوانح حیات لکھوں جس سے نہ صرف اُن کی پاکیزہ زندگی کا نمونہ ہمارے سامنے آجائے، بلکہ خانقاہ امدادیہ کے علوم کا نچوڑ بھی تھوڑے سے وقت میں اور آسانی کے ساتھ ہاتھ لگ جائے، جو کتابوں کے ایک دفتر کے مطالعہ کے بعد بھی شاید ہی حاصل ہو سکے۔ ہر چند کہ سارے علوم وہی ہیں جو مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی تصانیف میں موجود ہیں مگر وہ چونکہ بکھرے ہوئے ہیں اور حسب موقع ذہن میں وارد نہیں ہوتے۔ اور یہ حضرات وہ علوم برمحل اور ہمارے رنگ مزاج کے مطابق ہمارے سامنے کر دیتے ہیں تو دل میں اُتر جاتے ہیں اور اثر انداز ہو جاتے ہیں مگر اپنی ہر قسم کی بے بضاعتی کی وجہ سے قلم اٹھانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ مجلس میں بیٹھ کر تیز رفتاری سے لکھنا، پھر خود ہی مخاطب بھی بننا بڑا مشکل نظر آرہا تھا۔ دل یہ چاہتا تھا کہ کہیں سے ٹیپ ریکارڈر مل جاتا تو شاید کام

آسان ہوجاتا۔حسنِ اتفاق سے ایک خداداد موقع فراہم ہوگیا۔ ایک دوست سعودی عرب سے چند سال گذار کر آگئے اور انھوں نے اپنا ٹیپ ریکارڈر بلاتعینِ مدت مجھے اس نیک کام کے لئے بخوشی دینا سعادتمندی سمجھا۔ میں نے بنامِ خدا اس کام کو شروع کر دیا۔ اور پہلے بابا نجم احسن صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں پہونچا اور اپنا مدعا عرض کیا کہ حضرت آپ کے بعد بہت سے محبّین تشنگی محسوس کریں گے اور ہوسکتا ہے کہ محبت میں آپ سے غلط روایات منسوب کرنے لگیں تو کیوں نہ چند نصیحتیں بطور نمونہ لکھ کر رکھ دی جائیں تاکہ تشنگی بجھانے کے ساتھ ساتھ ان غلط روایات کا بھی سدباب ہوجائے، چنانچہ میری گذارش پر بابا صاحب خاموش ہوگئے۔ میں نے کام شروع کر دیا۔ ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے لکھنے کے بعد دوسرے روز حضرت کو سُنا کر تصویب بھی حاصل کرلیتا تھا۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ الفاظ حضرت ہی کے ہوں۔

۲ - حق تعالیٰ نے بابا صاحب کو بڑے کمالات کا جامع بنایا ہے بابا صاحب کا اردو انگریزی دونوں کا خطؔ نہایت عمدہ اور خوشنما ہے۔ اردو و فارسی کے کہنہ مشق مضمون نگار ہیں۔ اردو فارسی کے صفِ اوّل کے شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ بڑے قادر الکلام ہیں۔ شاعری میں عشقِ الٰہی کی وہ وہ گوہر افشانیاں ملتی ہیں کہ جہاں تک سب منتہین اہلِ سلوک کے ذہن کی رسائی بھی مشکل سے ہوتی ہے۔ معمولی معمولی باتیں بھی بڑی پُر مغز اور طرب آمیز ہوتی ہیں مجلس میں بیان کا رنگ نہ صرف اصلاحی بلکہ بڑا ہی دلبرانہ ہوتا ہے۔ اور بیچ بیچ میں بابا صاحب عشقِ الٰہی اور معرفتِ حق کی وہ گلاب پاشی فرماتے جاتے ہیں

ؔ چند خطوط کے عکس صفحات ۱۲ تا ۱۵ پیش کئے گئے ہیں ۱۲

کہ اہلِ مجلس بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں:۔

اُف ری گرمیٔ محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اُٹھے

طرزِ تخاطب بالکل نرالا ہے۔ مخاطب کو ڈانٹ بھی رہے ہیں، بُرا بھی کہہ رہے ہیں، ہنسا بھی رہے ہیں۔ قائل بھی کر رہے ہیں۔

سب سے اک شان جُدا سب سے اک آہنگ جُدا
رنگِ محفل بھی جُدا۔ کیف جُدا۔ ڈھنگ جُدا

۳۔ بابا صاحب کے کمالات کے یہ تاثرات نہ صرف کاتب الحروف ہی پر اثر انداز ہوئے ہیں بلکہ ان تاثرات سے دوسرے اہلِ دل بھی متاثر ہوئے ہیں۔ مولوی فضل اللہ صاحب جو کہ مجاز ہیں مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ کے جو کہ خلیفہ تھے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کے جب ہندوستان سے کراچی تشریف لائے تھے تو کئی بار بابا صاحب کی خدمت میں تشریف لائے۔ وہ جناب عشرت علی خاں قیصر صاحب مالک پاک شاہین ٹریڈنگ کارپوریشن سے فرماتے تھے کہ یوں تو بہت سے بزرگ ہیں اور سب ہی اچھے ہیں مگر (بابا صاحب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) یہاں دنیا نہیں ہے اور ان میں حبِ دنیا نہیں ہے۔ اسی طرح جناب صوفی صغیر حسن صاحب سابق پرنسپل اسلامیہ کالج الہ آباد نے بھی اپنے تاثرات کاتب الحروف کو تحریراً عنایت فرمائے ہیں جو ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:۔

بابا صاحب کے متعلق صوفی صغیر حسن صاحب سابق پرنسپل اسلامیہ کالج الہ آباد کے تاثرات

اس خاکسار کو حضرت نجم احسن صاحب یعنی بابا صاحب کی صحبت ذی قدر اور بابرکت میں داخل ہونے سے شریعت و طریقت کی کئی باتیں حاصل ہوئیں۔

۱۔ مجھ میں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی عظمت و تمکین کا قوی جذبہ پیدا ہوگیا۔

۲۔ خدائے تعالیٰ کی محبت اور تصور کے حصول میں حضرت پیر و مرشد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کلی انحصار کا ہونا معلوم ہوا۔

۳۔ عقائد کی درستی کے مقام کا بلند ہونا معلوم ہوا۔ جو دین کی اصل بنیاد ہیں۔ جن پر حقیقی اسلام کا تصور مبنی ہے۔

۴۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور اس کا اہتمام لوازم تقویٰ ہونا معلوم ہوا۔

۵۔ تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا۔ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت حاضر و ناظر جاننا۔ اور اسی سے ہر کام میں استعانت کی درخواست کرنا معلوم ہوا۔

۶۔ سب تعلقات اور معاملات سے کٹ کر اللہ کا ہو جانا اور اس کو یاد رکھنا۔ اس کا ذکر کرنا حاصل زندگی معلوم ہوا۔

۷۔ اہلِ سنت والجماعت کے خالص راستے کو اختیار کرنا ہی نجات معلوم ہوا۔

۸۔ علمائے ہند کی علمی بلندی اور تقویٰ کی اہمیت، شریعت و طریقت میں ان کی بے لاگ خدمت کا دل سے معترف ہوا

۹۔ بے فائدہ اور فضول گفتگو سے اجتناب کرنا بہت ضروری معلوم ہوا۔

۱۰۔ ہندوستان و پاکستان میں سلسلۂ امدادیہ اشرفیہ کی روحانی

خدمات کا صحیح اندازہ ہوا۔

۱۱ - نیز فیضِ صحبت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

(ا) حضرت ہر مضمون کو نہایت بلند سطح پر لیجاتے ہیں، پھر معقول دلائل اور لاجواب خطابت کے ساتھ پیش کرتے ہیں جس کا سامعین پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ میں خود بھی متاثر بلکہ مسخّر ہوا ہوں۔

(ب) حضرت کی مجالس انتہائی بلندی کا مرقع ہوتی ہیں۔ علمی تگ وتاز کا بے پایاں میدان ہوتی ہیں۔ اہلِ علم اور اہل دل کے لئے عمدہ عمدہ خوانِ نعمت تیار ملتے ہیں۔ اہلِ طبائع لطیفہ تو بہت ہی محظوظ ہوتے ہیں۔

(ج) حضرت کی ذاتِ گرامی موجودہ طوائف الملوکی کے زمانے میں ایک چشمۂ شریعت وطریقت ہے۔ جس سے لوگ فیضیاب ہوتے اور لطف وکرم سے شادکام واپس جاتے ہیں، آپ کی ذات اقدس اس زمانہ میں بے مثل ہے۔ انتہا بلفظہٖ

۴ - اگرچہ باباصاحب کی عمر اس وقت اسّی سے گذر چکی ہے مگر جسم میں زندگی کی حرارت بدرجۂ اتم موجود ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے عشقِ الٰہی کی بجلی ہر وقت رگ وپے میں گردش کر رہی ہے۔

۵ - ایسا لگتا ہے کہ تھانہ بھون میں تقسیمِ فیض کا ہر شخص کے لئے علیحدہ معیار تھا۔ باباصاحب کی استعداد قبولِ عاشقانہ رہی۔ لہٰذا انھیں ایک نئے انداز کی شرابِ محبت عطا ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر پاس بیٹھنے والا یہ محسوس کرتا ہے

رگ رگ میں بھر گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

٦ - بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں ؎

در کارِ گلاب و گل حکم ازلی ایں بود
آں شاہدِ بازاری ویں پردہ نشیں باشد

بعضوں پر ولایت غالب اور مشیخت مغلوب ہوتی ہے۔ ان سے امورِ تکوینیہ انتظامیہ میں کسی قدر کوتاہیاں ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے اہلِ خرد کو اُن پر اعتراض کا موقعہ ملتا ہے۔ حالانکہ وہ بزرگ اس میں کسی حد تک معذور ہوتے ہیں۔ اور بعضوں پر مشیخت غالب اور ولایت مغلوب ہوتی ہے۔ یہ بزرگ امور انتظامیہ میں بڑے بیدار ہوتے ہیں، مگر ایسے بزرگ جو دونوں شانوں میں یکسانیت رکھتے ہیں کاملین اور اکملین میں سے ہوتے ہیں۔ اور صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ہم تکمیل کے اس درجے کو ہر بزرگ میں تلاش کرنے لگیں گے تو ہم بہت سے بزرگوں کے فیض سے محروم رہ جائیں گے۔

٧ - اس کا افسوس ہے اور رہے گا کہ اس مبارک مگر اہم کام کو مجھ جیسے شخص کو انجام دینے کا موقع ملا کہ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ ؎

شاہ را گوید کسے جولاہا نیست
ایں نہ مدحت او مگر آگاہ نیست

کے تحت ان کیفیات کا صحیح حق ادا نہ ہو سکا ہو۔ چاہیئے یہ تھا کہ اس کام کو کوئی بابا صاحب جیسا ہی انجام دیتا تاکہ۔ ولی را ولی می شناسد کے اصول پر حضرت بابا صاحب کے کمالات کا کامل انکشاف ہوتا۔

٨ - اس کتاب کے لکھے جانے پر اول تو بابا صاحب راضی ہی نہیں ہو رہے تھے جیسا کہ اوپر گذرا۔ دوئم راضی بھی ہوئے تو اپنی حیات میں اس کا طبع ہونا کسی طرح پسند نہ تھا۔ بلکہ فرمایا بھی کہ اگر شائع کی گئی تو یہ میری اجازت کے

بغیر ہو گی۔ مگر میرے دل نے یہ کہا کہ۔ اگر ان موتیوں کو بابا صاحب کی حیات کے بعد منظر عام پر لایا گیا تو لوگوں کو اس بات کا افسوس ہو گا کہ اگر حیات میں معلوم ہو جاتا تو فیض سے محروم نہ رہتے۔

اخیر میں میرے لئے ان دو حضرات کا بالخصوص شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

اول محترمی حضرت سوزؔ شاہجہانپوری صاحب کا جنھیں بابا صاحب اپنی مجلس کا میرزا مظہر جان جاناں کہا کرتے تھے۔ جنھوں نے اپنی علمی مشوروں سے مجھے سرفراز فرمایا۔ دوسرے مکرمی جناب سید حسن صاحب کا۔ جنھوں نے اس کتاب کی طباعت کی پوری ذمہ داری اپنے اوپر لینے میں دوسرے حضرات کو مجبور کر دینا اپنے لئے باعث شرف سمجھا۔

المرتب

محمد صدیق

کراچی

۳۰ مئی ۱۹۷۲ء

نوٹ

یہ چند الفاظ لکھے جا چکے تھے کتاب مکمل ہو چکی تھی بلکہ ایک معتد بہ حصے کی کتابت بھی ہو چکی تھی کہ پے در پے ایسے حالات پیدا ہوتے چلے گئے کہ طباعت کی نوبت نہ آئی۔ حتیٰ کہ حضرت بابا صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے۔

محمد صدیق

کراچی

۳۰ مئی ۱۹۷۷ء

بابا صاحب کے بعض خطوط کا عکس

(پہلا خط)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تم (سب) سلامت رہو ہزار برس

محسن مطلق کا شکر ہے بے حد بے نہایت

کہ میری پیاری میری چہیتی اور میری جاننے والی

قرۃ العین طیبو کو باجی جان کہنے والا نور العین

بشیر جد و اعمام و عمات "منیر" سلمہ النور کی آمد

پُرانوار دل کو خوش اور روح کو مسرور کرنے والی آمد کا مژدہ

سنا سے الحمد للہ بر آں چیز کہ خاطر می خواست

آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

اللہ محسن مطلق نے برسوں ہی پہلے میرے دل میں ڈال دیا کہ انشاء اللہ

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا دعا مقبول ہو گی ہو گیا

اور منیر میاں آرہے ہیں برسوں میں طیبو کے جاننے والے دادا دادی

اور رخوا (رؤف سلمہ) کو دیکھنے میں لگ گیا اور منیر کی شکل

اس وقت تک صرف ممکن آمد کی خبر بتایا بھول گیا
اللہ کی شان ہے یا میں عمیر مصطفٰے سب کا نام
اللہ نے پہلا ہی دل میں ڈال دیا ایسے ہی رکھوا لئے گئے
اور ایسے ہی بدر منیر کے لئے سلمہم اللہ
کل صبح مجھے پھر خیال آیا تو میں نے نو دس بجے عزیزے کیا
کہ بھائی دیکھو طیبو کو اللہ بھائی دے تو منیر (جناب محمد منیر احسن صاحب)
نام رکھا جائے گا حالانکہ میں نے پیشگوئی نہیں کیا
نہ خیال کہ میرے دل کی بات یقینی ہے غیب صرف اللہ کی چیز ہے
مگر اُسی عالم الغیب والشہادۃ اور مالک الغیب والشہادۃ نے
میرے دل کو خوشبو دے دی
میں اپنے مالک کا شکر ادا کرتا ہوں شکر ادا کرتا ہوں
قاصر ہوں اللہ میرے بچوں کا حافظ و نگہبان ہے
دعائیں پیار اشک مسرت کے ساتھ

ابو
اپنے مالک کا گنہگار
بنام احسن و درمحل اقیم
(بطور دادا بابا)
یوم دوشنبہ ۳/۲/۶۹ء ۱۵/۱۱/۸ھ

دوسرا خط

۷۸۶

نور نظرم — اللہ تم سب کو اپنی حفاظت میں رکھے
اور دونوں جہان میں مراتب اعلیٰ کو پہنچائے
میں وہ کہہ رہی ہوں جو لفظ کہنے کی ضرورت
نہیں ہے مگر پھر اور کیا کہوں
دیکھو زندگی بہت جلد ختم ہونی ہے اس زندگی کے بعد
ایک اور دور آنے والا ہے جہاں کے اعمال اور
یہیں کی زندگی اور طرز زندگی کی وہاں پرسش ہوگی
یا سوئیٹ تو الحمدللہ کلمہ صدق دل سے
پڑھنے کے بعد موجب ہے مگر اصل چیز کسٹم ہے
یہ کسٹمی معاینہ ٹھیک ہو جائے تو ویزا کی منزل

فردوس بریں میں ٹھکانا ملے گا ضرور
ان شاءاللہ

نماز ، مطالعہ ، تلاوتِ قرآن

بدگمانی بد زبانی بداندیشی بدنگاہی سے بچنا

جہاں تک ہوسکے نیکی کرنا

دیانت ، امانت تو ماشاءاللہ میرے بچوں کا

مزاج ہے اس لئے کہنا کیا لیکن

نفس کے خباثت اور رذائل کی طرف

توجہ ضروری ہے والسلام

تمہارا ابو سلامت رہو ہزار برس

بابا

بسم اللہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

باب ۱:

ولادت ونامِ نامی

حضرت بابا صاحب سنہ ۱۳۱۰ھ میں نگرام ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے اسم شریف محمد نجم احسن ہے اور تاریخی نام نظیر الاحسن ہے۔

باب ۲:

شرف نسب

حضرت بابا صاحب کا سلسلۂ نسب حضرت عبادہؓ بن صامت انصاریؓ سے ملتا ہے بخلاف ہندوستان کے دوسرے انصاریوں کے جو خود کو حضرت ابوایوب انصاریؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حضرت بابا صاحب خود فرماتے ہیں کہ مجھے قیاس کے درجے میں اپنے خاندان کی بوڑھیوں کے اندر دین کے ایسے خصوصی جذبات وغیرہ اور ایسے آثار ملتے ہیں جن سے نسب کی صحت کو تقویت ملتی ہے۔ حضرت بابا صاحب کے ایک مورث عبد الغنی یا عبد المغنی یا محمد عوض ابراہیم لودھی کے زمانے میں لاہور آئے اور یہاں تین پشتوں تک مقیم رہے۔ پھر دھیرے دھیرے کرکے لکھنؤ

؎ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے۔

پہنچ گئے۔ حضرت بابا صاحب کے خاندان میں ایک حضرت شیخ نامر محدّث بھی گذرے ہیں جن کو بادشاہِ وقت سے کچھ زمین بھی ملی تھی، اسی طرح ایک حافظ علیم اللہ شائق بھی گذرے ہیں جو امین الدولہ وزیرِ اودھ کے استاد تھے۔ ان کا ایک فارسی نعتیہ قصیدہ ہے ــــــــ حضرت بابا کے والد کے نانا جناب عبد العلی صاحب بھی انھیں کے شاگرد تھے اور امین الدولہ کے ساتھ کے پڑھے ہوئے تھے۔ حضرت بابا صاحب کے والد کے دادا جناب محمد عبد السلام صاحب بھی ایک ذی علم اور صاحب تصنیف بزرگ تھے اِن کی ایک تصنیف کا ایک عکسی نمونہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے جو انھوں نے فارسی زبان میں لکھی ہے اور خود ہی اردو ترجمہ نیز حاشیہ بھی لکھا ہے۔ پھر کتابت بھی خود ہی کی ہے۔ اصل عبارت جو فارسی میں ہے وہ سیاہ روشنائی میں ہے اور ترجمہ جو اردو میں ہے وہ سرخ روشنائی میں ہے، حاشیہ بھی سیاہ روشنائی میں ہے جو فارسی میں ہے۔

نمونہ اگلے صفحہ پر ہے اور اس سے اگلے صفحہ پر حضرت بابا صاحب کے خاندان کا شجرہ اختصار کے ساتھ درج ہے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۱۵ حضرت عبادہ بن صامت رضی انصار مدینہ میں سے تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی کے لشکر کے ساتھ زمانۂ حضرت معاویہ میں قسطنطنیہ گئے۔ راستے میں جزیرۂ قبرص میں ان کی بیوی (یعنی حضرت بابا صاحب کی جدّہ) سواری سے گر کے شہادت پا گئیں۔ قبرص میں ان کی قبر "صالح بی بی کی قبر" کے نام سے مشہور ہے جیسا کہ بلاذری میں بھی لکھا ہے۔ اس سلسلے میں بابا صاحب کا ایک شعر ہے۔

گویند کہ مائیم ز اولادِ عبادہ رضی

ز انصار و ز اصحاب دفا خوئے محمد صلعم

احسن
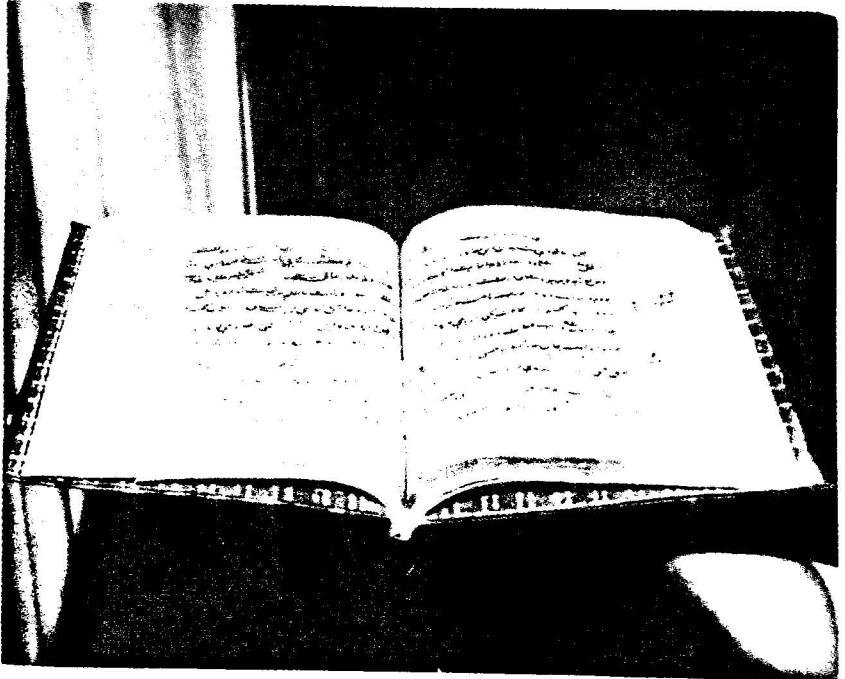
بابا صاحب کے والد کے دادا جناب محمد عبدالسلام صاحب کی کتاب کا عکس

باباصاحب کا مختصر شجرۂ نسب

عـہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے۔
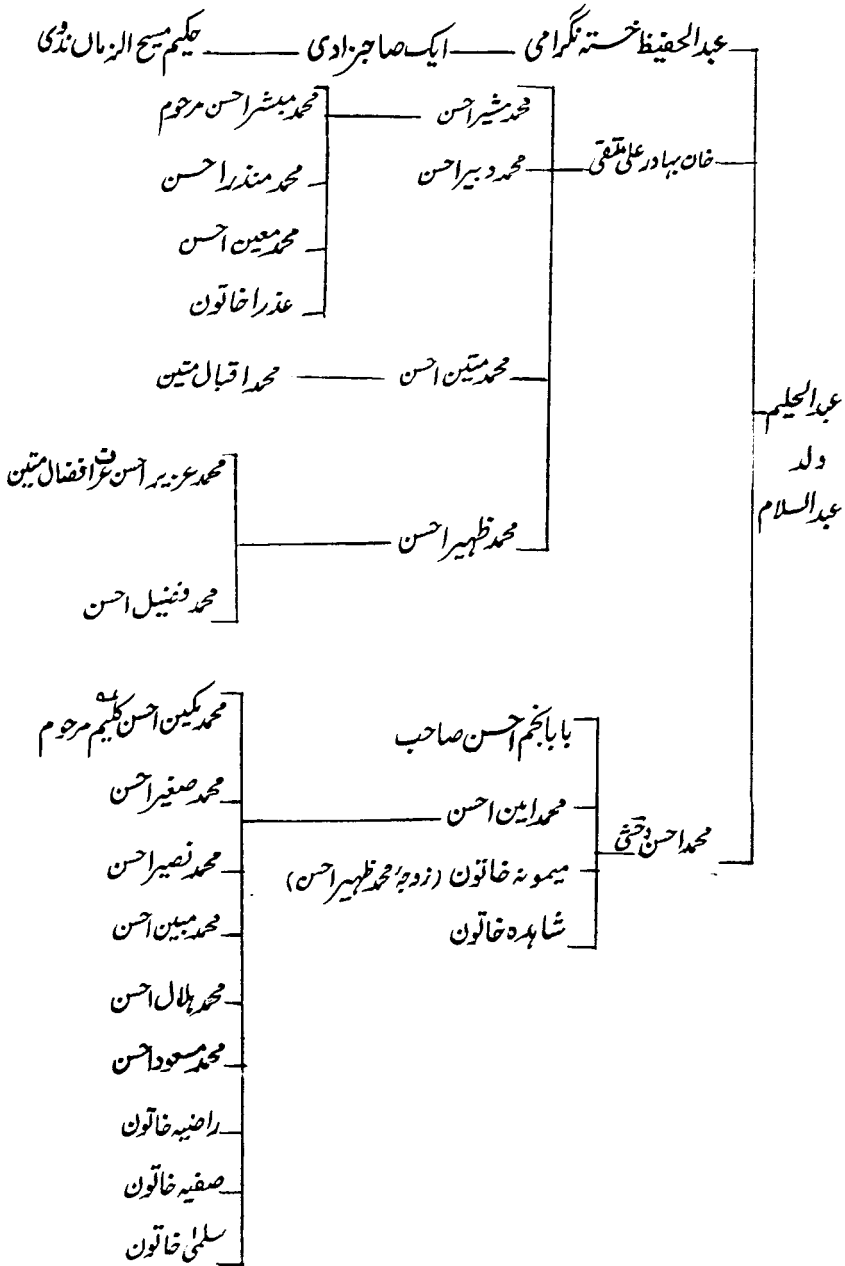
بابا صاحب فرماتے ہیں کہ الحمدللہ کہ یہ سارے لوگ صحیح العقائد ہیں۔

بابا صاحب نے فرمایا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے پوتے سے پوچھا۔ امتحاناً کہ اگر کوئی تم کو ایک لاکھ روپیہ دے کر کہے کہ تم صرف ایک گھنٹہ کے لئے کافر ہو جاؤ تو کیا تم ہو جاؤ گے؟ "جواب دیا نہیں"۔ میں نے پوچھا کیوں کہا کہ اس لئے کہ اگر اس ایک گھنٹہ میں میرا انتقال ہو گیا تو میں کافر ہی مرجاؤں گا میں نے اسے انعام دیا۔

(صفحہ ۱۹ کا حاشیہ)

یکین احسن کلیم صاحب ۱۹۲۳ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے

ابتدائی تعلیم پرتاب گڈھ میں حضرت مولانا نجم احسن صاحب کی زیر نگرانی حاصل کی پھر الہ آباد یونیورسٹی سے ایم۔ اے کرنے کے بعد روزنامہ قومی آواز لکھنؤ سے وابستہ ہوگئے۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کرکے مشرقی پاکستان گئے اور کچھ عرصہ بعد لاہور منتقل ہوگئے۔ لاہور میں کچھ عرصہ روزنامہ ملت سے وابستہ رہے پھر ۱۹۵۵ء میں روزنامہ نوائے وقت کے عملہ ادارت میں شامل ہوگئے اور آٹھ سال تک اس ادارے سے منسلک

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

باب ۳ :

والدِ محترم

حضرت کے والدِ محترم جناب حافظ حاجی محمد احسن۔ وحشیؔ۔ نگرامی بڑے باکمال اور صاحب، علم و تقویٰ بزرگ تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے، وحشیؔ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

رہے ۱۹۶۲ء میں روزنامہ مشرق کے اجرا کے وقت مشرق کے عملہ میں شامل ہو گئے اور بطور ڈپٹی ایڈیٹر فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۳ء میں ایڈیٹر مقرر ہو گئے۔ صحافتی زندگی میں متعدد غیر ممالک کا سفر کیا ۱۹۷۴ء میں حج بیت اللہ کی بھی سعادت حاصل کی۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۷۶ء میں دماغ کی شریان بند ہونے کے عارضہ میں بعمر ۵۳ سال انتقال کیا اور میانی صاحب کے قبرستان لاہور میں سپرد خاک کئے گئے۔ پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔

تخلص تھا۔ عربی و فارسی میں زیادہ اور اردو میں ذرا کم شعر کہا کرتے تھے مگر سب ضائع ہو گئے ایک نظم باباصاحب کے اشعار کے مجموعہ میں نظر پڑی ۔ جو درج ذیل ہے :۔

غل ہے ہر سمت مسلماں ہوئی دختِ دلنشا[1] | بن گئی بیگم جینا[2] یہ خبر ہے مشہور

ہو گئی جرعۂ شورابۂ زم زم پی کر | جامِ جمشید و خم بادۂ لندن سے نفور

نغمۂ موبد و مغ۔ دل سے فراموش کیا | ہو کے الحانِ حدی خوانِ عرب سے مسحور

اہلِ تحقیق سے اس امر میں ہے ایک سوال | ہے یہ امید کہ انصاف کریں گے وہ ضرور

اس روایت پہ ذرا غور سے ڈالیں وہ نظر | لوگ کہتے ہیں بڑے باپ کی بیٹی ہے وہ حور

نورِ تعلیمِ جدید سے منور ہے دماغ | دولت و ثروت و حشمت بھی ہے گھر میں بھرپور

ظلم ہے کہیے اگر جذبۂ حیوانی ہے | قہر ہے جانیے گر فہم و فراست کا قصور

کیا نہیں بادۂ عرفان کے متوالوں میں | کیا نہیں ساغرِ صہبائے یقیں سے مخمور

اس صنم نے جو پڑھا کلمۂ توحیدِ خدا | ہو یہ ارشاد کہ کیا راز ہے اس میں مستور

سیفِ محمود[3] ہے یا ہے ستمِ عالمگیر[4]
کس نے اسلام پہ اس بت کو کیا ہے مجبور

اردو نثر میں بڑی دستگاہ حاصل تھی چنانچہ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں تین کتابیں۔ حیاتِ مسیح، وفاتِ مسیح اور ولادتِ مسیح بڑی معرکۃ الآرا تھیں وفات الاخیار بھی بڑی عمدہ تھی جس میں اپنے چاروں سلسلے کے بزرگوں کی تاریخ پیدائش تاریخ وفات اور جائے مدفن اور مختصر حالات درج ہیں۔ ایک اور کتاب نغمۂ حرم تھی، یہ میلادنامے کے انداز کی تھی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس میں میرے والد کی نظموں کے علاوہ میری بھی نظمیں تھیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے اس کے

---

[1] دلنشا ایک پارسی تھا بمبئی میں جس کی لڑکی سے محمد علی جناح نے شادی کر لی تھی۔ [2] یعنی محمد علی جناح ۱۲
[3] مراد سلطان محمود غزنوی۔ [4] مراد شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر۔

علاوہ عقدِ بیوگان اور پردہ کی حمایت میں کئی ناول بھی لکھے ۔ ان میں ایک مجبوس بن گزشت (معرکۂ سومنات) تاریخی تھی ۔ اور معشوقۂ عرب بھی سچے واقعات پر بنی تھی ۔ میرے والد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک نظم "فریادِ وحشی بحضور نبی قریشی" لکھی تھی ۱۳۱۲ھ میں بیداری کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تعالَ یا وحشی"[۱]۔ والد صاحب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے (بیعت ہونے کا قصہ اپنے والد کا حضرت بابا صاحب یوں فرماتے ہیں) میرے والد صاحب ۱۳۱۲ھ میں حج کو گئے چلتے وقت یہاں سے مولانا محمد ادریس صاحب یعنی والد محترم کے ماموں صاحب کا خط بھی لیتے گئے ۔ والد صاحب مولانا محمد ادریس صاحب سے بیعت ہو گئے تھے ۔ مگر حج کو جاتے وقت انھوں نے حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہو جانے کی تاکید کی ۔ اور حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ایک سفارشی خط بھی لکھا انھوں نے جا کر خط حاجی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا حضرت حاجی صاحب نے پڑھا تو اٹھا کر سر پر رکھ لیا ۔ اور فرمایا ۔ دیکھو میں تم سے کہتا ہوں کہ تمہارے شیخ ایسے بڑے بزرگ ہیں کہ ایسے بزرگ اگلے زمانہ میں ہوتے تھے ۔ میں تم کو ہرگز بیعت نہ کرتا مگر اب ان کے حکم سے کرتا ہوں والد صاحب کئی مہینے وہاں رہے، آنا ہی نہیں چاہتے تھے ۔ مگر بیوی بچوں کی وجہ سے چلے آئے مگر روتے ہوئے آئے، حضرت حاجی صاحب بھی چاہتے تھے کہ یہ رہیں گے تو میرے ملفوظات جمع کرنے کا اور کتب خانے کا کام کریں گے ۔ مگر حاجی مرتضیٰ خاں صاحب (اصطفا خاں[۲] مرحوم کے والد) نے عرض کیا کہ حضرت

---

[۱] اے وحشی میرے پاس آؤ۔ [۲] جنا بلڈنگ لکھنؤ اور اصغر علی محمد علی کارخانے کے مالک۔

ان کی بوڑھی والدہ ہیں اور بچے بھی تو حضرت حاجی صاحب نے تاکید کی کہ ضرور واپس جاؤ۔ اس طرح روتے ہوئے واپس آئے۔ والد صاحب نے ۵۲ برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا اور صرف چار مہینے میں یاد کر لیا جب سے قرآن یاد کیا تھا سب چھوڑ دیا تھا۔ سارا دن قرآن ہی پڑھا کرتے تھے، اور بات بات پر قرآن شریف سے حوالے پیش کرتے تھے۔ صاحبِ کیف آدمی تھے، سلوک کے مراحل سب طے تھے۔ انتقال سے دو سال قبل کا واقعہ ہے کہ آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھے ہیں اور یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

نزاکت اس گلِ رعنا کی کیا کہوں انشا
نسیمِ صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

بابا صاحب آگے فرماتے ہیں۔ "مجھے اپنے والد صاحب سے بہت ہی تعلق تھا۔ بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ دنیا میں بس ڈیڑھ آدمی ایسے تھے جن کی بات میں نے بے چوں و چرا تسلیم کی۔ ورنہ میں نے یوں تو انگریزی، عربی سبھی بڑے بڑے علماء سے پڑھی۔ سمجھ میں آیا تو آیا ورنہ پوچھتا تھا ضرور۔ یا یہ کہ نہ سمجھ میں آیا تو کبھی چُپ بھی ہو گیا۔ لیکن سب کے ساتھ یہ ہوتا تھا کہ ان کے بتائے ہوئے اشعار یا عبارت میں یہ خیال آتا تھا کہ اس شعر کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ان ڈیڑھ آدمی کے متعلق کبھی یہ خیال نہ آیا، ایک تو میرے حضرت مرشدی اور دوسرے میرے والد صاحب کبھی کبھار تو میں نہیں کہتا والد تھے انکار کیا ہو۔ ورنہ یاد نہیں پڑتا کبھی انکار کیا ہو۔ میرے والد صاحب کی طبیعت بھی بڑی ہی سخت تھی۔ مجھے یاد ہے کہ دس بارہ برس کی عمر میں پڑا سو رہا تھا۔ لات مار کر مجھے یہ کہتے ہوئے اٹھایا کہ اُٹھ نماز کے وقت سوتا ہے۔ والد صاحب نے مجھے یوسف زلیخا کی حمد و

نعت اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی شان میں جو اشعار ہیں خود پڑھاتے تھے۔ سبقاً سبقاً نعت میں جب یہ پڑھا غلامے بود یوسف زر خریدہ۔ تو باوجود کم عمری کے میری زبان سے سبحان اللہ یا اور کوئی کلمہ پسند کا نکلا تھا پوچھا کیوں میں نے کہا۔ خوب کہا۔ فرمایا۔ دیکھو ہم امتی اور غلام ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے۔ ہم ایسے نہیں کہہ سکتے ہمارے لئے ادب لازم ہے مولانا جامی عارف ہیں، انھوں نے عاشقانہ انداز میں یوں ہی کہا ہے۔ مگر یوں صرف وہ یا جوان کے سے ہوں کہہ سکتے ہیں۔ ہماری تمہاری ہستی وہ نہیں جو ہم ایسا کہہ سکیں۔

حضرت باباصاحب کے والد محترم کا انتقال ۱۹۲۵ء میں ہوا۔ محمد اصطفیٰ خاں آصف لکھنوی نے ان کی وفات نیز حضرت باباصاحب کے عم محترم اور چھوٹے بھائی کی وفات سے متعلق چند قطعات لکھے ہیں جو درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

قطعۂ وفات الحاج مولوی محمد احسن الملقب وحشی امدادی نگرامی

۲۵ ۱۹ ع

(یعنی حضرت باباصاحب کے والد محترم)

عالم حاجی شاعر امدادی وخوش اوقات
انساں ہونے کی حیثیت سے تھی نہ کچھ ان میں خامی

حاجی امداداللہ صاحب سے بیعت حاصل تھی
وہ جو قطب وقت ہیں گذرے دین فطرت کے حامی

دارِ فنا سے دارِ بقا کو آج یکایک کوچ کیا
سر سے ان کا سایہ اٹھنا قسمت کی ہے ناکامی

قصبہ پہ چھائی ہے خموشی سوگ میں ہے ہر پیر وجواں
اسکو اخوت دینی کہئے ہے یہ شانِ اسلامی

مولانا کا سالِ وفات لے آصف با آوازہ کہو

۱۵

شیخ الحاج محمد احسن صاحب وحشی نگرامی

۱۵۱۰ + ۱۵ = ۱۹۲۵

دیگر

حاجی محمد احسن روسوئے خلد کردہ ۔ دورا ز جہاں فتادہ آباد کرد مدفن
قرآن حفظ کردہ در آخرِ جوانی ۔ خوش لحن مثلِ طائر نغمہ سرا بہ گلشن
نگرام زاد بوم داہلِ زباں چو شہری ۔ بافکرِ شعر کردہ وحشی تخلص احسن
پیر و جواں بہ ہجرش ماتم کناں وگریاں ۔ از مرگِ او بہ قصبہ برخاست شورِ شیون
اے اصطفا بگفتم تاریخِ ارتحالش
رفت از جہاں یکا یک وحشی محمد احسن

۱۳ ـــــ ۴۴ھ

-×-

رباعی

چوں سیر شدہ از سیرِ گلزار جہاں ۔ عزلت بگزید واز نظر شد پنہاں
گفتم از سرِ احسن و پائے وحشی ۔ حاجی حافظ محمد احسن بہ جناں

۱ ۱۰ ۱۳۴۴ھ = ۱۳۳۳ + ۱۱

قطعہ تاریخ رحلت محمدّ امین احسن

یعنی حضرت باباصاحب کے برادر خورد

کوچ دنیا سے کیا تم نے اچانک حیف ہے — صبر کیسے آئے کیوں لب پر نہ آئے دل سے آہ
کیسے دل بہلایئے ۔ کیسے تسلی دیجئے — بھولتا ہی غم نہیں آٹھوں پہر شام و پگاہ
یوں بسر ہوتے ہیں روز و شب تمہاری یاد میں — دیکھنے کو پیاری صورت اب ترستی ہے نگاہ
اس سفر سے ہے مفر کس کو مشیت تھی یہی — ایک دن جانا ہے سب کو ہو وہ مفلس یا کہ شاہ
اصطفا نے لوحِ تربت کے لئے مصرع لکھا — آخری ابدی امین احسن کی ہے آرامگاہ

۱۳ ھ ۶۱

دیگر

جوانی میں کیا تم نے سفر اس دارِ فانی سے — گئے تم خلد میں اور ہم سے چھوٹا صبر کا دامن
کسی صورت سے سیلِ اشک آنکھوں سے نہیں رکتا — کرے کس طرح ضبطِ غم تمہارا بھائی نجم احسن
تمہارے دم سے وابستہ تھیں میری کتنی امیدیں — گری برقِ اجل پھونکا امیدوں کا مری گلشن

کہی تاریخ رحلت اصطفا نے میری تسکین کو
مبارک جاودانی جنت الفردوس امین احسن

۱۳ ھ ۶۱

اہلِ حق خان بہادر مولوی محمّد علی متّقی صاحب

۱۹ ء ۴۳

(یعنی بابا صاحب کے تایا مرحوم)

سدھارے جہاں سے بزرگ آج اپنے — ہے ناقابلِ ضبط یہ دردِ فرقت
خود آرام سے ہیں وہ باغِ جناں میں — ہیں پسماندگان مبتلائے مصیبت
دعا ہے الٰہی کہ تیرے کرم سے — ابد تک لحد پر ہو بارانِ رحمت

زروئے الم سالِ فوت اصطفٰا لکھ
محمّد علی متّقی نیک خصلت

۱۹۴۲ء + ۱ = ۱۹۴۳ء

باب ۴ :

والدہ محترمہ

حضرت کی والدہ صاحبہ بھی اولاد کی تربیت میں بڑی صلاحیت رکھتی تھیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر والد صاحب نے کسی بات پر خفا ہو کر کہا کہ اسے کھانا نہ دینا تو کبھی چھپا کر نہ دیا۔

باب ۵ :

دادی محترمہ

بابا صاحب نے فرمایا کہ میری دادی ام سلمٰی بڑی زبردست ولیہ تھیں عبدالعلی صاحب کی لڑکی تھیں۔ ایک منزل روز تلاوت کرتی تھیں۔ انتظامی مادہ ان میں اتنا تھا کہ گھر بیٹھے کاشتکاری وغیرہ کا حساب کتاب کرتی تھیں۔ دادا ہمارے بارہ بنکی میں رہتے تھے اور دادی لکھنؤ میں لہذا ساری تربیت لڑکوں کی ہماری دادی نے کی ہے۔ پڑھنا خوب جانتی تھیں لیکن بیچاری لکھنا نہ جانتی تھیں۔ عموماً لکھنے کا رواج بھی نہ تھا۔ میں نے دادی کی ماں کو دیکھا ہے۔

باب ۶ :

اہلیہ محترمہ

بابا صاحب فرماتے ہیں کہ میری پہلی شادی کے وقت میری عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ بیوی کی کوئی سولہ سال کی رہی ہوگی۔ وہ مولانا محمد ادریس صاحب کی لڑکی تھیں۔ وہ اتنی خوبیوں والی تھیں کہ میں تعریف کر ہی نہیں سکتا۔ بڑی ہی لائق اور سمجھدار تھیں۔ مجھے بڑے مفید مشورے دیتی تھیں۔ جواب بڑے سلیقہ کا دیتی تھیں۔ بیچاری دو برس زندہ رہ کر مرگئیں۔ اس وقت میں لکھنؤ میں تھا۔ خبر ملی کہ طاعون ہوگیا ہے۔ اسی حالت میں لڑکا پیدا ہوا۔ جو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ آخر کار بچہ بھی مرگیا اور وہ بھی ——— شہادت کا درجہ ملا۔ اس کا صدمہ مجھ کو ایسا ہوا

کہ دو ڈھائی برس میں پاگل رہا۔ چوٹ مجھے اسی سے لگی اور بھائی بغیر چوٹ کے کام چلتا نہیں۔ سارا گداز دل میں اسی سے پیدا ہوا۔ دوسری شادی کر لینے کے باوجود مجھے پہلی بیوی کی یاد آتی رہتی تھی۔ کبھی کبھی میری دوسری بیوی برا مان جاتی تھیں۔ تو میں کہتا تھا کہ برا ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیا میں تمھاری کوئی حق تلفی کرتا ہوں۔ یا کسی غیر کو نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں۔ پہلی بیوی تو میرے خاندان کی تھیں۔ بچپن میں میں نے انھیں دیکھا بھی تھا۔ بعد میں نہیں دیکھ سکا پردہ کا رواج بڑا سخت تھا۔ مگر دوسری بیوی خاندان کی نہیں تھیں، نہ پہلے کبھی دیکھا تھا۔ دونوں سے مزاج میں مناسبت ہوتے ہوتے بہت وقت لگا۔ چونکہ شعریت میرے خاندان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اس کا اثر یہ تھا کہ میری پہلی بیوی بھی شعر و شاعری کا ذوق رکھتی تھیں۔ کیونکہ خاندان ہی کی لڑکی تھیں۔ ان کے خطوط بڑے علمی رنگ کے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے مجھے نگرام سے لکھنؤ خط لکھا کہ ۔ خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں ۔ اُن کے انتقال کے بعد میں نے بہت دن تک ان کے خطوط کو محفوظ رکھا۔ جدا کرنے کو دل ہی نہ چاہتا تھا۔ لیکن ایک دن خیال آیا کہ خطوط کے ساتھ دل کی ایسی گرفتاری تو ایک بلا ہے بس میں نے فوراً وہ سب تلف کر دیئے۔

بابا صاحب فرماتے ہیں کہ۔ جب میری پہلی بیوی ۱۹۱۳ء میں انتقال کر گئیں تو ۱۹۱۶ء میں عقدِ ثانی ہوا ۔ یہ بیچاری بھی ۵۲ ۔ ۵۳ برس کی عمر تک پہنچکر بہت معذور ہو گئی تھیں ۔ ایک تو ضعیفی، دوسرے ذیابطیس کا مرض ۔ مجھ سے بڑی محبت کرتی تھیں ۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ کچھ ہوا تھا ۔ اب یاد نہیں کہ کیا ہوا تھا۔ بہرحال میں آنکھیں بند کئے لیٹا تھا محسوس ہوا کہ کوئی گھسٹتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ بے چاری چلنے سے معذور

ہوگئی تھیں۔ غرضیکہ چارپائی کی پٹی کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ میں گھبرایا۔ پوچھا کیوں۔ کیسے۔ کہنے لگیں میری خطا معاف کر دیجئے۔ میں نے ہنس کر کہا تمہاری سب خطائیں معاف ہیں۔ اگلی پچھلی۔ اس کے بعد انھوں نے ایک ایسا جملہ کہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اُن کو مجھ سے کیسی محبت ہے۔ جب میں نے یہ کہا کہ ابھی معافی مانگ رہی ہو ابھی پھر لڑو گی۔ تو جواب دیا کہ تم سے نہ لڑوں تو پھر کس سے لڑوں۔ پتہ چلا ان کے دل میں کس قدر محبت تھی۔ مگر اظہار نہ تھا۔ قرآن شریف سے بڑا شغف تھا۔ جہاں فرصت ملی قرآن شریف لے کر بیٹھ گئیں۔ ذرا طبیعت خراب ہوئی کہا بھائی کو بلاؤ مولوی محمد احمد[1] صاحب کو بھائی کہتی تھیں۔ ان پر بڑا ناز تھا۔ جب وہ آئے کہا قرآن سناؤ۔ انھوں نے سنایا۔ بہت خوش ہوئیں واہ واہ کرنے لگیں۔

کھانا بہت لذیذ پکاتی تھیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن کھانے کی تعریف کی کہا کہ میری تعریف نہیں۔ بات یہ ہے کہ کھانا پکاتے وقت میں ہر بار جب ہاتھ سے پتیلی چلاتی ہوں تو بسم اللہ پڑھتی ہوں۔ مرنے کے بعد میں نے انھیں خواب میں دیکھا۔ دیکھا یہ کہ میں ریل میں سفر کر رہا ہوں اور نیچے کی سیٹ پر بیٹھا ہوں کہ اتنے میں کسی نے کہا "حیاتِ جاوید" نظر اوپر اٹھا کر دیکھا تو جوانی کی طرح دلہن بنی ہوئی سرخ پھولوں سے لدی ہوئی بیٹھی ہیں۔ وہی جوانی کا حسن و جمال ہے۔ آگے قرآن شریف کھلا ہوا ہے۔ وہ بھی بہت خوبصورت ہے۔ ہر ورق کے ہر حرف کے گرد سرخ پھول بنے ہوئے ہیں۔ اور اوپر سے نہایت تیز روشنی پڑ رہی ہے

---

[1] مولوی محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کا ذکر آگے آتا ہے۔

مجھے وجد آگیا کہ اُخّوہ یہ تو بازی لے گئیں۔ میں ابھی یہاں بیٹھا ہوں۔
حضرت فرماتے ہیں کبھی میں بگڑتا تھا تو کہتا تھا کہ میں بددعا کروں گا کہ تم بیوہ ہو جاؤ۔ گھبرا جاتی تھیں اور کہتی تھیں یہ بددعا نہ کرو۔ اور میں ایسی بددعا کر بھی کیسے سکتا تھا۔ اپنی موت کی بددعا جائز کب ہے۔ یہ تو ایک تفریح تھی۔ خدمت گذار بھی بہت تھیں۔ سر میں تیل ڈالتی تھیں تو بڑی بڑی دیر تک دباتی رہتی تھیں۔ میں کہتا بھی تھا کہ بس کرو تو اچھا کہکر پھر دبانے لگ جاتی تھیں حتّٰی کہ نیند میں جھوم جھوم کر گر گر پڑتی تھیں۔ اب سران خدمت گذاریوں کو یاد کرتا ہے۔

باب ۷ :

والد کے نانا محترم

بابا صاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد کے نانا جناب عبدالعلی صاحب ہم سبق تھے امین الدولہ کے جو وزیر اودھ تھا۔ جب وہ وزیر ہوا تھا تو انھیں کوئی عہدہ دے دیا تھا۔ مگر اللہ کو منظور کچھ اور تھا۔ چار چھ مہینے انھوں نے کام کیا تھا کہ ایک مجذوب آیا اور کہا۔ حافظ عبدالعلی یہ علم دین کیا تم نے حاصل کیا تھا دنیا کمانے کے لئے۔ بس انھوں نے اپنے نائب کو بلایا۔ سارا حساب دے کر اس سے رسید لے لی اور غائب ہو گئے۔ امین الدولہ نے بہت کوشش کی مگر بے سود۔ پھر جب اس کا دور ختم ہو گیا تو پھر نکلے۔ پھر تو سلطان پور۔ رائے بریلی۔ لکھنؤ۔ بارہ بنکی۔ پرتاب گڑھ کے اضلاع میں قاطع بدعات بنے۔ خوب اچھی طرح بدعات کا رد کیا۔

باب ۸:

فطری حسنِ طبیعت و سلامتیٔ مزاج

حضرت بابا صاحب لڑکپن ہی سے سلیم الطبع واقع ہوئے ہیں۔ خود فرماتے ہیں کہ میری عمر کوئی چار پانچ سال کی ہوگی۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے میرا قرآن شریف شروع ہو چکا تھا۔ میرے والد صاحب اپنے ہم عمروں میں بیٹھے تھے۔ تصوف کی باتیں ہو رہی تھیں۔ بات شہوت پر تھی۔ شہوتِ مال۔ شہوتِ جاہ۔ شہوتِ باہ وغیرہ۔ اتفاق سے ادھر سے میں گذرا والد صاحب کے ایک دوست نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ اگر تجھے شہوت ہوئی تو تو کیا کرے گا۔ اب میں چپ۔ والد صاحب بولے جواب کیوں نہیں دیتا۔ میں نے جھلا کر کہا کہ میں مار ڈالوں گا۔ گویا بابا صاحب کا فطری مزاج نفس کشی تھا۔ بابا صاحب کو قوتِ حافظہ بھی بہت قوی عطا فرمائی گئی تھی۔ فرماتے ہیں جب میں تین سال کا تھا۔ میرے والد صاحب حج کو گئے ہوئے تھے، میں ان کو یاد کر کے بہت رویا کرتا تھا۔ ایک دن میرے ایک عزیز نے کسی آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ یہ دیکھو تمہارے چچا آگئے (میں اپنے والد صاحب کو چچا کہتا تھا) میں نے اس آدمی کو دیکھ کر ہاتھ سے کہا نہیں ... نہیں یہ میرے چچا نہیں ہیں۔ جب میں بڑا ہوا اور کسی نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو فوراً مجھے یاد پڑ گیا کہ ہاں یہ تو میرے ذہن میں پہلے ہی سے موجود ہے۔ حافظہ ہی کے ذکر پر فرمایا کہ میں نے انٹرنس ۱۹۱۱ء میں پاس کیا اور میرا رول نمبر ۱۶۵۹ تھا۔

باب ۹:

لڑکپن اور دینی ماحول

فطری سلامتیٔ طبع کے ساتھ بابا صاحب نے آنکھ کھولتے ہی اپنے گرد کا ماحول کامل دین دارانہ پایا۔ والد صاحب، والدہ صاحبہ، دادی صاحبہ وغیرہ ہر ایک۔ ایک سے بڑھ کر ایک صالح اور صاحب تقدس تھے۔ ہمہ خانہ آفتاب است کا سا نقشہ تھا۔ بابا صاحب فرماتے ہیں ؎

سنبھالا ہوش تو مرنے لگے حسینوں پر
ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے

نیز فرماتے ہیں کہ ایسا ماحول ملا تھا کہ ہم جانتے ہی نہیں کہ بدعت کیا چیز ہوتی ہے۔ جب بڑے ہوئے اور لکھنؤ میں اِدھر اُدھر گئے تو معلوم ہوا کہ بدعت کیا چیز ہوتی ہے۔ لڑکپن میں حضرت کے والد محترم حضرت کو بزرگوں کی خدمت میں لیجایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت کو سید وزیر علی شاہ صاحب کی خدمت میں لے گئے۔ جو کہ مولانا عین القضاۃ صاحب کے والد تھے۔ شاہ صاحب تسبیح لئے پڑھ رہے تھے۔ اور مُنہ چلا رہے تھے۔ تو حضرت نے اپنے والدِ محترم سے پوچھا۔ کیا یہ الائچی کھا رہے ہیں۔ اس وقت حضرت بابا کی عمر بہت تھوڑی تھی۔

باب ۱۰:

تحصیل علم

بابا صاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد نے الم ترا کیف سے والناس تک کی سورتیں جلی حروف میں مع ترجمہ لکھ کر مجھے دیدی تھیں۔ میں اسی کو پڑھا کرتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ اردو میں بڑی قوت پیدا ہوگئی۔ نیز حضرت بابا صاحب کے والد صاحب نے کوئی پندرہ برس کی عمر میں حضرت بابا صاحب کو دلائل الخیرات پڑھادی تھی۔ جلد ہی اردو میں اتنی استعداد پیدا ہوگئی تھی کہ ایک دن حضرت بابا صاحب کے والد صاحب نے فرمایا کہ انوار الاذکیار کا ترجمہ کرکے مجھے شام کو دکھا دینا۔ بابا صاحب فرماتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ترجمہ کرکے شام کو دکھا دیا گو میں سمجھا کچھ بھی نہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ قرآن شریف سے تو مجھ کو اتنی مناسبت تھی کہ تلاوت کو جی چاہتا تھا۔ یہ نہیں کہ زبردستی تلاوت کی جائے۔ بابا صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ۰۲ ۱۹ء یا ۱۹۰۳ء کا زمانہ ہوگا کہ میں انگریزی میں لگ گیا اتنا یاد پڑتا ہے کہ ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کی مٹھائی تقسیم ہوئی تھی ۱۹۱۶ء میں میں نے بی۔اے کیا۔ بابا صاحب کو جس دن یعنی ۹ر جون ۱۹۱۶ء کو بی۔اے کے نتیجہ کی خبر ملی اسی شب بابا صاحب نے ذیل کے اشعار کہے تھے۔

روزے کہ خبر آمد شد کام دلم حاصل
از قلب نوا بر شد احسن کہ ہوالباذل

ٹوٹ گیا ہے سلسلہ بارشِ ابر یاس کا
ذرّے میں زور پر کہاں حوصلۂ سپاس کا

عشق نہ جاں فروش ہو رنگ ہو جو تو ریش
"صورت مہر نیمروز" حسن کرم اساس کا

حاجت جستجو نہیں چشم بصیر کو ذرا　　کعبۂ اہل دل ہوا قلب خدا شناس کا

ذرۂ بے تن و رواں تیری ضیاء سے متنیر　　جامہ فروزِ برگِ گل عکس ترے لباس کا

احسنِ بے زباں اگر شکر کرے تو کیا کرے

بارِ ہو کس طرح سبک منتِ بے قیاس کا

بابا صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۱۸ء میں میں نے ایل ایل بی کیا اور پھر وکالت کی۔ وکالت کیا کی وہ تو بس گلے منڈھ گئی تھی۔ عربی کی ابتدائی کتابیں قدوری وغیرہ بھی پڑھی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی عربی و انگریزی بڑے بڑے استادوں سے پڑھی تھی۔ جب میں انگریزی کے ساتویں درجہ میں پڑھتا تھا تو ساتھ ہی ساتھ عربی کی شرح جامی اور فارسی میں سکندر نامہ بھی پڑھتا تھا اور تختی نیز سلیب بک پر خوش خطی کی مشق بھی کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ باوجود پیرانہ سالی کے بابا صاحب کا خط بڑا ہی پاکیزہ ہے۔ بابا صاحب کے ایک خط کا نمونہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے جس میں دوسری خوبیوں کے علاوہ اردو ادب کی بھی جامعیت ملتی ہے۔

یہ خط بابا صاحب نے محترمی حضرت سوز صاحب شاہجہانپوری دامت برکاتہم کو لکھا تھا جبکہ وہ ملتان میں قیام رکھتے تھے جب ممدوح کراچی واپس تشریف لائے تو بابا صاحب نے فرمایا "کہ سوز صاحب آپ نے دیکھا ہوگا کہ میں نے خط میں آپ کو "محبِ محبوب" لکھنے کے بعد تھوڑی سی جگہ چھوڑ دی ہے اس کے بعد السلام علیکم و رحمۃ اللہ لکھا ہے۔ آپ خط لے آئیے میں اس جگہ پر "حضرتِ سوز" لکھ دوں مگر اتفاقات ایسے ہوئے کہ یہ کام رہ گیا۔ اب جبکہ بابا صاحب دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور ان کی سوانح حیات مرتب

ہو رہی ہے تو میرے دل میں آیا کہ میں کیوں نہ بابا صاحب کی دلی تمنّا پوری کر دوں لہٰذا اس خط میں "حضرت سوز" کے الفاظ میں نے اپنے قلم سے بڑھا دیئے۔

(خط یہ ہے)

۸۶ء

محب محبوب حضرت سوز السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

غالب بیچارہ بالکل حال کے مطابق کہہ گیا تھا کہ ؎ کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی۔

عین انتظار سے زیادہ شدت کے انتظار میں ڈاکیے نے لفافہ دیا یہ سمجھ کے شوق سے ہاتھ بڑھایا کہ نامۂ دل سوز ہے مگر صرف اپنے نام کا پتہ دیکھا تو دل مرجھا گیا کہ یہ تو سوز صاحب کی تحریر نہیں ہے مگر جب دوسری جانب معرفت طارق بن سوز دیکھا تو جان میں جان آئی۔ اور خط کھولا دیکھا اور پڑھا تو راز کھلا کہ خط کیسا کیوں ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے اور جلد ہمارے پاس بہ عافیت وراحت ومسرت پہونچائے۔ ظفر۔ عبدالغنی۔ حکیم اسرار۔ افضال سردی سے محبت رکھنے والے حبیب الرحمان۔ شمشاد قیصر۔ ڈاکٹر جمیل صاحبان کون ہے جو ایک دن میں کئی کئی بار بلکہ بار بار یاد نہیں کرتا۔ زبان میری البتہ گونگی ہو گئی ہے جس طرح کافی اور پیالیاں غم خاموش میں مبتلا ہیں۔ میں بھی اسی حال و عالم میں ہوں ؎

سوزم بیا مہماں کنم — جان و دولت قرباں کنم
جائے تو در چشماں کنم — از من چرا رنجیدۂ

بجائے امشب کے سوزم سے امید ہے کہ حضرت سعدی ناراض نہ ہوں گے گھر والے صاحبان حق ہیں ان کا حق آپ ادا کیجئے۔ جُدائی کے غم کا حق ہم ادا کریں گے۔ طارق سلمہٗ دیگر متعلقین والدہ طارق سب کو حسب مراتب سلام دعا نہ صرف میرا بلکہ سارے بادہ کشوں کا

والسلام۔ دعا گو دعا جو

احسن اقبح

کراچی

۵ ۲/۹ ۸۵ھ ۱۹ ۳/۵ ۶ء

بابا صاحب فرماتے ہیں کہ شاعری سے تو مجھے مناسبت تھی ہی۔ یوں بھی میں بہت ہی عمدہ مضمون نگار تھا۔ فارسی بھی بہت اچھی لکھتا تھا۔ اردو میں تو میرے مضامین بڑے بڑے رسالوں میں چھپے ہیں۔ بابا صاحب نے بہت سے مضامین مختلف نوعیت کے لکھے جو ماہوار رسالہ "ساقی" دہلی وغیرہ میں شائع ہوتے رہے۔ چند مضامین کے صرف عنوان یہ ہیں :

۱۔ قیس اور دفعہ ۱۴۴ ۔ ۴۔ حاجی بغلول

۲۔ درد کی دوا ۔ ۵۔ حسن کی ہلاکت پسندی۔

۳۔ اکبرالہ آبادی بحیثیت ایک مصلح ۔ ۶۔ لیلیٰ کا افسانۂ محبت۔

بابا صاحب کا ایک تازہ مضمون جو خالص دینی رنگ کا ہے نمونتہً پیش کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

(۱) مجھے پورے طور پر خبر نہیں کہ وہ بحث یا عنوانِ بحث کیا ہے جس کی بحث وتمحیص یا نقل وتبییض میں ان دنوں لوگ لگے ہوئے ہیں مگر جتنی خبر ہے اس کے لحاظ سے چند سوالات یا معروضات میں بھی پیش کرتا ہوں اس تمنا کے ساتھ کہ اگر میری گذارش بالکل لغو اور تمامتر ناقابلِ اعتنار نہ ہو تو کچھ مجھے بھی سمجھنے کا موقعہ دیا جائے بحث ومباحثہ اور بسیط ومناظرہ کی اہلیت اپنے اندر میں علم وذوق دونوں حیثیتوں سے نہیں پاتا نہ میرا منشا کسی عالمانہ گفتگو میں مساویانہ شمول کا ہے مگر یہ ہر صورت مجذوب کی بڑ ہے۔ خدا کرے سمع مبارک پر گراں نہ ہو۔

(۲) ممکن ہے کہ میرے خیالات کی صحیح ترتیب وتدریج نہ ہو سکے کیونکہ کسی خاص تدبر یا غور وفکر کے بعد قلم نہیں اٹھا رہا ہوں بلکہ جو کچھ ہے قلم برداشتہ پیش نظر ہے۔

(۳) ایک چیز اور مجھے لکھنے یا بولنے سے روکتی ہے مگر بہ ضرورت بہ کوشش اس پر غالب آنے کی سعی کی ہے اور وہ چیز یہ ہے کہ جس منصب کی ضمنیات اور ذیلیات اور اہلیتیں اور استعدادیں اس وقت غالباً لوگوں کی بحث کا موضوع ہیں اتفاق سے اس موضوع کے منصب داروں کی فہرست میں اس احقر واقبح کا نام بھی شامل ہے۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ (من یقرباں یادش) کی شفقت اور رحیم و کریم اللہ کی رحمت یہ ہر حال احساس نعمت اور اعتراف پر مجبور کرتی ہے۔ ع بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل بود بس است۔

اور اسی جگہ حضرت محبی ومحبوبی خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کا ایک قول بھی امّا بنعمۃ ربك فحدث کی یاد کے ساتھ یاد آگیا۔ اس احقر کو تقریباً ایک ہفتہ کی اکثر اوقات کی ہمنشینی کا شرف اس زمانہ میں حاصل ہوا اور تھا تو ایک وقت کچھ ایسا ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یوں ہے کہ "تجھے تو حضرت نے مجازِ صحبت کیا ہے اسی سے تیرے ساتھ بیٹھنے سے وہ آثار نظر آتے ہیں اور وہ چیز ملتی معلوم ہوتی ہے جو اس مجازیت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے" (الفاظ اس احقر کے ہیں اور مفہوم جناب خواجہ صاحب کا) یہاں اس تصدیق کو تقریظ اور تعریف کے لئے نہیں عرض کیا جاتا بلکہ اس لئے کہ حضرت کے اجتہادات اور ان اجتہادات کے نتائج اور اثار کا محرم اور عارف کسی نہ کسی درجہ میں تو ضرور وہ شخص ہو سکتا ہے جس سے اشرف السوانح کی تالیف کا کام لیا گیا۔ یہ بھی عرض کردوں کہ اپنے ذوق کے لئے حضرت والا مرتبت کے ارشادِ گرامی کے بعد کسی تصدیق کی ضرورت نہ تھی یہ تو محض تقویت اور لکن لیطمئن قلبی کے لئے پیش کیا گیا۔

(۴) حضرت کے فیضانِ سامی کی برکات کا احساس تو اس سے بھی ہوتا ہے کہ الحمد اللہ درجۂ خطرات و وساوس میں بھی اپنے اندر کوئی احساس

یا امکان کبر و مشیخت کا نہیں پایا جاتا اور یوں تو نھو اعلم لمن اتقیٰ۔

(۵) کمالِ دیانت کے ساتھ یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضرتؒ کی حیات مبارک میں بھی اور حضرتؒ کے بعد بھی حضرت کی یاد آنے اور آجانے اور حضرت کی ظاہری و باطنی صوری و معنوی تصوّر بندھ جانے کے بعد پھر کسی بلند سے بلند شخصیت پر نظر نہیں پڑتی اور اضطراراً سب کی نفی کرنی پڑتی ہے۔ الحمدللہ حضرت سے جس کو بھی شرفِ انتساب ہے خواہ کسی درجہ کا ہو اس کی وقعت و عظمت اور بفضلہٖ محبت بھی قلب میں ہمیشہ بیدار اور جاگزیں رہی اور کبھی تقابل یا تساوی کا وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ اور نہیں پیدا ہوتا، اور مجاز اور غیر مجاز کسی کو بڑا ماننے اور اس کا اتباع کرنے میں کبھی عار معلوم ہونے کا خطرہ بھی نہیں وارد ہوتا، ہاں مگر کسی کی ہر بات اس طرح بے چون و چرا ماننے کے لئے ذوق تیار نہیں جس طرح حضرتؒ کی ہر بات اور ہر چیز اور مزید یہ کہ جہاں کسی منتسب کی انفرادیت یا اس کا شخصی اجتہاد کسی ایسی صورت میں نظر آئے جو حضرت کے طرز سے مختلف ہے وہاں طبیعت کسی صورت سے اعتراف و تحسین کے لئے تیار نہیں ہوتی اور اکثر و بیشتر (ہمیشہ نہیں) سکوت اختیار کرنا ہی طرز اسلم نظر آتا ہے۔

(۶) زیادہ وقت تمہید ہی میں لگ گیا مگر سمجھانے کے لئے سائل کے اساسی محرکاتِ فکر کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ مجھ سے سمجھ کے مجھے سمجھائیے اب آمدم بر سرِ مطلب کے طور پر عرض کرتا ہوں۔

کامل اور ناقص کا صحیح جاننے اور پرکھنے والا بہر حال صرف شیخ ہو سکتا ہے اور کمال۔ استعدادِ کمال۔ امکانِ کمال۔ طالب کی اہلیت کے ہر جزئیہ کا جائزہ اور صحیح جائزہ لینے اور لے سکنے والا بھی شیخ اور صرف

شیخ ہو سکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تکمیل یا کمال یا کامل سے مراد کیا ہے۔ کس چیز میں تکمیل کس امر میں کمال اور کس حیثیت سے کامل۔ " وصول " اور " طریق " میرے ذوق میں یہی دو چیزیں ہیں جن میں ان اجزائے سہ گانہ کی جو حاصلاً ایک ہیں جانچ پرتال کی جائے گی۔ شیخ کے ارشاد کے بعد خود مخاطبِ ارشاد طالب یا شیخ کے دیگر طالبین کو اصولی اور عمومی طور پر خلاف و مخالفت دیکھے بغیر تو کچھ اور کہہ سکنے کی گنجائش نہیں۔ مگر یہاں اصل سمجھنے کی چیز۔ وہ بات وہ نقطۂ محرک وہ اساس وہ بنیاد اور وہ اثر و کیفیت ہے جس کی بنا پر شیخ کا ارشاد ظہور میں آیا۔ " وصول " اور " امکانِ وصول " میں تکمیل کے لئے یقیناً مجاز کیا جانا نہ شرط ہے نہ ہو سکتا ہے۔ عموماً سیکڑوں میں صرف چند مجاز کئے جاتے ہیں (وصول درحقیقت مکسوب نہیں ہوتا اس کا انحصار بہرحال فضل پر ہے لیکن آثارِ وصول بہرحال شیخ کے سامنے ہوتے ہیں اور اس کے لئے شیخ ہی کی بصارت اور بصیرت معتبر ہے۔ اگر کہیں کشفِ شیخ اس بصارت و بصیرت میں معاون ہوا تو بھی بہرحال معاملہ شیخ کے ظن و رائے ہی پر ٹھیرا) اگر یہ سمجھا جائے کہ کمال۔ تکمیل کے لئے مجازیت و اجازت ضروری ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ شیخ کے سیکڑوں طالبین بیچارے محروم۔ تہی مایہ اور تنگ دست ہی رہے اور شیخ کی ساری کوششیں بے کار اور بے نتیجہ ہی رہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا غالباً یہ بات بھی قابلِ انکار نہیں کہ وصل کے بعد عموماً " ظہورِ فصل " نہیں ہوتا۔ اگر اجازت معیار و بنائے وصل ہوتی تو کوئی مجاز اور صاحبِ اجازت کبھی بگڑتا اور شیخ کے طریق سے ہٹتا نہیں مگر مشاہدہ اِس کے خلاف ہے۔

(۷) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تکمیل معیار ہے صرف علم و مناسبتِ طریق کا۔ علمِ طریق شیخ۔ بلا مناسبت ناممکن ہے اور مناسبتِ طریق کو کسی نہ کسی درجے میں آثارِ وصول

اور ضامن صالحیت و حسنِ عمل بھی کہہ سکتے ہیں اس تکمیلِ بالا کا واحد معیار شیخ کی رائے ہے اور بس۔ دوسروں کی اصلاح و تربیت کے لئے ظاہری اور صوری طور پر صرف علم و مناسبتِ طریق لازم اور ضروری ہے۔ تو بس شیخ کو اختیار کامل ہے اپنی رائے قائم کرنے اور اس پر عمل کرنے کا۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ صرف فنی مناسبت و علمِ طریق پر شیخ مجبور ہے مجاز کرنے کا۔ شیخ اپنی رائے اور پسند پر جو چاہے کرے۔

(۸) انتہائی ظلم ہوگا شیخ پر اور نعوذ باللہ شیخ پر بے دیانتی کا الزام لگانا ہوگا، اگر یوں کہا جائے کہ شیخ۔ ناواقفِ طریق کو واقفِ طریق ظاہر کرسکتا ہے اور مجاز بنا سکتا ہے۔

(۹) یہ امر بھی پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ ظاہری اعمال صالح پر استقامت و مداومت ہی ظاہر میں مجموعی صالحیت کی دلیل اور وصول کی شناخت ہوسکتی ہے۔ اعمال باطنیہ کے متعلق خود طالب اور صاحبِ عمل کا ذوق صحیح۔ اخلاص۔ تدین۔ احساس حکیمانہ اور شعور عارفانہ کسی درجے میں رائے قائم کرسکتا ہے اور بس۔ ہاں بصیرتِ شیخ کامل کو بھی بہت کچھ حق اور دخل ہے۔ اس باب میں نقادی اور رائے زنی کا شیخ تو ظاہر ہے بغیر مہارتِ فن۔ شیخ ہی نہیں کہا جا سکتا۔ مگر خود طالب بھی بلا واقفیتِ طریق اور بغیر خود شناسی۔ امراضِ نفسانی کی نباضی اور اعمال باطنیہ کی نقادی نہیں کرسکتا

(۱۰) ہر طبیبِ ظاہر معلمِ طب نہیں ہوسکتا اور وہ پڑھانا اپنے ذمّہ لے بھی لے تو ٹرینڈ ٹیچر اور اَن ٹرینڈ ٹیچر (یعنی تربیت یافتہ مدرس اور غیر تربیت یافتہ) کا فرق ضرور ظاہر ہوجائے گا اِلّا ماشاء اللہ۔ والنادر کالمعدوم یوں ہی بلاشبہ ہر کامل اور مکمل کا مکمل و معلمِ طریق مہذب اور مربّی ہونا

ضروری نہیں۔ مجذوب یقیناً اپنے رنگ میں مشرفِ وصول ہے اور اس لئے اپنے انداز میں کامل مگر تعلیم و تربیت کی الف با سے بھی اُسے واسطہ و سروکار نہیں۔

(۱۱) ایک شخص ہے جو مثلاً نماز تمام خوبیوں کے ساتھ کامل ادا کرتا ہے اور کر سکتا ہے اور منفرداً اس کی نماز کے کامل ہونے میں شک نہیں لیکن کسی نقص کی وجہ سے اس منفرد کامل میں امامت کرنے کی اہلیت نہیں ہے یا اس کو امامت کا موقع ہی نہیں ملا جس طرح مقتدی ہو کے نماز پڑھنے میں اقتدا کے مسائل جاننا ضروری ہے یوں ہی امام ہونے کی صورت میں امامت کے مسائل جاننا ضروری ہے امامت کا موقعہ نہ ملنے یا امامت نہ کر سکنے سے نماز اور نمازی میں کیا نقص واقع ہو گیا اور بہر صورت فرض۔ نماز ہے نہ کہ امامت یہ تو نماز ہے جس کے ترک اور پابندی پر ردّ و قبول کا ترتب ہو گا جہاں امامت کرنا ضروری ہو جائے اس موقعہ کو چھوڑ کے امامت نہ کرنے سے نماز اور اس امکان مقبولیت میں جو ثمرۂ نماز اور حاصل ادائے صلوٰۃ ہے۔ کونسا نقص واقع ہوا۔ یوں ہی تکمیل۔ کمال اور وصول کے لئے "اجازت" جو طریق کے لئے امامت ہے۔ ضروری نہیں۔ بغیر امامت مصلی کی نماز کامل ہو سکتی ہے اور بغیر اجازت طالب کی ولایت بمعنی معرفتِ طریق کامل ہو سکتی ہے۔

(۱۲) اگر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہر کمّل کے لئے مکمّل ہونا ضروری نہیں تو کیا یہ کوئی نقص ہے۔ یقیناً نہیں۔ کیونکہ مقصود تکمیل ہے اپنی۔ تکمیل وہ تکمیل جس پر امکانِ ترتّب وصول ہے۔

(۱۳) اب اگر مکمّل کے لئے مکمّل ہونا ضروری نہیں تو کیا مکمّل کے لئے مکمّل ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ یقیناً ہر مکمّل کے لئے مکمّل ہونا ضروری ہے کیوں۔ اس لئے کہ مہارتِ فن حاصل ہی نہیں ہو سکتی بغیر تربیتی اعمال کے مشق و

تجربے کے خود اپنے اوپر۔ خواہ وہ تربیت کسی جزء یے میں اپنے ذوقِ سلیم کے ماتحت ہو خواہ حسب تجویز مربی اور اپنا ذوق بھی یقیناً عام طور پر اور عادتاً سلیم ہو ہی نہیں سکتا بلا تلمذ اور بلا تربیت کسی استاذ اور مربی کے۔

(۱۴) نتیجہ یہ نکلا کہ تکمیل کے لئے (جو قومی آثار وصول میں سے ہے) تربیت ضروری ہے۔ تربیت کہتے ہیں پرورش کو کسی خاص مقصد کے لئے خاص اصول پر اور خاص نظریات کے ماتحت۔

(۱۵) تصوف خود ہی نام ہے تعمیر ظاہر و باطن کا۔ تربیت تعمیر ظاہر و باطن کے لئے اس طریقے کے استعمال کا نام ہے جس سے اعمالِ ظاہر و باطن کی درستی ہو اور ان کے اندر وہ روح اور وہ حیاتِ معیاری پیدا ہو جو اعمال کو اس صف اور فہرست میں جگہ دے سکے جو صف اور جو فہرست کمال تکمیل اور وصول کہلانے کی مستحق ہے۔

(۱۶) پس مہارتِ فن ضامنِ صالحیت و وصول اور دلیلِ کمال ہے لیکن کمال اور صالحیت و وصول میں ضامن مہارتِ فن صفات کا (ایسی کہ جس سے دوسرے کا علاج ہو سکے) ہونا ضروری نہیں یعنی ماہرِ فن میں کمال و صالحیت ضروری ہے مگر برعکس ضروری نہیں۔

(۱۷) محض بیعت ابتدا ہے معاہدۂ تربیت گری و تربیت گیری کی خود بیعت کا تعلق نہ فنِ تربیت سے ہے نہ کمال و وصول سے۔ لہٰذا در اصل اجازت اور مجازیت کا تعلق بیعت سے نہیں بلکہ قابلیت۔ مربیت اور استعداد تربیت گری سے ہے مع اس صالحیت اور تکمیل کے جو آثارِ وصول میں سے ہے۔

(۱۸) یہیں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اصلاح۔ تربیت۔ تعمیر۔ تکمیل کمال اور وصول کے لئے بیعت ہرگز ضروری نہیں۔ بیعت بلا تعلقِ اصلاح

وتربیت - درخت بے ثمر ہے۔ حضرت کے ارشاداتِ گرامی میں جس شدومد کے ساتھ اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ اصل چیز اصلاح وتربیت ہے اور یہی ضروری ہے بیعت ہرگز ضروری نہیں - پوشیدہ نہیں جس بیعت کے بعد شیخ سے تعلق اصلاح قائم نہ رکھا جائے وہ تو ایک رسم ہے اور بس۔ اور مقدس معاہدۂ اصلاح وتربیت کو جس کا نام بیعت ہے رسم ہی کی حد تک محدود رکھنا یقیناً اس معاہدۂ مقدس کی تحقیر وتوہین ہی نہیں بلکہ نفاق ہے کیونکہ بیعت کا مقصودِ اصلی ہونا مطلوب ومقصود ہی نہیں۔

(۱۹) معروضاتِ بالا سے یہ نتائج ذیل نکلتے ہیں۔

(۱) اصل مقصود اصلاح وتربیت ہے۔

(۲) بیعت - معاہدۂ اصلاح وتربیت ہے۔

(۳) اصلاح وتربیت بلا معاہدہ بھی ممکن ہے۔

(۴) کمال کسی درجہ میں محسوس۔ مشاہد اور مرئی چیز ہے مگر وہیں تک جہاں تک کہ اس کا تعلق واقفیت اور مہارتِ فن سے ہے۔

(۵) "کمال" بہ تعلق واقفیت ومہارتِ فن۔ مکسوب ہے۔ مناسبت اور استعدادِ فطری اور فضلِ بے سبب کی گفتگو نہیں ہے۔

(۶) نقص وکمال اور ناقص وکامل کا نقد وتبصرہ صرف اُسی چیز کے لئے ممکن ہے جس کا تعلق کسب سے ہے۔ بالفاظِ دیگر صرف واقفیت طریق اور مہارتِ فن اصلاح وتربیت پر نقص وکمال اور ناقص وکامل کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

(۷) وصول اور ولایت مطلقاً نعمتِ موہوبہ ہے۔

(۸) واقفیت طریق اور مہارتِ فن جب تک اپنی ذات پر حسبِ ضرورت اجمالی یا تفصیلی تجربے کی بنا پر نہ ہو۔ واقفیت اور مہارتِ مطلوب

وکامل نہیں۔

(۹) اعمال صالحہ اور واقفیتِ طریق و مہارتِ فن آثارِ وصول و ولایت ہیں۔

(۱۰) صالحیت۔ وصول اور ولایت کے لئے اتنی تفصیلی اور حاوی بر جزئیات۔ واقفیتِ طریق اور مہارتِ فن کی ضرورت نہیں کہ ہر واصل اور ولی اس درجے میں واقف و ماہر ہو جائے کہ دوسرے کی بھی کسی درجے میں جزءً ما سعی اصلاح کر سکے۔

(۱۱) وصول اور ولایت کے لئے مجازیت اور اجازت ہر گز ضروری نہیں۔ اجازت محض بر بنائے مناسبت و واقفیت و مہارت ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مجاز میں آثارِ صالحیت و وصول بھی ہوتے ہیں اور ضرور ہونے چاہئیں۔ اور کھلے ہوئے غیر صالح اور عیاں طالح کو مجاز بھی نہیں کیا جا سکتا نہ وہ مجازیت کے قابل ہوتا ہے کیونکہ غیر صالح اور طالح ہونا عدمِ واقفیت و عدمِ مہارت و عدمِ مناسبتِ طریق کی دلیل آثاری ہے۔

(۱۲) صرف بصیرتِ شیخ معیار ہو سکتی ہے اہلیت اجازت کا۔

(۱۳) ہمارے حضرتؒ نے ابتدا میں معمول بزرگان ہی پر عمل فرمایا۔ اور جس کو بھی مجاز کیا حسبِ معمولِ بزرگاں اور حسبِ دستورِ مشائخ۔ مجازِ بیعت کیا مگر وصال سے دس بارہ سال یا اور پہلے حضرت کی بصیرتِ مجددہ نے اس راہ میں بھی ایک تجدد پسند و اختیار فرمایا جس کا نام مجازِ صحبت یعنی اجازتِ اصلاح و تربیت بلا معاہدۂ متعینۂ بیعت اور بلا پابندی رسم بیعت اور غالباً اسی اختیار و اعلانِ تجدد کے بعد سے حضرتؒ اپنے ارشاداتِ گرامی سے تقریباً ہر مجلس میں تفصیل و اجمال۔ بسط و اختصار سے نیز عملاً اس پر

زور دیتے رہے کہ اصل تعلق اصلاح و تربیت کا ہے بیعت کوئی ضروری چیز نہیں۔ اور غالباً اپنے اسی تجدیدی اجتہاد کی تبلیغ و اشاعت اور نشر و تنظیم کے لئے سلسلۂ مجازین صحبت جاری فرمایا۔ (اس دور میں اس "طرز حضرتؒ" کو "طرزِ جدید" اور اجتہاد بایں معنے کہہ سکتے ہیں کہ صدیوں سے اجازت بیعت سے وابستہ چلی آتی تھی اور بلا استثناء مشائخ میں دستور یوں ہی چلا آتا تھا ورنہ تابعین اور ان کے زمانے کے بعد کئی صدیوں تک اجازت بیعت کے ساتھ خلافت کا کہیں نام بھی نہیں سننے میں آتا۔ مثلاً کیا دلیل ہے اس امر کی اور کیا ثبوت ہے اس کا کہ حضرت حسن بصری کو اجازت بیعت (اُن معنوں میں جن معنوں میں موجودہ عرف میں اس کا مفہوم ہے) حاصل تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور ایسے ہی دوسرے بزرگوں کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اُن بزرگانِ سلف اور دورِ صحابیت کے بعد کے اسلاف کے طریقۂ تعلیم کا احیاء اللہ تعالےٰ نے حضرت کے اس تجدد کے اختیار سے پسند فرمایا۔ ذالك فضل الله۔ اور سلسلۂ مجازین بیعت کا قائم رکھنا بعد ابتدائے سلسلۂ مجازینِ صحبت کے معمول بزرگان کی تکریم و توقیر کے لئے ہے اور بس۔ حضرتؒ نے اپنے مزاج گرامی کے لحاظ سے ہمیشہ جمہور کے ساتھ رہنا۔ بزرگوں کے اختیار کئے ہوئے طرق کو قائم رکھنا اور اُن کے طرز سے تطبیق و مطابقت ہی کو مستحسن سمجھا اور حضرتؒ نے جس طرز کو مستحسن سمجھا یقیناً ہمارے لئے وہی مستحسن ہو سکتا ہے دوسرا نہیں۔

(۱۴) ہو سکتا ہے کہ آخر میں زمانے کے حالات۔ ماحول کے تقاضوں طبیعتوں کی استعدادوں اور عام رجحانات و میلانات کے لحاظ سے حضرت نے اصلاح و تربیت بلا قیدِ بیعت اور بلا پابندیٔ رسم بیعت ہی کو نافع بلکہ انفع سمجھا ہو مگر معمولاتِ بزرگان کو یک قلم ترک کر دینا اپنے یقینی مستحسن سمجھے ہوئے

طرز کے خلاف تصور کیا ہو لہذا طرز بیعت کو بھی قائم رکھا اور طرز بیعت
کا مقصود بھی ظاہر ہے کہ وہی اور صرف وہی تھا اور ہو سکتا تھا اور
ہو سکتا ہے جو طرز بلا بیعت کا۔ مگر قدامت پسند طبائع ممکن ہے کہ اصلاح
کے اس طرز کی طرف مائل نہ ہوتیں لہذا حضرتؒ نے اُن قدامت پسندوں کی
بھی رعایت فرمائی۔

(۱۵) حضرت نے سند مجاز صحبت میں مجاز بیعت کرنے کے لئے
بعض آثار کا جو اشارہ فرمایا ہے وہ صاف یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت یہ نہیں پسند
فرماتے کہ مجاز صحبت معمول بزرگاں کو مستحسن نہ سمجھے اور اس کی نسبت بطور
وسوسہ بھی گمانِ تحقیر دل کے اندر آنے دے ورنہ ظاہر ہے کہ مجازِ صحبت اور
مجاز بیعت کے کام میں کوئی فرق نہیں بجز پابندئ صورتِ بیعت یا رسمِ بیعت کے

(۱۶) اگر حضرتؒ کا مقصود یہ ہوتا کہ سلسلۂ مجاز صحبت بہ طور طرز یا
سلسلہ جاری نہ ہو تو اس کا کھولنا یا شروع کرنا یا قائم کرنا بہ ظاہر بے سبب
اور بے نتیجہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہر مومن دوسرے مومن سے تعلق اصلاح قائم
کئے بغیر صلاح پا سکتا ہے اور ہر مومن دوسرے مومن کو عموماً امورِ دینی میں صلاح
دیتا اور دے سکتا ہے اسی طرح حضرت کا ہر خادم دوسرے کو صلاح و مشورہ دے
سکتا تھا اس کے لئے تعین منصب سے بہ تصریح نہیں کہا جاتا کہ وہ اجازت
بیعت دوسرے کو بھی دے سکتا ہے یوں ہی مجاز صحبت سے اس تصریح کی
ضرورت نہ تھی اور اگر سلسلے کو اسی تک محدود رکھنا تھا تو اول تو یہ تجدّد ہی
لاحاصل ٹھہرتا دوسرے یہ کہ ایسا کرنے سے کیا امر مانع تھا کہ اجازت صرف
مجاز صحبت تک اور اختیارِ اجازتِ صحبت حضرت کی حیات مبارک اور
ذات برکات تک محدود اور مقید ہے اور مجاز صحبت دوسرے کو مجازِ صحبت

نہیں کرسکتا۔

ایک معنی میں حضرتؒ نے مسئلہ مجازیت کو مبہم ہی نہیں چھوڑا ہے کیونکہ علاوہ اس کے کہ جملہ مجازین کی مجازیت کے قیام کے لئے حضرتؒ کے مقرر کردہ معیار پر ہونا اور رہنا شرط اولین و آخرین ہے ایک مثال اس کی بالتصریح موجود ہے کہ مولوی ابوالبرکات صاحب سلطان پوری کو مجاز بیعت کیا ہے اس شرط کے ساتھ کہ "عوام کے لئے"۔ مجازیتِ صحبت کو بھی یوں ہی مشروط و محدود کیا جاسکتا تھا۔ درآں حالیکہ معیاریت کی شرط ہر قسم کے مجاز کے ساتھ ہے۔ "مجاز صحبت" کے لئے اجازتِ بیعت نہ ہونے کے علاوہ اور کوئی قید نہیں ہے۔

(۱۷) فی زماننا "تصوف" "معمول مشائخ" "پیری مریدی" "سلسلہ اور "بیعت" کے نام سے نہ جانے کیا کیا شرکیات اور بدعات رائج ہوگئیں ہیں اور "فقیری" کی آڑ میں کونسی ایسی لغویات بلکہ دین دشمن اور ایمان کش رسمیں ہیں جن پر فرائض سے زیادہ اہم اور ضروری اور لازمی سمجھ کر عمل نہیں کیا جاتا اس نام اور اس آڑ سے ایک نیا مذہب ہی کھڑا کردیا گیا ہے جس کو اصل دین۔ خدا طلبی۔ للّٰہیت۔ اصلاح اور تربیت سے چھوٹوں بھی کوئی لگاؤ نہیں۔ بندگانِ خدا کا دین برباد ہو رہا ہے مخلوقِ خدا کی گمراہیوں کے سامان۔ دین کے نام سے اکٹھا ہیں۔ ایک طرف تو یہ وبائے عام آندھی کی طرح پھیل اور بڑھ رہی ہے دوسری طرف خواص کا یہ عالم ہے کہ مجالس خاص۔ حلقۂ محدود اور جماعتِ مختصر کے دائرے سے باہر اس کے خلاف کچھ کہا نہیں جاتا جو تفصیلی طور پر غلط راہ روی پر گامزن نہیں ہیں وہ بھی مقصود اور غیر مقصود کے حجاباتِ لطیفہ کو چاک نہیں کرپاتے۔ زیادہ سے زیادہ قنطرۃ البیعت کے سائے تلے سے رسماً گذر جانا اور بہت سے بہت اوراد۔ اشغال اور اذکار میں لگ جانا

.منتہائے کار او مقصود سعی ہے۔ کوشش اور مشقت۔ مجاہدہ اور ریاضت کا ثمرہ۔ کیفیات۔ آثارِ ذکر اور انوارِ فکر کے پیکرِ نورانی میں سامنے آگیا گویا طور کی تجلی باصرہ نواز ہوگئی۔ ارواح تجلیات پر تجلیات الٰہیہ کا گمان ہونے لگا تہذیب اخلاق۔ ازالہ و امالہ رذائل کسبِ فضائل۔ اعمال قلبیہ۔ ان میں سے کسی کی طرف توجہ نہیں اور اگر کچھ توجہ ہے بھی تو حدود کی رعایت نہیں۔ بیعت صرف بیعت تک محدود ہو کے رہ گئی۔ یہ رسم ادا کر لی خدا رسیدگی کی سند مل گئی۔ مقبولیت کا خلعت حاصل ہو گیا۔ اپنی ولایت کے ظن و زعم کا ہمزاد سامنے اور ساتھ ساتھ رواں دواں ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ "صدیوں کی رسم پرستی"۔ "اہلیت مفقود" "استعداد کند"۔ "تعلیم معدوم"۔ "تربیت لفظ بے معنے"۔ "اصلاح نفس جنس نایاب" ان سب کا نتیجہ معلوم۔ حضرت رح نے اصلاح و تربیت پر زور دینے اور اصلاح و تربیت (نہ کہ رسم بیعت) کو منجملہ مقاصد (بلکہ کسی درجہ میں طالب کے لئے مقصد وحید) قرار دینے۔ تزکیہ نفس کی اہمیت اور اپنی اصلاح کی فرضیت کو بے نقاب روشن اور واضح کرنے کے لئے ایک سلسلہ حسبِ معمول بزرگاں اور حسبِ دستورِ مشائخ جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ دوسرا سلسلہ جس میں بلا پابندی رسمِ بیعت صرف اصلاح و تربیت پر زور دیا گیا ہو اور جو طریق کار عملاً احیائے سنتِ اولیائے متقدمین ہو جاری فرمایا اور چونکہ اس سلسلۂ جدیدہ اور اس تجدیدِ نادرہ کو محدود و مسدود کرنے کی رائے ظاہر نہیں فرمائی (اور ایسا ممکن نہیں تھا کیونکہ محدود و مسدود کرنا ہوتا تو شروع ہی کرنا غیر ضروری اور بے حاصل تھا) لہٰذا اس کا جاری رکھنا حضرتؒ کے تجدد کو جاری رکھنا اور اس کی خدمت و نگہداشت کرنا حضرتؒ کی پسندیدہ جنس کی خدمت و نگہداشت کرنا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(۱۸) جو اصول یا طریق حضرتؒ کے ارشادِ گرامی۔ اجتہاد۔ احیاء اور

تجدد سے بروئے کار آیا اس کی برقراری اور ابقاء اور اس کے حدود و اجراء کے لئے صرف حضرت والا ہی کا قول فیصل۔ قول فیصل اور مختتم ہو سکتا ہے اور ہے اور کسی اور کا فیصلہ یا تصدّد و تشدّد حضرت کے قولِ فیصل کے آگے کوئی وقعت نہیں رکھتا جو عمارت حضرتؒ کی بنا کردہ ہے اس کی ترتیب و تزئین حضرت ہی کے ارشادات کے ماتحت ہو سکتی ہے۔ حضرت نے انہدام کا حکم نہیں دیا اور محدود کر دینے کو نہیں فرمایا تو اب کون اُسے منہدم یا محدود کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور تمامی امور میں حضرت کے جملہ مجازین و منتسبین یقیناً اپنے لئے قابلِ اتباع و احترام ہیں۔

(۱۹) حضرتؒ نے فرمایا ہے کہ مناسبت تام حضرتؒ سے کسی کو نہیں حاصل ہے۔ اس ارشاد کی روشنی میں کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت کے ارشادات اجتہادات اور تجدد کے دقائق اور ان کی وسعتیں کیا ہیں۔ بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو آپ نے اختیار فرمایا اور محدود نہیں فرمایا اس کو ہم ویسا ہی قائم رکھیں اور قدرتی طور پر اس کی جو راہ ہے اس میں روک اور موانع نہ حائل کریں۔

(۲۰) بطورِ لطیفہ ایک بات یہ ذہن میں آئی کہ حضرتؒ کے اس تجدد میں ایک عجیب شانِ مماثلت مذہب آئمہ سے ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چار مسالکِ مروجہ وہ ہیں جو فقہ اور فقہیات کی گویا جان ہیں۔ تقلید شخصی بہرحال ان میں بھی ہے مگر کسی رسم اور مجاہدہ کی مثل بیعت کے پابندی نہیں ہے صرف فقہ اور فقیہہ سے تعلق تربیتی کافی ہے اور اس نافعیت کے ساتھ جس کے لئے مجالِ انکار نہیں پس اسی طریقے کے قریب قریب اور کسی درجے میں مماثل طریقہ تربیت بلا بیعت کا بھی ہے اور انشاء اللہ

اس کی نافعیت بھی عام ہو گی اور بفضلہٖ تام بھی۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان (انتہا بلفظہٖ)

بابا صاحب نے فرمایا کہ میں زود نویس بھی اتنا تھا کہ اپنے حضرت کا ایک ایک لفظ لکھ سکتا تھا اور حضرتؒ تو بہت آہستہ بولتے تھے ان کا لکھنا تو کیا مشکل تھا۔ میں تو اس ہندو وکیل کا جو قانون پڑھاتا تھا انگریزی املا بھی حرفاً حرفاً لکھ لیتا تھا جو بڑی تیزی سے انگریزی بولتا تھا۔ کوئی جملہ مجھ سے چھوٹنے نہ پاتا تھا۔

باب ۱۱:
پیر و مرشد سے تعلق

حضرت بابا صاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کو میری دینی اور دنیوی دونوں فلاح و تربیت کا بہت خیال تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا۔ کہ بھائی تم نے اتنی عمر کر دی آخر کب تک اس طرح رہو گے۔ کچھ تو سہی میں نے زبان سے تو کہا جی ہاں، مگر میرے دل میں بیعت کی کوئی طلب نہیں۔ بلکہ اپنی طبیعت کے لحاظ سے اس چکر میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ مثلاً میں نے ایک کسی سلسلے کی کتاب میں دیکھا کہ ایک دائرہ بنا ہوا ہے۔ ایک جگہ سرّی لکھا ہے۔ ایک جگہ خفی لکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ مشقوں کے طریقے کتاب میں لکھے ہیں۔ میں نے دل میں کہا آج تک جو کتابیں میں نے پڑھی ہیں اور جو بزرگوں کی باتیں سنی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کا کتاب و سنت سے کوئی تعلق نہیں میں اقلیدس کی

تیسری کتاب کہاں تک پڑھوں گا۔ والد صاحب نے کہا اچھا دیکھا جائے گا۔ مگر کہاں تک بھاگو گے۔ یہ باتیں پرتاب گڈھ میں جہاں میرا قیام تھا ہوئی تھیں۔ اس کے بعد والد صاحب لکھنؤ چلے گئے۔ والد صاحب سے اس گفتگو کے کچھ ہی زمانے کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ میں لیٹا ہوا ہوں۔ جیسے سو رہا ہوں۔ اتنے میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ تشریف لائے اور فرمایا "سوتا ہے اُٹھ" تو میری آنکھ کھل گئی۔ اور اب طبیعت کے اندر ایک عجیب کیفیت تھی اور بیعت سے جو گریز پہلے طبیعت میں تھا اب نہیں محسوس ہو رہا تھا میں نے اپنا خواب والد صاحب کی خدمت میں لکھ کر لکھنؤ بھیجا۔ فوراً جواب آیا کہ بے انتہا جی خوش ہوا۔ اب تم کہاں تک بھاگو گے۔ اور انشاء اللہ اپنے سلسلے سے ہی تم کو فائدہ پہنچے گا۔ اس کے کچھ دنوں بعد والد صاحب لکھنؤ سے پرتاب گڈھ آئے۔ اور مجھ سے فرمایا اب تو تم کو کسی سے بیعت ہو جانا چاہیئے میں نے اپنے دل میں وہ گریز اور انکار جو پہلے تھا نہیں پایا۔ یہ عرض کر دیا کہ جو آپ فرمائیں۔ اس پر انھوں نے مجھ سے سوال کیا کہ تمہاری طبیعت کس بزرگ کی طرف مائل ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس انداز سے میں نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ رغبت کس سے ہے ہاں مولانا[۵] وارث حسن صاحب کو جانتا ہوں۔ کچھ نمازیں بھی میں نے ان کے پیچھے پڑھی ہیں۔ اور ان کا بیان بھی سُنا ہے۔ شاہ پیر محمد کے ٹیلے پر رہتے ہیں۔ میرے والد صاحب نے کہا بھائی میں کسی کو کچھ نہیں کہتا مگر میں جو تمہارے لئے سوچتا ہوں تو مولانا اشرف علی صاحب سے بڑھ کر کوئی

---

[۵] یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے۔

نہیں۔ اور ابھی تم کیا جانو علوئے نسبت کیا چیز ہوتی ہے۔ ایک سند مصافحہ کے لئے بزرگوں کے پاس کتنی دور دراز مسافتیں طے کر کے پہنچے ہیں۔

حضرت بابا صاحب فرماتے ہیں کہ میں کہا کرتا تھا۔ یا اللہ! میر تصوف کیا چیز ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے نہ حدیث سے۔ اس کے بعد جو قصد السبیل پڑھی تو معلوم ہوا کہ اللہ اللہ دین اس کو کہتے ہیں۔ ساری باتیں جو گنجلک تھیں کہ یہ سرّی ہے، یہ خفی ہے۔ وغیرہ وہ سارے معاملات صاف ہو گئے۔

حضرت بابا صاحب فرماتے ہیں کہ گو میں نے بہشتی زیور پڑھا تھا اور حضرت کے بعض رسائل بالخصوص پردے کے متعلق جو رسالہ ہے وہ بھی پڑھا تھا۔ جس کے آخر میں اشعار ہیں۔ بے پردہ مجھکو آئیں نظر چند بیبیاں الخ تو انھیں ہم عالم سمجھتے تھے۔ ارے ہم اس چیز ہی کو نہیں سمجھتے تھے کہ یہ نسبت مع اللہ کیا چیز ہے۔ خیر تو ہم نے دیکھا کہ ہمارے دل نے انکار نہیں کیا۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ انھوں نے کہا تھانہ بھون خط لکھو اور اس میں اپنا سارا حال لکھو۔ میں نے لکھ دیا۔ والد صاحب نے بھی اس میں کچھ لکھدیا۔ میں نے کیا یہ کہ جوابی لفافہ تو بھیجا مگر اپنا پتہ لفافے پر نہ لکھا۔ حضرتؒ نے جواب بھیجا تو میرے خط سے پتہ کاٹ کر میرے لفافے پر چسپاں کر دیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ آئندہ کیسے ہونا چاہیئے۔

بابا صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت نے یہ بھی لکھا تھا کہ تم اپنے والد ہی سے کیوں استفادہ نہیں کرتے۔ جانتے تو تھے ہی میرے والد کو خیر اس کے بعد ہم چکر میں پڑ گئے۔ والد صاحب لکھنؤ چلے گئے۔ بیچ میں

کوئی خط حضرت کو بھیجا یا نہیں۔ یہ یاد نہیں رہا۔ اس کے بعد ہوا یوں
کہ دسمبر کے مہینے میں والد صاحب بلا اطلاع لکھنؤ سے تشریف لائے
اور آنے کے دوسرے تیسرے روز ہی دفعتاً اُن کا انتقال ہو گیا۔
ظاہر ہے کہ اس وقت میری کیا حالت ہوئی ہوگی۔ جیسے ایک عجیب
بے چینی بے حسی قلب میں تھی۔ نہیں معلوم کن چکروں میں رہا اور فوری طور
پر یہ خیال نہ آیا کہ حضرت کو عریضہ لکھوں مگر الحمد للہ اللہ کے فضل کا وقت
آگیا تھا۔ والد صاحب کے انتقال کے دس بارہ روز کے بعد ہی میں
نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ جیسے کانپور کا مقام ہے اور کسی کوٹھے
پر ایک کمرہ ہے، جس میں ایک کونے میں ایک آرام کرسی ہے۔ اور کچھ نہیں
اور اس کرسی پر حضرت تشریف رکھتے ہیں۔ بالکل اسی لباس میں جو بعد
میں حضرت کو جاڑوں میں عموماً پہنے دیکھا، جہاں آرام کرسی ہے۔ اس کے
لمبان میں سامنے کی طرف جو دروازہ کمرے کے اندر داخل ہونے کا ہے۔
والد صاحب اس میں مجھے لے کر داخل ہوئے اور حضرت کی طرف مجھ کو
بڑھا دیا۔ میں بے ساختہ دوڑ کر (خواب ہی میں) حضرت کے قدموں
میں لپٹنا چاہتا تھا کہ حضرت نے کرسی پر سیدھے بیٹھ کر میرے دونوں
ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ اور میں محو سا ہو گیا۔ اس
کے بعد آنکھ کھل گئی۔ اب تو حضرت سے محبت اور شوق قرب و تعلق کی
طلب کے سوا کچھ دل میں تھا ہی نہیں۔ میں نے فوراً طویل وطویل عریضہ لکھا
(یہ ۱۹۲۵ء کا زمانہ تھا) والد صاحب کے انتقال اور ان کی تدفین کے متعلق
تفصیلی حالات لکھے۔ اور آخر میں یہ لکھا کہ اب تو میں حضرت کے قدموں
سے لگ گیا۔ اب کسی حال میں بھی چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتا۔ حضرت نے

قبولیت کے متعلق کیا الفاظ رقم فرمائے یہ تو یاد نہیں مگر اپنے مواعظ کے
مطالعے کی تاکید فرمائی۔ اور یہ ہدایت فرمائی کہ قصد السبیل سے عالم مشغول
کے لئے جو طریق کار لکھا ہے اس میں سے کچھ انتخاب کر کے مجھے لکھو کہ کیا اور کس
قدر کرنا چاہتے ہو۔ الحمدللہ اب تعلیم شروع ہو گئی۔

بابا صاحب فرماتے ہیں کہ خط لکھنے پر بات یاد آئی کہ اگرچہ میں اردو
فارسی، انگریزی کا عمدہ مضمون نگار تھا۔ لیکن اپنے حضرت کو چار سطر کا
خط لکھنا مشکل تھا۔ لکھا اور پھاڑ ڈالا۔ یا اللہ کیا لکھوں۔ خیر آٹھ دس مہینے
کے بعد اکتوبر ۱۹۲۶ء میں پہلی بار تھانہ بھون حضرت کی خدمت میں
گیا۔ جب حاضر ہوا تو اس قدر تھک گیا تھا کہ اشتہار و شتہار جو لگے
تھے خانقاہ میں کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ ظہر کی عام مجلس کا وقت تھا میں وہاں
پہنچا تو اتنی عقل تو مجھے خدا نے دی کہ سلام کر کے میں بیٹھ گیا۔ اپنا
نام بتا دیا۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ میں کس جگہ سے آرہا ہوں۔ اس کے بعد میں
نے کارڈ نکالا جس میں اجازت تھی تھانہ بھون آنے کی۔ فرمایا نہیں۔ اس کی
ضرورت نہیں۔ میں نے پہچان لیا ہے۔ آؤ۔ ادھر بیٹھو۔ پھر غالباً اسی
مجلس میں میری طرف متوجہ ہو کر خطاب خاص یوں فرمایا کہ ـــــ دیکھو بھائی
دین پر عمل سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ اصل کام یہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ میرے صحابی کا مد بھر جو کسی اور کے اُحد بھر سونے کے برابر ہے۔ اس
کی وجہ صحابی کی اور خوبیوں اور فضیلتوں کے علاوہ یہ بھی ہے کہ صحابہ کرامؓ
دین پر سمجھ کر عمل کیا کرتے تھے۔

ہاں ایک بات اور یاد آئی کہ جب میں تھانہ بھون پہنچا تو اس کا غم تھا
کہ یہ جو انہماک ہے شعر و سخن میں اسے چھوڑ دینا پڑے گا۔ گو میں نے اپنے

کسی عنوان سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ مجھے اس سے لگاؤ۔ یا مناسبت ہے۔ میرے قیام کا تیسرا دن ہوگا۔ میں حضرت کا مہمان تھا اور مہمان خانہ میں اوپر ٹھہرا ہوا تھا۔ عصر کے وقت بعد نماز میں نہ معلوم کس لئے نیچے آیا دیکھا ساری خانقاہ میں سناٹا ہے۔ مگر حضرت کی سہ دری کی طرف سے کچھ آہٹ محسوس ہوئی دیکھا تو حضرت پنکھا یا اور کوئی چیز لئے ادھر سے آرہے ہیں۔ ایسی چال تھی کہ غالب کا شعر یاد آگیا ؎

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم
میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

میں نے اسی وقت اس شعر کو اپنے ذہن میں یوں بدل دیا ؎

جب تک کہ نہ دیکھا تھا تیری چال کا عالم
میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

جب حضرت میرے پاس تشریف لائے تو میں ادباً دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوگیا۔ حضرت نے پوچھا۔ کوئی خاص تکلیف تو نہیں اور آپ کا کوئی خاص معمول تو نہیں ؟ میں نے عرض کیا نہیں حضرت۔ بہت آرام سے ہوں۔ حضرت مسکرائے دو قدم آگے بڑھے، پھر لوٹ آئے، میں نے اس وقت دیکھا کہ حضرت کے چہرۂ مبارک پر ایک خاص روشنی اور چمک ہے۔ مجھ پر محویت کا ایک عالم طاری ہوگیا۔ حضرت نے اس وقت تشریف لاتے ہی ایک بظاہر بے ربط اور بے تعلق سی بات ارشاد فرمائی۔ "ابھی وہ آئے تھے حفیظ جونپوری۔ جو شاعر ہیں۔ اور اب تو ان کی حالت بہت اچھی ہے" یہ فرما کر واپس تشریف لے گئے۔ اور میں محو حیرت رہ گیا۔ بعد کو یہ بات سمجھ میں آئی کہ ضروری نہیں ہے کہ شاعری

حجاب بنے اس سے فائدہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت تو نہیں بعد کو خیال آیا کہ یہ تو حضرت کی کرامت تھی۔ حضرت کے یہاں کبھی کوئی غیر متعلق بات تو ہو ہی نہیں سکتی اور سچی بات تو یہ ہے کہ کرامت پر کبھی میری نظر ہی نہیں گئی۔ اور حضرت کی ذاتِ گرامی تو بجائے خود ایک کرامت تھی بلکہ اس سے بھی فوق۔ حفیظ جونپوری کی قسمت تو دیکھئے کہ حضرت ان کی حالت اچھی ہونے کی تصدیق فرما رہے ہیں۔ اس واقعہ سے متعلق مجھ سے چند اشعار بھی ہو گئے تھے۔ مثلاً

ہونٹوں کا تبسم یاد آیا۔ آنکھوں کا تبسم یاد آیا
آواز کے نغمے یاد آئے لہجے کا ترنم یاد آیا

کس طور سے آتا ہائے یقین وہ اور مجھ ایسے پر یہ کرم
وہ پیار میں ڈوبی ان کی نظر وہ اپنا توہم یاد آیا

اس موقعہ پر حفیظ جونپوری کے بھی اشعار برمحل یاد آ گئے ؎

مری کھل کر سیہ کاری تو دیکھو　　پھر اس کی شانِ ستاری تو دیکھو
گھٹائیں چھا رہی ہیں میکدے پر　　نزولِ رحمتِ باری تو دیکھو
ہوا بیعت حفیظ اشرف علی سے　　زہے مستی یہ ہشیاری تو دیکھو

بعد میں حضرت کو میرے ذوقِ شاعری کا علم ہوا۔ ایسا بہت ہوا ہے کہ حضرت نے سارے مضمون کے جواب میں کوئی شعر لکھ دیا اور میرے بعض عریضوں کا جواب جو حضرت کے پاس سے آتا تھا۔ اس میں خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب بھی اپنے اشعار مجھے لکھ دیا کرتے تھے۔

بابا صاحب نے فرمایا کہ مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کی کون کون سی مہربانیوں کو عرض کروں۔ میں اپنے احساسِ ناقص میں سمجھتا ہوں کہ حضرت کی ہر نظر

ہر توجہ۔ ہر ارشاد مجھ پر خاص الخاص زبانی یا تحریری التفات ہوتا تھا۔
تھانوی زندگی کا ایک واقعہ یاد آیا۔

ایک دفعہ میں بہت دنوں تک تھانہ بھون حاضری نہ دے سکا غالباً ۱۹۳۵ء کا زمانہ تھا۔ حضرت نے رقعہ رقم فرمایا کہ دیکھو اگر مالی پریشانی ہے تو کسی سے قرض لے لو اور چلے آؤ۔ مجھے ایک پرزہ پر رقم لکھ کے دیدینا میں تم کو دیدوں گا۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔ حضرت کے قلب مبارک میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ میری تیاری مکتوب گرامی آنے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ مجھ پر اس محبت کا کیا اثر ہوا آپ بھی دل رکھتے ہیں سمجھ لیجئے۔ میں آٹھ دس دن بعد جانے والا تھا۔ میں نے فوراً جواب میں عرض کیا۔ حضرت اس وقت مجھے ایسی ضرورت نہیں ہے مگر جب بھی ضرورت ہوگی بلا تکلف عرض کر دوں گا۔ میرا یہ حق محفوظ رہے۔ فوراً جواب آیا۔ "محفوظ ہے"۔ یہ توجہات محبت کی ایک معمولی سی مثال ہے۔ اس کا جاننے والا اس عالم میں کوئی نہیں سوائے میرے محبِّ بے تکلف خواجہ مجذوب علیہ الرحمۃ کے۔

بابا صاحب نے فرمایا کہ حضرتؒ کے ساتھ میری بہت خط و کتابت ہوئی سارے خطوط ایک بکس میں رکھے تھے۔ کچھ کو دیمک کھا گئی کچھ بچ گئے ہیں۔ شاید دو چار خط میری بہن کے پاس ہوں۔

الحمد للہ کہ مرتب کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور تھوڑے سے خطوط بابا صاحب کے بھتیجے محترمی جناب محمد نصیر احسن بلال صاحب کے ذریعہ دستیاب ہو گئے ان میں سے چند ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا خط

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
۷۸۶ حضرتِ والا مدظلہٗ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ میں نہایت شرمندہ اور بصد ادب خواستگار معافی ہوں کہ عریضۂ سابقہ میں غیر ضروری حالات کو ضبط تحریر میں لاکر حضور کا وقت ضائع کیا حضور والا کے جواب سے عبث سوال پر بھی تنبیہ ہوا اگر کوئی عملی بات ہوتی تو فضول باتیں خدمتِ اقدس میں پیش کیوں کی جاتیں میں صدقِ دل سے اپنی بے عملی پر تائب اور متاسف ہوں حضور والا دعائے توفیق فرمائیں۔	دل سے دعا کرتا ہوں
تہجد کے بعد جو ذکر کرتا ہوں اس میں بہ نسبت بعد عشاء کے زیادہ اطمینان ہوتا ہے۔	سبب ظاہر ہے
۱۵ شعبان کو اور اس سے ایک شب پہلے یا بعد کو دورانِ ذکر ایسا معلوم ہوا کہ تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ کی مسجد پیشِ نظر ہے منبر پر ایک مقدس بزرگ تشریف رکھتے ہیں جن کی نسبت خیال ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرتؐ سے قریب ہی اسی جگہ داہنی طرف جناب مولانا مدظلہٗ (یعنی جناب) کھڑے ہیں۔ معلوم نہیں کہ نماز کے خطبہ کی	

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
تیاری ہے یا کیا۔ دونوں مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک بھی پیشِ نظر ہوا مگر حلیہ مبارک نہیں بتا سکتا صرف اتنا یاد ہے کہ ریش مبارک رخساروں پر زیادہ اور خدہائے مبارک پر کسی قدر کم کم تھی بہ نسبت زنخداں مبارک کے چہرہ مبارک پُرکیف اور تاباں رنگ مبارک گندمی۔ حضرت والا کی نسبت یہ خیال ہے کہ شرعی پائجامہ اور لمبا کرتہ پہنے ہوئے تھے اور چہرہ حضور کا بھی بہت چمکتا تھا۔	
اس وقت ذکر کے دوران آنکھیں بند تھیں مگر حالت بیداری تھی میں نہیں عرض کرسکتا کہ میرے خیال میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد مبارک آئی اور اس نے یہ صورت پیش کردی یا کیا ہوا۔ کوئی استفساراً نہیں عرض کرتا بلکہ عرضِ حال کے لئے عرض کرتا ہوں۔	جو کچھ بھی ہو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ اس ناکارہ کے لئے بھی مبارک کردے۔
واقعۂ بالا کے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی دوران ذکر بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ حضور کا دھیان "جس کی اجازت ہے" کرتا ہوں مگر دل جمتا نہیں اور طرح طرح کے وساوس آتے ہیں اور کوشش سے بھی کم از کم خیالاتِ غیر اس وقت بھی نہیں جاتے مجبوراً میں نے اس کے دفع کرنے کی کوشش چھوڑ دی اگرچہ ارادۃً دوسرے خیالات دل میں نہیں لاتا۔ اب جو حضور ہدایت فرمائیں۔	جو امر اختیار سے خارج ہو اس کا قلق نہ چاہیئے نہ تدبیر کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا دھیان تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح کروں میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں اور ہر وقت ہر جگہ تشریف فرما ہیں اسی طرح وہ مجھ کو احاطہ فرمائے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر یہ خیال رہتا ہے اور پھر زیادہ سے زیادہ اسم ذات کے حروف پیش نظر رہتے ہیں مگر کسی ایک نشست میں بھی از ابتدا تا انتہا ایسا نہیں ہوا کہ اسم ذات ہی کا تصور رہا ہو۔

ضرر کیا ہے جس طرح بے تکلف تصور ہو جائے کافی ہے خواہ ایک طریق پر خواہ مختلف طریق پر

تہجد کے واسطے چند ماہ سے بہ کوشش اٹھنے کی عادت ڈال لی ہے اگر کسی دن دیر ہو گئی تو یہ کرتا ہوں کہ وقت ہوا تو اول نفل تہجد کی قضا پڑھ لی۔

مگر بعد طلوع صبح صادق نہ چاہئے۔ اگر صبح صادق ہو جائے تو پھر بعد طلوع شمس۔

پھر نماز فجر پڑھی یا کسی وجہ سے بہت زیادہ دیر ہو گئی تو بعد نماز چاشت۔ تہجد کی بارہ رکعتوں کی قضا پڑھ لی۔ کبھی کبھی قضا بھی قضا ہو گئی اگر اس طریقے میں غلطی ہو تو مطلع فرما دیں۔

حضور والا نے اجازت دے دی تھی لہٰذا احتیاطاً عشا کے وقت بھی چار رکعت تہجد کی نفلیں پڑھ لیتا ہوں

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
اور یہ چاروں التزاماً پڑھتا ہوں اگرچہ تہجد کے وقت بھی اٹھتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ دونوں جاری رکھنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔	کچھ حرج نہیں۔
آخری گزارش طلب دعا ہے سال گذشتہ ماہ رمضان میں میں بیمار ہوگیا تھا جس کا سلسلہ اب تک ہے سولہ روزے قضا ہوئے تھے جس میں سے فدیہ کی رقم سب کی ادا کرچکا ہوں قضا صرف ایک کی رکھی ہے اور کی دوا اور بیماری نے ابھی تک فرصت نہ دی۔ کل سے رمضان المبارک کے روزے ہیں حضور والا دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماویں اور صحت کی حالت ایسی رہے کہ روزے اور تراویح دونوں مل جاویں۔ میں خود بھی ان دنوں یہی دعا کرتا ہوں۔ ظاہری حالت ایسی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد بیمار پڑجاؤں گا۔ اللہ تعالےٰ کا بھروسہ البتہ ہے۔ والسلام	اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے۔ اشرف علی
خادم محمد نجم احسن وکیل پرتاب گڈھ اودھ ۲؍رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ	

دوسرا خط

حضرتِ والا مدظلہم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘
اللہ کریم کے افضال اور حضرت والا کی دعاؤں کی

برکت سے اب تک روزے اور تراویح سب اپنی طرف
سے بلاکوتاہی ادا کرنے کی کوشش کی گئی اگر توفیق و تائید
الٰہی شامل حال نہ ہوتی تو اس بندۂ ضعیف کو اب کے
بوجہ خرابیٔ صحت ان نعمتوں سے محرومی کا بہت ڈر تھا
مگر قربان جاؤں اپنے مالک کی عنایتوں کے کہ نصف
ماہ صیام گذرنے کے بعد صحت بھی خودبخود ٹھیک ہوگئی
معمولات پر بندہ عامل ہے البتہ بوجہ ماہ صیام کے
بعض معمولات کے وقت بدل دینے پڑے۔ ایک
عجیب حالت اس تمام زمانے میں یہ رہی کہ تمام دیگر اوراد
چھوڑ کے صرف اسم ذات کے ورد کو جی چاہتا تھا۔ اور
بعض اوقات طبیعت ایسی مغلوب ہوگئی کہ درود چھوڑ
کے قلب یا زبان سے ذکر شروع کر دیا' دونوں کے متعلق
ایک عجیب حرص دل میں پاتا ہوں کہ بیان سے باہر ہے
کہ ہوسکتا تو درود شریف اور اسم ذات کا ورد ساتھ
ساتھ ہوتا۔ دلائل الخیرات حسب ہدایت والد مرحوم
بچپن ہی سے پڑھتا ہوں مگر ان روز وں یہی جی چاہا کہ سب
چھوڑ دے صرف اسم ذات اور الصلوٰۃ والسلام علیک
یا رسول اللہ کا ورد کرے صلوٰۃ السعادت والد مرحوم ہی
کی ہدایت کے مطابق ایک ہزار روزانہ بہت زمانے
سے پڑھتا ہوں کیفیت مذکورہ کے غلبہ میں اس کا ناغہ
ضرور ہوگیا دلائل الخیرات کے متعلق تو حضرت والا کو بھی

اطلاع دے چکا ہوں مگر صلوٰۃ السعادت کے متعلق خاص طور پر حضرت والا سے عرض بھی نہیں کیا تھا اگر ارشاد ہو تو جاری رکھوں۔

ایک معمول منضبط ہونا چاہئے گو قلیل ہو پھر فارغ اوقات میں جس ورد کا غلبہ ہو۔

عریضہ سابقہ کے جواب میں حضور نے جو ہدایت کی تھی الحمد للہ کہ اس پر عامل ہوں۔ اس خادم کی نیت بدگوئی کی تو کبھی نہیں ہوئی مگر دوسروں کی رائے میں شامل ہو کر پہلے اپنی رائے ظاہر کر دیتا تھا۔ اب الحمد للہ اس سے بھی پرہیز ہے۔ ایسے مواقع پر سکوت اختیار کرتا ہوں ایک دقت یہ البتہ ہے کہ شاید کبھی عام مسلمانوں کے کسی دینی یا دنیوی کام میں شخص معلوم سے اپنے علم میں دیانت کے ساتھ اختلاف ہو تو اس اختلاف کو کیسے ظاہر نہ کیا جائے یہ بھی اندیشہ ہے کہ خیال دیانت غلط ہو اور نفس کا دھوکا ہو۔ بعض اوقات مجھ سے حسن ظن رکھنے والے اس بدترین خلائق کی رائے کے جاننے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

مثال لکھئے۔

پرسوں شب میں ذکر کے وقت عجیب کیفیت ہوئی اشک تو آنکھوں سے جاری ہی ہو گئے مگر جی یہی چاہتا تھا کہ اسم مبارک رٹے جا اور کہیں چل۔ آنکھیں روتی تھیں اور دل بہت مسرور تھا۔ غسل کر کے صاف اور

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
عمدہ کپڑے پہننے اور عطر لگانے کو جی چاہتا تھا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ ملنے والا ہے۔ ذکر ختم کر دینے کے بعد نماز صبح کی سنت کے وقت تک یہی کیفیت رہی اور شب گذشتہ بھی کچھ کم یہ معاملہ رہا چنانچہ عطر کی شیشی کا ذکر گھر میں سے کر ہی دیا تھا مگر اس وقت مل نہ سکی۔ اللہ تعالیٰ حضور والا کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمائیں۔ والسلام مع الاکرام خادم محمد نجم احسن از پرتاب گڈھ ۲۷ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۷ھ	مبارک ہوں یہ حالات گو مقصود نہیں مگر مقصود کی فال ہے

تیسرا خط

از پرتاب گڈھ

حضرت والا مدظلہم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا کا یہ بدترین اور ادنیٰ ترین خادم اپنی بدقسمتی سے جب عریضہ ارسال کرتا ہے پریشانیوں ہی کا اظہار کرتا ہے۔ اس خادم کو صحیح اندازہ اپنی کسی حالت کا ہوتا ہی نہیں اسی سے کما حقہ حال عرض کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ مثلاً ایک ماہ بعد عریضہ لکھنے کی نوبت آئی تو بجز اس کے کہ معمولات ادا یا قضا کسی صورت سے

چلے جاتے ہیں اس کے علاوہ کوئی بات اگر ہوتی ہے تو
وہ نگارش عریضہ سے دو تین دن زیادہ سے زیادہ ایک
ہفتہ کی حالت ہوتی ہے اور جب تک کوئی خاص تکلیف
یا ضرورت نہیں ہوتی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں اور قریب
قریب ہمیشہ جب حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھدیا تکلیف
جاتی رہی۔ حضرت والا نے یہ فرما دیا ہے کہ جس طرح بنے
کام میں لگا رہ حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور حضرت کی
دعا کا اثر ہے کہ بہ ہر صورت جیسے بنتا ہے کام میں لگا رہتا
ہوں۔ دو ڈھائی ماہ سے یہ حالت ہو رہی ہے کہ معاش
میں کسی قدر تنگی ہے اور وہ حالت ہے جس کو بلا قصدِ شکایت
تکلیف سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ خادم کی طبیعت ایسی
نالائق واقع ہوئی ہے کہ ذرا سی ضرورت کے اپنی سمجھ میں
وقت ضرورت رفع نہ ہونے یا اس احساس سے کہ تم
محتاج اور تنگدست ہے بہت زیادہ غلبہ رنج و غم کا دل
پر ہوتا ہے جس کا اثر معمولات پر یہ پڑتا ہے کہ بے حسی
سے ادا ہوتے ہیں جیسے کوئی شخص نیند سے مغلوب ہو
اور تلاوت کرے۔ ابتدا میں بڑی کلفت ہوئی اب تو
خیر رفتہ رفتہ وہ شدت تکلیف اور غم کی نہیں ہے مگر
کچھ نہ کچھ کلفت تو ہوتی ہی ہے۔ دل کو یوں سمجھایا کرتا
ہوں کہ انبیا علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی دنیا فراغت سے

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
نہیں گذری۔ وہ ترک دنیا کرلے تھے اور تجکو متروک الدنیا کرکے یہ سنّت پوری کرائی جارہی ہے۔ اس سے بجائے غم کے ایک سرور پیدا ہوجاتا ہے۔ مگر پھر جب آٹے دال میں پڑا پھر وہی شیطان پیچھے لگ جاتا ہے جن لوگوں کو دنیوی فراغت حاصل ہے دل سے پوچھتا ہوں کہ اگرچہ تیری دینی حالت کچھ بھی نہیں مگر کیا تو ان کی دنیوی ثروت کے ساتھ اُنھیں کی دینی حالت بھی لینے اور بدلنے کو تیار ہے تو اس پر دل نہیں تیار ہوتا۔ حضرت کی برکت سے جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کی قدر اور محبت بھی دل میں ہے غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ اپنی مجبوری اور اللہ تعالےٰ کی قدرت اور بے نیازی کا خیال کرکے تو دل تنگئ رزق پر اس صورت سے راضی ہوجاتا ہے کہ جو اس کی مرضی مگر محبت سے رضا حاصل نہیں اور پھر یہ بھی خطرہ ہوتا ہے کہ تجھ میں حُبِّ دنیا ہے۔ حضرت والا پہلے میری یہ حالت تھی کہ کھانے پہننے میں بڑے اہتمام اور تکلف کا عادی تھا حضرت کی برکت سے وہ بات تو اب بالکل نہیں مگر اس کا شوق اب بھی ہے بلکہ شاید آرزو ہے ایک درد تو اس خادم کا یہ ہے، دوسری حالت یہ ہے کہ پانچ مہینے ہوئے جب حضرت کی حضوری ایک	

ہفتہ کے لئے حاصل ہوئی تھی واپسی پر کچھ علیل ہو گیا
چند روز اس کا بہانہ ہو گیا اور اب یہ رنگ چلا جاتا
ہے کہ ذکر یکسوئی کے ساتھ نہیں ہوتا پہلے کسی قدر
جہر سے کرتا تھا اب اکثر و بیشتر آہستہ آہستہ بلا
ضرب کے ہوتا ہے اور یکسوئی نہیں ہوتی۔ توبہ بر لب
سبحہ بر کف دل پُر از ذوقِ گناہ کا عالم ہے۔ ایک ہزار
بار بعد عشا اور اسی قدر بعد تہجد اسم ذات کا ذکر ہوتا تھا
اور تہجد کے بعد بلا تعداد معین لا الہ الا اللہ مگر زیادہ نہیں
اب چند دن سے اسم ذات بارہ بارہ سو بار اور لا الہ الا اللہ
چھ سو بار سیدھے سیدھے ہو جاتا ہے۔ تہجد کے وقت
ناغہ ہو گیا تو بعد نماز صبح۔ اور تہجد تو اکثر قضا ہوتی ہے
حسب ارشاد حضرت اشراق کے وقت قضا پڑھتا ہوں۔
جب سے حضرت نے دست گیری فرمائی قریب
قریب ہر رمضان میں خواب یا بے خوابی کی حالت میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی، اب کے
اس سے بھی محرومی رہی۔ یہ سمجھتا ہوں کہ کہاں میں اور
کہاں آرزوئے زیارت مگر نہ وہ خطائے خاص معلوم
ہے جس کے سبب یہ محرومی رہی اور نہ کوئی اس رنج
محرومی کی اور دوا ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں۔
ایک مصیبت یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ عمر

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
اربعین کو پہونچی خواہش مقاربت نہیں کم ہوئی۔ اور اس سے معمولات میں خلل واقع ہوتا ہے وہ ایک دن دو ماہ کے اندر ایسے گذرے کہ پاک ہوتے ہوتے نماز صبح قضا ہوگئی اور اس حالت کی وجہ سے جماعت تو اکثر فوت ہوجاتی ہے۔ اپنا غم نامہ بہت طویل ہوگیا۔ اس کی معافی چاہتا ہوں۔ کیا عرض کروں۔ نتواں نہفتن درد از طبیباں۔ والسلام مع الاکرام۔ خادم آثم محمد نجم احسن وکیل۔ پرتاب گڈھ۔ اودھ ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ	السلام علیکم مجمّی جواب تو وہی ہے جو پہلے خط پر لکھا تھا اور مفصل جواب میرے پہلے خطوط میں کئی کئی طرح سے مذکور ہے اگر پرانے خطوں کا مطالعہ رہا کرے تو غالباً کوئی تنگی قلب کو نہ ہو اگر کسی جزو کا جواب نہ ملے تو پوچھ لیجئے۔ باقی دعا کرتا ہوں۔

چوتھا خط

از پرتاب گڈھ

حضرت والا مدظلہم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘

اللہ تعالیٰ بہت بہت زمانے تک حضرت والا کا ظلّ گرامی قائم رکھیں۔ آمین ثم آمین۔

عریضہ گذشتہ خدمت والا میں ارسال کرنے اور جواب صادر ہونے کے بعد سے آج تک عجیب حالت گذری ہر وقت ایک کیف طاری رہتا تھا کسی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی تھی زیادہ تر حضرت والا کی یاد یا

جواب مرشد رحمہ اللہ	خط حضرت باباصاحب
مبارک حالات ہیں۔	حضرت کی صورت سامنے رہتی تھی دو دن تو شاید اسی حالت میں گذرے کہ ہر وقت یہ محسوس ہوتا تھا کہ گویا حضرت والا کی مجلس میں بیٹھا ہوں یا حضرت کچھ فرما رہے ہیں۔ صورت مبارک اور صوت مبارک دونوں کا ایسا حضور تھا جیسے میں سامنے ہی بیٹھا ہوں۔ ایک دن ایسا گذرا کہ حضرت والا کے ساتھ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلوہ مبارک بھی نظر آیا بس یہ معلوم ہو کہ حضرت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں اس حضوری کے لئے بھی کسی حد تک یکسوئی اور دوسری طرفوں سے توجہ ہٹانے کی ضرورت تھی مگر اسی دن قریب مغرب بلا خیال سابق دفعتاً ایک یکسوئی ہوئی دو ایک آدمی اور موجود دیکھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور حضرت بھی معیت میں ہیں۔ منہ سے ایک چیخ نکلنے کو تھی کہ دفعتاً اپنی جگہ سے اٹھا اور مردانے مکان سے زنانے کو بھاگ گیا۔ اس کرم بے پایاں کی لذت کئی دن رہی اور اپنی نااہلی اور حضرت کی بدولت ادھر سے ایسی مہربانی۔ نہ اس کا شکر ادا کر سکتا ہے نہ شکریہ۔ اللہ تعالیٰ مجھے حضرت کے قدموں پر سے نچھاور کر دیں تو سمجھوں کہ جان کام آگئی۔ اس عشرہ میں دو خواب ایسے دیکھے جس سے ایک

خط حضرت بابا صاحب

تشویش پیدا ہوگئی عموماً خوابوں کو میں اہمیت دیا نہیں کرتا
مگر ان دونوں کا اثر قلب پر زیادہ ہونے کی وجہ سے
عرض کرتا ہوں۔

ایک شب میں خواب دیکھا کہ طوائفوں کے محلے
میں گیا ہوں اور وہاں پہنچنے پر دفعتاً اللہ تعالیٰ کا خوف
دل پر ظاہر ہوا کہ میں معصیت میں مبتلا ہونے سے پہلے
بھاگ آیا۔ اس خواب کے دوسرے ہی تیسرے دن
یہ خواب دیکھا کہ میں نے خود دیدہ و دانستہ یا کسی کے دینے
سے بے جانے شراب پی لی ہے۔ اگرچہ تھوڑی پی ہے
مگر اب پریشان ہوں کہ اے اللہ کیسے نماز پڑھوں گا
اس قدر پریشانی ہوئی کہ آنکھ کھل گئی اور اس خواب
ثانی کی ہیبت سے قلب پر فکر و تردد رہا اور اب بھی
ہے کہ نہ جانے کس گناہ کی جانب اشارہ ہے۔ یہاں
تو گناہ ہی گناہ ہیں۔ ایک دو ہوتے تو شاید سمجھ میں
بھی آتا۔ دل میں یہی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ موقع عطا
فرمائیں کہ کچھ روز اطمینان سے خدمت والا میں حاضر
ہو کر گذار دوں اور اس مقصد کے حصول کے لئے
حضرت والا کے خاص توجہ کی ضرورت ہے میں تو
حضرت کی اس آن پر قربان ہوتا ہوں کہ میں ایسا ناکارہ
اسباب ظاہر میں بغیر پہنچوائے حضرت پر شاید ظاہر

جواب مرشد رحمہ اللہ

جب بیداری کے لئے
استغفار کافی ہے
تو خواب کے لئے اس
سے زیادہ کس چیز
کی ضرورت ہوگی۔
استغفار کی کثرت سے
پریشانی جاتی رہیگی۔
زیادہ درپے نہ ہوجئے

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
بھی نہ ہو کہ یہ کون ہے اور اس پر بھی اس قدر کرم اور اس درجہ التفات۔ جی چاہتا ہے کہ حضرت کے قدموں پر سر ہو اور جان نکل جائے۔ والسلام مع الاکرام خادم نجم احسن از پرتاب گڈھ (اودھ) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ	

پانچواں خط

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
حضرت والا مدظلہم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ	السلام علیکم
اللہ تعالیٰ حضرت والا کو سلامت رکھیں اور درجات و مراتب بلند فرماتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔ عریضۂ سابقہ دیکھنے سے قلب کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اندر ایک قسم کی بدتمیزی اور بے ادبی ہے۔ اپنی اس نالائقی کی معافی چاہتا ہوں۔	معلوم نہیں یہ خیال کاہے سے پیدا ہوا
یہ امر کئی بار میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ذکر ضرب اور جہر کے ساتھ نہیں ہوتا ہے آہستہ آہستہ زیر لب کر لیتا ہوں چونکہ اس حالت کے متعلق کوئی خاص ہدایت عرض حال پر حضرت والا نے نہیں فرمائی اس سے یہ سمجھا کہ مضائقہ نہیں لیکن اب یہ دیکھتا ہوں کہ ضرب و جہر تو ایک طرف اب اس کے لئے وہ اہتمام خلوت اور یکسوئی بھی نہیں۔ بعض اوقات یہ جی میں آتا ہے کہ بیٹھنے	

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
اور طبیعت کو بہ کوشش یکسو کر کے ذکر کرنا کیا ضروری ہے لیٹے لیٹے اور چلتے پھرتے بھی کر سکتے ہو اور جب اس قسم کا خیال جی میں آتا ہے تو اکثر ذکر ہوتا بھی اسی طرح کا ہے۔	نفع بہت کم ہوتا ہے
آج دوران ذکر کسی حد تک یکسوئی کی حالت میں یہ خیال آیا کہ کوتاہی سب تیری اختیار کردہ ہے اس کے خلاف مضبوط ارادہ کرلے تو ایسا نہ ہو اب انشاء اللہ کوشش یہی کروں گا کہ ایسا خیال اور عمل غالب نہ آنے پائے اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں۔	
لیکن اسی ذکر کے متعلق ایک عجیب خیال دل میں بیٹھ گیا ہے کہ ذکر خود تو مقصود ہے ہی نہیں۔	یہ کس نے کہہ دیا کیا فرض نہ ہونے سے مقصود اور مامور بہ ہونے کی بھی نفی ہوگئی۔
لہذا ہو جائے تو کیا اور نہ ہو جائے تو کیا اور اس خیال کا نتیجہ یہ ہے کہ دل میں ذکر کی وہ عظمت نہیں محسوس ہوتی جو پہلے محسوس ہوتی تھی۔	بناء الفاسد علی الفاسد
الحمد للہ اس قسم کے خیالات مانع ذکر تو نہیں ہیں بلکہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے زیادہ وقت زبان پر یا خیال میں اللہ اللہ یا لا الٰہ الا اللہ یا استغفار یا درود شریف	

جواب مرشد رحمہ اللہ	خط حضرت بابا صاحب
جہل کا علاج علم ہے جو اوپر مذکور ہوا۔	یا تسبیح رہتا ہی ہے مگر معروضۂ بالا خیال سے ایک عجیب الجھن پیدا ہوگئی ہے۔
	ایک مہینے سے دو ایک دن زیادہ ہوئے جب میں اس فکر میں مبتلا تھا کہ سرکاری انکم ٹیکس ادا کرنا تھا دو ہی ایک دن تاریخ کے باقی تھے۔ رقم کثیر تھی اور بالکل تہیدستی تھی اور طبیعت بہت پریشان تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور یہ التجا کی کہ اے اللہ اس کے لئے قرض نہ لینا پڑے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور دفعتاً بے سان و گمان سب انتظام ہوگیا اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا اور چونکہ فی الجملہ اطمینان نصیب ہوگیا۔ دوسرے وقت حضرتِ دل نے یہ پٹی پڑھائی کہ اب تیرے کیا کہنے اب تو تیری دعا پوری قبول ہونے لگی اور جلد قبول ہونے لگی اس خیال سے طبیعت کو ایک لذت محسوس ہوئی مگر کچھ اس میں ایک کھٹک سی بھی معلوم ہوتی تھی دفعتاً ایسا معلوم ہوا کہ پردہ چاک ہوگیا اور اس خیال سے بہ ایں دلیل کنارہ اور استغفار کیا کہ دعا تو کافر کی بھی قبول ہوتی ہے بلکہ شیطان کی بھی قبول فرمائی اور قیامت تک کیلئے مہلت عطا فرمائی۔ الحمد للہ کہ وہ ناز کی کیفیت جاتی رہی اور بالکل ہی جاتی رہی اور شکر اور خوف کی حالت

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
طاری ہوگئی۔ اسی کے چند دن کے بعد النور کا تازہ پرچہ آیا تو حضرت والا کا (قربانت شوم) ارشاد گرامی نظر پڑا کہ دعا کفرۃ الفجرۃ کی بھی قبول ہوتی ہے۔ اب دو قسم کے سرور پیدا ہوگئے کہ تجھے صحیح دلیل جو سوجھ گئی یہ فیض تھا حضرت کا اور دوسرا یہ خیال کہ تجھے مناسبت ہے حضرت والا سے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس احساس سے خوشی بہت ہوتی ہے۔	
ایک دن نماز پڑھتے پڑھتے یہ خیال آیا کہ بھئی اب تو تارک صلوٰۃ تو ہے نہیں کم از کم نماز کے لئے تو تو مراد کے حال کو پہونچ گیا۔ اس خیال سے بھی استغفار کیا اور کرتا ہوں اگرچہ اس وقت شاید بعض وقتی وسوسہ بن کے آیا مگر چھیڑتا اب بھی ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ تو اور تیری ہستی کیا۔ کہاں مراد اور کہاں تو۔ تجھے نفل عبادت کی توفیق مل جائے اسی کو غنیمت سمجھ۔	
حاجی محمد شفیع صاحب بجنوری سے (قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ کے متوطن) جہاں تک معلوم ہے حضرت والا واقف ہیں وہ یہیں سے اس خادم سے واقف ہیں اور کچھ رشتہ داری بھی ہے انھوں نے بلا اس خادم کی استدعا یا سوال کے ایک دعا یا مسخرات السمٰوٰت والارض وما بینھما یا علیم یا حی یا ممیت بحق کٓھٰیٰعٓصٓ	

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
وبحق حمعٓسق وبحق یاحیّ یاقیوم وبحق ن والقلم وما یسطرون پڑھنے کو عطا فرمائی اور تحریری اجازت دی اور یہ فرمایا کہ سرانجام امور دنیوی (غالباً متعلق بہ رزق وغیرہ) میں مدد ملے گی ان سے تو وہ کاغذ لے لیا مگر یہ عہد کیا کہ بغیر حضرت والا کی اجازت کے نہ پڑھونگا اور حضرت والا محسوس تو ایسا ہوتا ہے کہ تسخیر وغیرہ کیلئے دعا پڑھنا کیا تسخیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ عزت سے گذاردیں نیک عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور خاتمہ بخیر فرمائیں چونکہ یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ ملی ہوئی دولت کو ٹھکرانا نہ چاہیئے اس لئے حضرت والا سے عرض کرتا ہوں ورنہ دل میں اس کا کوئی شوق یا اس سے کوئی لگاؤ نہیں پاتا۔ اب جیسا حضرت والا ارشاد فرمائیں۔	حالت بدلنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔
والسلام مع الاکرام راقم محمد نجم احسن وکیل پرتاب گڈھ (اودھ) ۲۴ شعبان ۱۳۵۳ھ	

چھٹا خط

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
حضرت والا مدظلہم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' اللہ تعالیٰ حضرت والا کی ذات بابرکات کو بہت بہت	السلام علیکم

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد رحمۃ اللہ
زمانے تک خدام کے سروں پر سایہ گستر رکھیں۔ آمین۔ یہ خادم شعبان کے قبل سے مرض خارشت میں مبتلا ہو گیا تھا اور با وجود تدابیر مرض بڑھتا ہی رہا۔ رمضان المبارک الحمد للہ کہ کسی طرح بخیر و خوبی گذر گیا لیکن اُس ماہ مبارک کے ختم ہوتے ہی مرض کا اشتداد بہت بڑھ گیا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جماعت میں شرکت کی توفیق عطا ہوتی رہی کبھی کبھی معمولات ناغہ ہو گئے مگر بحیثیت مجموعی بے ترکیبی ہی کے ساتھ سہی مگر خیر ادا ہوتے رہے۔ ایک ہفتہ سے الحمد للہ کچھ نجات ہونے لگی ہے اور اب الحمد للہ صحت ہے مگر قدرے خلش باقی ہے لیکن اسی زمانے سے گھر میں کی طبیعت خراب ہو گئی جس کی وجہ سے علاوہ ان کی تکلیف سے تکلیف کے تمام معمولات میں فرق آ گیا گھر میں کی طبیعت رو بہ اصلاح الحمد للہ ضرور ہے مگر ابھی تکلیف بہت ہے حضرت والا دعائے خیر برائے فلاح دارین وصحت فرماویں۔	دعا کرتا ہوں۔
گذشتہ خط میں جو شک کی حالت ذکر کے متعلق عرض کی تھی وہ جواب گرامی سے سرافراز ہونے کے بعد الحمد للہ اختیاراً اور اضطراراً دونوں طریقہ احساس سے جاتی رہی اگرچہ بوجہ عذر دستور کے مطابق ذکر نہیں ہو سکا مگر اب انشاء اللہ ہوگا اور بہ توفیق الٰہی ارادہ استقامت ہے اور اللہ تعالیٰ سے التجائے عطائے استقامت ہے۔	

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
خواب کی طرف حضرت والا ہمیشہ توجہ نہیں فرماتے اسی وجہ سے اس خاکسار کو بھی کوئی خاص توجہ اس طرف نہیں ہے۔ لیکن حال ہی کا ایک خواب دل مجبور کرتا ہے کہ ضرور عرض کردوں۔ دیکھا کہ ایک بزرگ کے پاس پہنچا اس طرح کہ کوئی شخص مجھ سے کسی مسئلے پر خشونت کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا انھوں نے اس شخص کو کنایتاً یا صراحتاً چپ کر دیا اور مجھ سے معانقہ اس طور سے کیا کہ اپنی زبان دیر تک میرے مُنہ میں رکھ کے مُنہ بھر میں پھراتے رہے پھر کہا کہ تم تو ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں بیعت ہو۔ میں نے حضرت والا مدظلہم العالی کا نام لیا حضرت والا کا اسم گرامی سن کر جیسے ان پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور کہنے لگے کہ مولٰنا	
اشرف علی علیہ السلام، پھر ذرا رُک کے کہا مولانا اشرف علی صاحب کو حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ایک خاص .... ہے۔	(لفظ علیہ السلام کو اچھی طرح کاٹ دیا پھر جواب تحریر فرمایا کہ) مراد سلمہ اللہ تعالیٰ۔
اب یہ لفظ خاکسار کو یاد نہیں کہ "قرب" تھا یا "محبت" یا "نسبت" اس کے علاوہ اور کچھ یاد نہیں۔ اور تو کچھ سمجھ	
میں نہ آیا حضرت والا مدظلہم کی نسبت یہ سُن کر البتہ خواب میں بھی اور اس کے بعد بھی ایک خاص مسرت قلب کو ہوئی اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات و مراتب	خدا تعالیٰ خواب ہی کی برکت سے کچھ نصیب فرمادیں۔

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
بلند فرمائیں۔ آمین۔ خادم محمد نجم احسن وکیل از پرتابگڈھ اودھ ۲۹ شعبان ۱۳۵۳ھ	

ساتواں خط

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
حضرت والا مدظلہم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘	السلام علیکم
اللہ تعالیٰ حضور والا کے درجات و مراتب بلند فرمائیں جو نعمت[ؔ] مجھے عطا کی گئی ہے اللہ تعالےٰ مجھے اسکی بہ برکت حضرت والا اہلیت عطا فرمائیں اور حسن عمل خاتمہ اور حضرت والا اور اپنے محبوں اور محبوبوں کی محبت عطا فرمائیں۔	انشاء اللہ تعالےٰ یہ سب دولتیں نصیب ہوں گی۔
تحریر گرامی پڑھتے ہی بے اختیار اس ذرّہ بے مقدار پر گریہ طاری ہوا اور قریب قریب آج تک ایک حیرت کی سی کیفیت طاری ہے۔ اب سمجھ میں یوں آیا کہ تیری مثال ایسی ہے جیسے شاہی فوج میں بھنگی کی۔ اگر بادشاہ سلامت تجھ سے اور کوئی کام بھی لینا چاہتے ہیں تو تو تو بہ ہر صورت بھنگی ہے محض شاہی کرم سمجھ کے جو حکم دیا جائے اس پر چل اور اپنی حقیقت نہ بھول۔ اگر بھنگی سے اور بہتر کام لیا جائے گا تو اس کی طہارت اور اس کے تزکیہ کے لئے بھی شاہی انتظام ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ایک خطرہ اور قلب کو گھیرے ہوئے ہے	

[illegible]

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
کہ تو منافق ہے دھوکا دیتا ہے، کہتا کچھ ہے کرتا کچھ ہے اور اپنی اصلی حالت کی اطلاع نہیں دیتا ہے۔ مگر میں نے کہہ دیا ہے کہ تو کچھ بھی سہی حضرت کی توجہ تجھ پر رہے تو انشاء اللہ سارے عیوب دور ہو جائیں گے۔	
اللہ تعالیٰ حضرت والا کو سالہا سال اور مدت دراز تک بہ رفع درجات و مراتب فیض بار رکھیں۔ آمین	
خادم آثم محمد نجم احسن از پرتاب گڈھ	
۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ	

آٹھواں خط

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد رحمہ اللہ
حضرت والا مدظلہم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'	
اللہ تعالیٰ حضرت والا کی ذات گرامی کو بہ ترقی مدارج و رفع درجات بہت بہت زمانے تک خدام کے لئے سایہ گستر رکھیں، آمین۔ کچھ زمانے سے ایک ایسی حالت ہوگئی ہے کہ عریضہ لکھتے وقت اپنی حالت تو بھول جاتی ہے یہی یاد رہ جاتا ہے اور یہی جی چاہتا ہے کہ حضرت والا کو دعائیں دیتا رہوں۔ خادم حضرت والا کی ذات بابرکات کو اپنا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے۔ اس خیال سے دل کانپ جاتا ہے کہ اگر خدانخواستہ حضرت والا کی کفش برداری نہ نصیب ہوتی تو زندگی اور مقصود زندگی	

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
دونوں سے محرومی رہتی حضرت والا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے استقامت کی بہت بڑی دولت عطا فرمائی ہے یہ حالت ہے کہ کسی حال میں بھی ہوں الحمد اللہ معمولات کسی نہ کسی طرح ضرور پورے ہوتے ہیں اور ان کے پورے کرنے میں کسی حالت میں کوئی گرانی نہیں ہوتی. الحمد للہ کئی مہینوں سے غفلت نے غلبہ نہیں پایا۔ امور دنیوی سے ذرا ہمیں فراغت ہوئی اور غفلت دور ہوئی حضرت والا اور مجلس مبارک کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھرتا رہتا ہے اور جب اس تصور اضطراری سے کسی وجہ سے دوسرے کام میں لگنا پڑا تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ابھی ابھی جنت سے قرب ظاہر حاصل کر کے آرہا ہوں۔ اس مبارک تصور سے بوجہ ایک کیف قلبی کے تمام معمولات اور طاعات میں سہولت اور لذت دونوں حاصل رہتی ہیں قرآن شریف کی تلاوت میں ہر وقت تو نہیں مگر بسا اوقات ایک عجیب انشراحی کیفیت ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو پڑھتا ہوں دل میں بیٹھ رہا ہے اور ایک ایسی اور بھی کیفیت ہوتی ہے جو نہ سمجھ سکتا ہوں نہ بیان کر سکتا ہوں۔ انشراح قلبی کے علاوہ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ گویا الفاظ قرآنی بہت زیادہ منور اور روشن ہیں کبھی کبھی حالت تصور میں جس کو میں اضطراری سمجھتا ہوں	

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ

ایسا تصور پیدا ہوتا ہے کہ جیسے حضرت والا کے علاوہ حضور (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف رکھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارک کا جو خیالی نقشہ دل میں ہے محبت کے ساتھ تھوڑے سے یاد کرنے سے نظر آنے لگتا ہے۔ حضرت کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں جن کی بدولت خادم کو یہ اطمینان اور انبساط اور وہ دولتیں ملیں جن کا جواب نہیں۔ آمین ثم آمین۔

خادم خاکِ نعال محمد نجم احسن وکیل
پرتاب گڈھ اودھ ۸ شعبان ۱۳۵۴ھ

جواب: سب نعمتیں ہیں شکر کیجئے۔

نواں خط

حضرت والا مدظلہم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
اللہ تعالیٰ حضرت والا کو تا قیامت غلاموں پر سایہ گستر رکھیں۔ آمین۔ جب سے تھانہ بھون چھوٹا ہے ایک کرب سی کیفیت طاری ہے باوجود اس کے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر وقت قریب قریب مجلس مبارک میں شرکت کی نعمت حاصل ہے۔ اب کے حاضری سے جس قدر نفع محسوس ہوا بیان ہی نہیں ہو سکتا اگرچہ یوں کوئی پوچھے کہ کیا نفع ہوا تو قلب کی حالت کے متعلق تھوڑا سا اطمینان

جواب: السلام علیکم

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
کر لینے کے بعد اس کے سوا جواب نہیں دیا جا سکتا کہ الحمد للہ کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ سے تعلق قوی محسوس ہوتا ہے دوسری طرف حضرت والا کی محبت کا جذبہ دل میں جوش زن معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے اللہ تعالےٰ حضرت والا کے مدارج بلند فرمائیں اور روز افزوں بلند فرماتے رہیں۔ حضرت والا کی شان مربیت میں ترقی ہو اور تربیت میں شفقت کی جزائے خیر ملے آمین	
اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سے انتساب کی دولت کے سوا اور کوئی دولت دولت کہلائے جانے کے قابل ہی نہیں۔ اور اگر خدانخواستہ یہ دولت نہ حاصل ہوتی تو خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے احسان کا شکر ادا ہونا ممکن نہیں۔	
تھانہ بھون سے ہر واپسی پر ایک دستور ہو گیا ہے کہ بیمار ضرور پڑ جاتا ہوں، اب کے بار بھی یوں ہی ہوا علالت میں اشتداد تو نہیں ہوا مگر امتداد ہوا۔ اور اب بھی برائے نام سہی مگر خلش باقی ہے۔ اپنی ایک بری عادت کو آج تک اس امید پر حضرت سے چھپایا کہ چھوٹ جائے گی مگر اب مجبوراً عرض کرنا پڑتا ہے۔ استعمال اختیار اپنے خیال میں بوجہ عذر فی الحال دشوار ہے۔ اس خاکسار کو ریاح باسوری کی شکایت ہے اس لیے	

جواب مرشد علیہ الرحمۃ	خط حضرت باباصاحب
	مجوزین نے حقہ پینا نافع بتایا ہے عرصہ سے اس کی عادت ہے۔ اب کے بار تھانہ بھون میں ایک ہفتہ بالکل نہیں پیا وہاں تو کوئی حاجت یا تکلیف ایسی جس کی طرف توجہ ہو محسوس نہیں ہوئی واپسی پر تکلیف بڑھ گئی اور اس نے امعار سے لیکر گھٹنوں تک اور حوالی گردہ کے درد کی صورت اختیار کر لی۔ اور بعض کی رائے میں قولنجی حالت بھی ہو گئی آٹھ نو دن زیادہ تکلیف رہی پھر یہ ہوا کہ نفخ زیادہ ہو جاتا ہے تو درد پیدا ہو جاتا ہے اور حقہ کی اب زیادہ حاجت ہو گئی۔ اب کیا کروں اب فی الحال تو چھوڑنا اور بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ عادت بہت بری ہے یہ جانتا ہوں
ضرور پیا جائے البتہ نمازوں سے پہلے مُنہ کو خوب صاف کیا جائے تاکہ بالکل بدبو نہ رہے۔	اور بہت صفائی کے ساتھ ہمیشہ پانی بدلوا کے استعمال کرتا ہوں اور جب پی چکتا ہوں کلی کر ڈالتا ہوں الائچی ہوئی تو چبا لیتا ہوں۔ حالت عرض کر دی اب انتظارِ حکم ہے۔ والسلام مع الاکرام۔ خادم محمد نجم احسن از پرتابگڈھ اودھ ۱۲ صفر ۱۳۵۶ھ

جواب مرشد علیہ الرحمۃ	خط حضرت باباصاحب

دسواں خط

حضرت والا مدظلہم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
اللہ تعالیٰ سے حضرت والا کی صحتِ مزاج اور رفع درجات
کا طالب ہوں آج سے سات آٹھ روز پہلے ایک پورا
پندرہ روزہ خاکسار پر اس طرح گذرا کہ ہر وقت ایک کیف
سا طاری رہتا تھا اختیاراً و اضطراراً مصروفِ ذکر رہتا
تھا اور اکثر ایسا ہوا کہ ہر موئے بدن سے ذکر محسوس ہوتا
تھا، رویا کرتا تھا، اشعار پڑھا کرتا تھا، کبھی دعائیں
کرتا کبھی سجدے کرتا۔ اپنی صحیح حالت حوالۂ قلم کرنے
سے قاصر ہوں۔

مگر میں سمجھ گیا۔

کوئی عزیز اس وقت ایسا آگیا جو بے تکلف تھا
اس نے یا جس کسی نے آڑ سے حالت کو دیکھا خود بھی
متاثر ہوگیا۔ ایسی حالت غالباً تھی جیسے اتھاہ سمندر
میں تنکے سے بھی زیادہ حقیر چیز بہتی چلی جا رہی ہو
اس حالت میں جب اُس دوران میں کچھ سکون ہوجاتے
تو بھی آثارِ کیفیتِ سابقہ باقی رہتے تھے۔ بسا اوقات
لیٹے بیٹھے اُٹھے راہ چلتے یہ محسوس ہوا کہ حضرت والا
تشریف رکھتے ہیں، اب وہ حالت نہیں ہے مگر الحمد للہ
اشتدادِ انقباض بھی نہیں ہے اپنے کام میں لگا رہتا

جواب مرشد علیہ الرحمۃ	خط حضرت بابا صاحب
مبارک۔ اللھم زد فزد	ہوں پہلے انقباض کی حالت میں معمولات ادا کرنے میں دقت ہوتی تھی اور اب باوجود انقباض کے (جو کم درجے میں ہے) ادائے معمولات میں بجائے دقت کے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابتدا کرنے میں تو تکلف کرنا پڑتا ہے اور اس کے بعد جہاں لگ گیا راحت ہی راحت میسر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو اجر جزیل وغیر متناہی عطا فرمادیں۔ شفقت اور تربیت کا آمین۔ حضرت والا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے انعامات عطا فرمائے ہیں۔ والسلام مع الاکرام خادم آثم محمد نجم احسن۔ وکیل پرتاب گڑھ اودھ۔ ۵ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

گیارھواں خط

جواب مرشد علیہ الرحمۃ	خط حضرت بابا صاحب
السلام علیکم	حضرت والا مدظلہم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' بہت دنوں کی غیر حاضری اور بڑی تمناؤں کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حاضری اور قرب ظاہر کی دولت نصیب ہوئی معلوم نہیں کتنے منصوبے دل میں تھے مگر جب خانقاہ میں قدم رکھا مبہوت اور

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
حیرت زدہ سا ہو گیا ہوں۔ بعض اوقات علاوہ فرض کے یہ سوچنا پڑتا ہے کہ سنت نماز اس وقت کتنی پڑھی جاتی ہے اور ذرا تکلف سے یاد پڑتا ہے۔ بہ ہر صورت ایک عجیب کیفیت ہمہ وقت دل پر طاری رہتی ہے جو نہ پورے طور سے سمجھ میں آتی ہے نہ بیان ہو سکتی ہے	یہ مبادی ہیں فنا کے اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت نصیب فرما دے۔
عریضۂ ہذا ایک مخصوص غرض سے پیش کر رہا ہوں کم و بیش ڈیڑھ برس ہوئے میری مجبوراً غیر حاضری کے تاسف پر حضرت والا نے ارقام فرمایا کہ تم آنا چاہتے ہو اور خرچ کی تنگی سے نہیں آسکتے ہو تو کسی سے قرض لے کر چلے آؤ۔ یہ پرچہ مجھے دکھا دینا میں تمہیں خرچ دیدوں گا دوسرے کو خبر بھی نہ ہوگی۔ میں نے اس ارشاد کے بعد یہ اجازت بھی لے لی کہ جب چاہوں حضرت والا کے اس ارشاد کا فائدہ اٹھاؤں۔	
یہ شانِ توجہ اور یہ شانِ کرم ایسی ہے کہ جس کے تصور سے دل میں ایک قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ والد مرحوم نے علاوہ اور محبتوں کے یہ محبت بھی کی کہ حضرت کے قدموں سے لگا گئے۔ اللہ تعالےٰ ان کے مراتب بلند کریں مگر میں تو واللہ یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ محبت	

جواب مرشد علیہ الرحمۃ	خط حضرت بابا صاحب
	ماں باپ میں بھی نہ پائی ۔ میری استدعا ہے کہ جس عنوان کے ماتحت اور جس انداز اور شرط سے حضرت والا پسند فرمائیں اس کو سوانح کے حصہ دوم میں جگہ مل جانا چاہیئے اگر حضرت منظور فرمائیں گے تو اصل ارشاد گرامی جن میں کچھ خصوصیت ہو وہ عریضے خدمت والا میں بھیجدونگا اور اگر اجازت ہو تو اپنی طرف سے بھی کچھ بطور تمہید عرض کروں اب جس طرح حضرت والا پسند فرمائیں ۔
آپ کو ہر طرح کا اختیار ہے محبت کا کوئی قانون نہیں لیکن ہر حال میں خواجہ صاحب اس سوانح کے مرکز ہیں ان کے پاس بھیجدیجئے پھر وہ مجھ سے مشورہ کر لیں گے ۔	
	اس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے دو گھنٹے پیشتر غیب سے حاضری کا انتظام فرما دیا حضرت والا یہ دعا فرما دیں کہ اکثر حاضری کا موقعہ نصیب ہو ۔ حضرت کے غلاموں میں قرب ظاہر سے محروم سب سے زیادہ شاید یہی نالائق ہے اگرچہ الحمد للہ قرب باطن ہر وقت نصیب ہوتا رہتا ہے ۔
اصل یہی ہے اور ظاہری قرب گاہ گاہ ہونا کافی ہے	
	آج شب میں یہ عریضہ بکس میں ڈالا جائے گا اور صبح ملاحظہ

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
سے گذرے گا اور اس کے بعد سہپر کی گاڑی سے واپسی ہو گی۔	خداتعالیٰ کے سپرد۔
حضرت اتنی اجازت دیں کہ چلتے وقت مصافحہ کے ساتھ دست بوسی بھی کرلوں۔	بسروچشم۔ بعد اذان ظہر
والسلام مع الاکرام خادم نجم احسن پرتاب گڈھی ۱۳؍ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ	

بارھواں خط

خط حضرت باباصاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
حضرت والا مدظلہم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے مدارج ہرآن وہرنفس تا ابد بڑھاتے رہیں۔ آمین۔ حضرت والا کے اس ناکارہ خادم کو اس ادب کا پورا احساس ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں جو عریضہ رقم کیا جائے اس میں اشعار نہ لکھنا چاہیئے عریضۂ ہٰذا میں کچھ اس ادب کی صورت خلاف ورزی ہو گئی مگر چونکہ اس کا سبب ایک واقعہ ہے اس وجہ سے اس قانون شکنی کی معافی چاہتا ہوں۔ واقعہ مبارکہ یوں ہے۔ یکشنبۂ گذشتہ گیارھویں ربیع الاول ۱۳۵۷ھ (اور بعض کی بنا پر بارہ ربیع الاول) کا دن گذر چکا تھا بعد مغرب اور قبل عشا کا وقت تھا شب کے ساڑھے سات	السلام علیکم

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
اور آٹھ کے درمیان۔ باہر مکان کے صحن میں پلنگ پر اُتّر رُخ لیٹا تھا اس طرح کہ منہ اور پانوں دونوں کا رخ شمال کی جانب تھا۔ بیٹھ کی طرف ایک چلتی پھرتی سڑک ہے ہر طرف آبادی ہے مختصر یہ کہ سناٹا بالکل نہ تھا۔ ایک صاحب چند قدم کے فاصلے پر ایک تپائی پر بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے خادم خاموش (مگر چند ہی منٹ سے خاموش) لیٹا تھا (اس سے پہلے ان صاحب سے کچھ بات چیت ہوئی تھی) دفعۃً خواجہ صاحب کے یہ اشعار کسی قدر آواز مگر ہلکی لیکن (اپنی بدصوت) ترنم آمیزی کے ساتھ پڑھنے لگا ؎	
چڑھی ہے کچھ ایسی کہ تیور تو دیکھو جواں آج پیرِ مغاں ہو رہا ہے تصور کی دیکھو تو معجز نمائی کہ مجھ پر تمہارا گماں ہو رہا ہے	
اشعار بالا دو ہی تین بار پڑھے تھے کہ حضرت والا کی صورتِ مبارک سامنے آگئی اس لباس میں جو دورانِ حاضری تھانہ بھون آغاز محرم الحرام ۱۳۵۷ھ میں جسم مبارک پر دیکھا تھا۔ اشعار بالا کی رَٹ زبان پر جاری ہی تھی کہ دفعۃً یہ نظر آیا کہ آسمان و زمین کے بیچ میں شمالی کنارے سے قریب جانب شمال میری	

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
جانب رخ کئے ہوئے مگر قدرے مائل بہ مغرب ایک تخت معلق ہے جس پر ایک کرسی غالباً چاندی کی رکھی ہے اور اس پر حضرتِ والا تشریف رکھتے ہیں مگر اب لباس جو جسم پر ہے وہ بالکل سفید ہے ایک آن کی آن مگر پوری اور بلا شبہ وضاحت کے ساتھ یہ سماں دیکھا پھر کیا دیکھتا ہوں کہ اب اسی انداز سے دوسرا تخت معلق ہے غالباً کچھ بڑا اس پر ایک شاہی کرسی درباری پہلے والی کرسی سے بہت نفیس ہے اس پر حضور آقا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لباس سفید میں جلوہ فرما ہیں اور حضور انورؐ (روحی فداہ) کے دونوں پائے مبارک کے درمیان یا داہنے پائے مبارک سے لگے ہوئے بہرصورت اُن پاک اور محترم قدموں سے لگے ہوئے حضرت والا بیٹھے ہیں بالکل اس شان سے جیسے کسی بادشاہ کے قدموں سے لگا کوئی شہزادہ بیٹھا ہو اور لباس حضرت والا کا بھی سفید ہے، شاہ اور شاہزادے غالباً دونوں کے فرق مبارک پر عمامہ ہے مگر حضرت والا ایک نوعمر لڑکے کی شکل میں ہیں غالباً پندرہ سولہ سال کی عمر ہیں۔ اور حضرت کے چہرہ کا رنگ حضور آقا روحی فداہ کے رنگ مبارک سے اشبہ ہے، ذرا سی دیر کے بعد یہ منظر پھر کہاں اور اشعار بالا کے دو مصرعے	

جواب مرشد علیہ الرحمۃ	خط حضرت باباصاحب
	بہ تبدل اس طرح اضطراراً بلا اس ہوش کے کب سے یوں پڑھ رہا ہوں مگر حقیقتِ حال کے مطابق زبان پر تھے
	تصور کی دیکھو تو معجز نمائی جواں آج پیرِ مغاں ہو رہا ہے
ایسے خواب پر ہزاروں بیداریاں قربان۔ کیا عجب کہ میرا بیڑا بھی پار ہو جائے۔	اگر اس ناکارہ کا دیکھنا دیکھنا ہو سکتا ہے تو اس خوش قسمتی پر الحمد للہ۔ اللہ تعالےٰ حضرت والا کو مبارک کریں اس خادم نے منجملہ اور اشعار کے یہ شعر کبھی کہا تھا
	؎ سرکارِ دو عالم کی معیّت ہو یہ ہر آن وہ درجۂ عالی مرے حضرت کو خدا دے
	الحمد للہ اس عالم میں تو دیکھ لیا اور انشاء اللہ پھر دیکھوں گا اور فضلِ الٰہی انتسابِ حضرت کی برکت اور سرکارِ رحمت عالم کی رحمت شاملِ حال رہی، امید ہے کہ انشاء اللہ رہے گی تو انشاء اللہ اس عالم میں بھی۔ والآخرۃ خیرٌ لک من الاولیٰ۔
	حضرت والا کو بہ درجات بمعیت حضور آقاؐ دیکھونگا والسلام مع الاکرام۔
	خادم محمد نجم احسن وکیل از پرتابگڑھ اودھ۔ ۲۷ مئی ۱۹۳۷ء ۱۵۔ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

تیرھواں خط

حضرت والا مدظلہم العالی ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
اللہ تعالیٰ حضرت والا کو شفائے کاملہ و عاجلہ عطا
فرمائیں اور صحت و عافیت کے ساتھ غلاموں کے
سرپر زمانۂ طویل تک سایۂ گستر رکھیں، آمین ثم آمین ۔
آج سولھواں دن ہے کہ حضرت والا کی حضوری سے
مشرف ہوکر واپسی ہوئی ۔ واپس آتے ہی علیل ہوگیا
اور ابھی تک سلسلۂ علالت ہے اور چونکہ آنکھوں میں
بھی قدرے تکلیف رہی اس سے اور بھی معذوری
ہوگئی ۔ مگر الحمد للہ اب ہر خلش میں کمی ہے ۔ حضرت کے
مزاج کی صحت کے آگے غلام اور ایسے غلام کی علالت
ہی کیا یہاں تو حضرت کے قدموں پر نثار ہوجانا زندگی
کی معراج ہے اللہ تعالیٰ حضرت کو قائم رکھیں دست مبارک
سے صرف کچھ ارقام فرما دیں چاہے صرف سلام یا صرف
دستخط ۔ اللہ تعالےٰ حضرت کو برفع درجات قائم رکھیں ۔

خادم نجم احسن
(وکیل) از پرتاب گڈھ ۔ اودھ
۱۱ ۔ رجب ۱۳۵۷ھ ۔ ۶ ستمبر ۱۹۳۸ء

جواب: السلام علیکم
خیریت سے ہوں ۔
دعا کرتا ہوں ۔

چودھواں خط

حضرت والا مدظلہم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحت وعافیت اور روز افزوں ترقی درجات ومراتب کے ساتھ سایہ گستر رکھیں۔ آمین۔

سب خیالات سے خالی الذہن ہو کے حسب استطاعت کام میں لگا ہوں۔ الحمد اللہ بفضلہ یاد اور کام اور معاصی سے بچنے کی کوشش میں ہر حال میں غفلت نہیں برتی جاتی مگر کبھی رویاں رویاں بیدار معلوم ہوتا ہے اور کبھی نہیں حالانکہ اختیاری اعمال میں تساہل نہیں ہوتی بس اس حالت میں جب بیداری نہیں معلوم ہوتی الجھن ہونے لگتی ہے مگر اس الجھن کی وجہ سے کام نہیں رکتا۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں

> پھر بجز تکلیف کے دینی مضر کیا ہے۔ سو خود تکلیف میں بھی ثواب ہے جس سے آپ گریز کرتے ہیں۔

اور حضرت والا کی ذات گرامی کو سلامت باکرامت رکھیں

والسلام مع الاکرام۔

خادم محمد نجم احسن وکیل از پرتابگڈھ اودھ

۴ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ

پندرھواں خط

حضرت والا مدظلہم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ
اللہ تعالیٰ حضرت والا کو سلامت باکرامت رکھیں۔
اور روزافزوں درجات و مراتب بلند فرماتے رہیں۔
آمین۔ اس خادم کو اب یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کی حالت
اُس سگ کی سی ہے جو مالک کے دروازے بندھا ہے
روٹی کا سہارا ابھی اُسی در سے ہے ہانکا جائے مارا جائے
تو بھی نہ بھاگے گا اور محض اسی لئے کہ روٹی ملے گی۔ یہ بھی
احساس ہے کہ یہ در میرے آقا اور میرے محسن کا ہے۔
اگر کچھ خدمت کرتا ہے تو اپنے کو مستحق انعام نہیں سمجھتا خائف
بھی رہتا ہے اور لطف و کرم کی توقع بہ درجۂ یقین رکھتا
ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو جزائے خیر عطا فرمائیں زندگی
کا سہارا اور زندگی کا لطف اللہ تعالیٰ کے فضل کی امید اور
حضرت سے انتساب کی بدولت کہاں تک اور کیا کیا
دعائیں حضرت کو دوں۔ والسلام مع الاکرام۔

خادم محمد نجم احسن
وکیل از پرتاب گڑھ اودھ
۲ رجمادی الاخریٰ ۱۳۵۰ھ

جواب مرشد علیہ الرحمۃ:

السلام علیکم

گرچہ تفسیر زباں روشن گر ست
لیک عشق بے زباں روشن تر ست

جواب مرشد علیہ الرحمۃ	خط حضرت بابا صاحب

سولھواں خط

حضرت والا مدظلہم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحت و عافیت اور فیض گستری
کے ساتھ اپنے پسندیدہ راستے پر قائم رکھے اور درجات
ومراتب روزافزوں بلند ہوتے رہیں۔ آمین ثم آمین
ماہ مبارک سے پہلے جو علالت ہوگئی تھی شاید اُسی سے
امسال صوم میں کلفتِ جسمانی اور ضعف نمایاں طور پر
محسوس ہوا مگر تحمل کی قوت اور ہمت عطا ہوجانے سے
سکر وشکر کی حالت ہوگئی اور ہے آج تلاوتِ کلام پاک
کے دوران میں یہ خیال آیا کہ الحمد للہ اب میرے دل میں
شائبۂ شک بھی نہیں اور یقین ہے اور پورا یقین۔ اس
خیال کے ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے نہ جانے کیا مشاہدہ
کرادیا گیا جس سے اور بھی یقین اور یقین پر اطمینان محسوس
ہوا۔ اب تلاوت میں ایک خاص حلاوت آگئی پڑھتے
ہی میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے اور میرے
ایمان میں اب کوئی فرق نہیں مجھے بھی اُسی اور صرف اسی کا
سہارا ہے اور صرف اُسی پر میری نظر ہے اس خطرہ سے
کانپ گیا۔ کہاں حضرات صحابہؓ کہاں ۱۳۵۸ ہجری کا
ایک گندہ اور میرا ایسا گندہ بندہ۔ اب ڈر پیدا ہوگیا

جواب: السلام علیکم

جواب مرشد علیہ الرحمۃ	خط حضرت بابا صاحب
	کہ مان لیا یقین حاصل ہے لیکن اگر شک اور ریب پیدا ہو جائے تو بہ استغفار۔ التجا اور تفویض میں چارۂ کار دیکھا۔ پر حضرت والا (قربانت شوم) کی برکت سے بات تو یہی ہے کہ باوجود خوف کے اس ناکارہ کو اطمینان ہے اور بلا کا اطمینان اور فضل اور صرف فضل پر بھروسہ بہ ایں یقین کہ ضرور ان کا فضل شاملِ حال ہوگا۔ انا عند ظن عبدی بی۔
یہ سب حالات ہیں ان میں تغیر و تبدل ہوا کرتا ہے کسی طرف التفات نہ چاہیئے۔ کام میں لگا رہنا چاہیئے	والسلام مع الاکرام۔
	خادم آثم محمد نجم احسن وکیل از پرتابگڑھ اودھ۔ ۸ رمضان المبارک ۵۸ ۱۳ھ

سترھواں خط

جواب مرشد علیہ الرحمۃ	خط حضرت بابا صاحب
السلام علیکم	حضرت والا مدظلہم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو بہ صحت و عافیت و بہ روز افزوں ترقی درجات و مراتب زمانۂ دراز تک قائم رکھیں آمین۔ ثم آمین۔ اپنی ایک حالت پر بہت دنوں سے غور کرتا ہوں اس میں کمی نہیں زیادتی ہے وہ یہ کہ تمام صالحین کو بشمول منتسبین حضرت والا عموماً یہ دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرے سے طالب دعا ہوتے ہیں مگر میرے مُنہ سے

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
یہ بات نہیں نکلتی صرف حضرت والا سے تو طالب دعا ہوتا ہوں اور بس۔ اور کسی سے کبھی کہا تو زبان ہی سے۔ دل سے نہیں۔ البتہ خود سو سو طرح سے دیر دیر تک اپنے لئے دوسروں کے لئے ہر قسم کی دین دنیا کے متعلق جائز دعائیں کیا کرتا ہوں اور فضل کے بھروسہ پر یقین قبول ہوتا ہے بلکہ جب تک دعا نہ کر لوں چین ہی نہیں آتا۔ دوسرے سے طالب دعا ہونے پر شبہ ہوتا ہے کہ اپنے ہی کو کافی سمجھ لیا یا اپنی حالت کو ٹھیک سمجھ لیا۔ اگر یہ حالت درست نہیں ہے تو اس کو بہ جبر بدل دوں۔ جیسا حضرت والا تجویز فرمائیں۔ والسلام مع الاکرام۔	یہی اولیٰ ہے کہ بدل دیا جائے،
خادم نجم احسن وکیل	
از پرتاب گڑھ اودھ۔ ۷ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ	

اٹھارواں خط

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
حضرت والا مدظلہم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،	السلام علیکم
اللہ تعالےٰ حضرت والا کے درجات و مراتب روز افزوں بلند فرمائیں اور ذات گرامی کو بہ صحت و عافیت زمانۂ دراز تک قائم رکھیں آمین ثم آمین۔ امسال ماہ مبارک میں ضعف بربنائے ہموم بہت زیادہ رہا اور ایک ہفتہ سے	

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
بھائی مرحوم کے متعلقین کی ضروریات دیکھ کے اور اپنے کو ان کی خدمت و اعانت سے معذور دیکھ کے طبیعت بہت زیادہ مغموم تھی۔ کل صبح کو قبل نماز فجر اور بعد سحر دل میں یوں آیا کہ جب مالک حقیقی نے تیرے واسطے غم ہی پسند کیا ہے تو تیرے دل میں غم کا غم کیوں ہے۔ اس سے قلب کو بہت سکون ہو گیا اور طبیعت ان غموں اور فکروں پر گویا راضی ہو گئی۔	اللہ تعالیٰ خوش فہمی اور استقامت میں ترقی فرماوے۔
کل ہی بعد عصر افطار سے پون گھنٹے پہلے بالکل تنہا بیٹھا تھا معمولات سے فراغت ہو چکی تھی نہ جانے کیسے ایسا معلوم ہوا کہ آنکھیں بند کر دی گئیں اور ایک عجیب عالم میں پہنچ گیا۔ دیکھتا ہوں کہ ایسی جگہ کی سیر کر رہا ہوں جو جنت ہے سبزہ زار ہے۔ درخت ہیں اور نہر جاری ہے نہر بھی خاص انداز کی۔ اس میں سے مچھلیاں اچھلتی ہیں اب یہ سوچا کہ جنت میں تو خواہش پر ہر چیز سامنے آتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی دیکھتا ہوں کہ اُسی نہر میں سے کئی نہایت خوبصورت مچھلیاں زعفرانی رنگ کی مُسلّم مگر پختہ اور اس میں سے ایک مچھلی نہایت سفید ظرف میں سطح آب سے اُٹھ کر میری طرف آئی بڑی خوشبو اس میں ہے اور چاندی	

جواب مرشد علیہ الرحمۃ	خط حضرت باباصاحب
	کے سے پیچھے اسپر جھٹکے ہوئے ہیں میں نے کھائی تو نہیں مگر یہ خیال آیا کہ جنت کے درختوں کے اوراق پر دیکھوں کیا کیا لکھا ہے نظر آیا کہ بڑے بڑے درخت ہیں۔ چمک رہے ہیں اور پتوں پر سبحان اللہ تحریر ہے۔ اس کے بعد وحورعین کامثال لولوءالمکنون۔ الفاظ قرآنی دل یا زبان پر جاری ہوتے اور ایک طرف حوران بہشتی متبسم ہیں مگر موتی سے زیادہ چمکدار کچھ وقفے تک یہی سیر رہی بیدار تھا ہی آنکھ کھل گئی تب بھی وہی منظر۔ پھر بند ہو گئی وہی منظر مگر اب یہ سوچا کہ جنت تو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت واتباع سے مل سکتی ہے اور اتنے میں اُسی زمان ومکان میں یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفید چادر زیب تن کئے ہوئے بلندی سے اسی زمین پر نزول فرمایا۔ ریش مبارک سیاہ ایک موئے مبارک شاید سفید تھا۔ خط تازہ بنا ہوا چشمان مبارک اور چہرہ پاک کا حال عرض نہیں کرسکتا۔ البتہ لب ہائے مبارک سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ صائم ہیں۔ اس کے بعد میری سماعت میں یہ الفاظ آئے کہ "حضرت مولانا کی سرگردی" اب زمان ومکان کی صورت یہ ہے کہ ہے تو وہی مگر دائرہ محدود ہو گیا اور ایسی جگہ ہے جیسے کسی پھاٹک کے سامنے موٹر کھڑا کرنے والوں کے لئے جگہ ہو حضرت بھی بلندی سے اتر کر اسی جگہ پر ایک طرف کو کھڑے

خط حضرت بابا صاحب	جواب مرشد علیہ الرحمۃ
ہوگئے اب حضرت کے منتسبین آرہے ہیں سب سفید پوش اور مسکراتے ہوئے اور حضرت کی نگہ مبارک کے سامنے محل میں داخل ہو رہے ہیں اور ان ہی میں میرا مرحوم بھائی بھی ہے اور یہ بھی دیکھا کہ ایک طرف کو خواجہ صاحب کھڑے ہیں۔ لاأبالی انداز میں۔ مگر اتنے طویل القامت ہیں کہ طول قامت برا نہیں معلوم ہوتا مگر سب حاضرین سے زیادہ لمبے اور بڑے ہیں۔	مبارک ہزار بار مبارک میرے خیال میں یہ دولت تفویض کی بدولت میسر آئی ہے۔
اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات و مراتب روزافزوں بلند فرمائیں اور حضرت کی جوتیوں کے طفیل اس ناکارہ کی بھی مغفرت فرمائیں اور جنت میں حضرت کے محل کی خاک روبی ہی نصیب ہو جائے آمین والسلام مع الاکرام خادم محمد نجم احسن وکیل از پرتاب گڈھ اودھ۔ ۲۱۔ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ	اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمائے۔

بابا صاحب نے فرمایا کہ جس دن میرے پاس وہ خط پہونچا اور میں نے پڑھا جس میں حضرت نے مجھے اجازت دی تھی تو مجھے سخت حیرت ہوئی اور میں بہت دیر تک زار زار روتا رہا۔ بابا صاحب کے اس خط کا عکس ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ وھو ہذا۔

۷۸۶

از یتیم گڑھ

وعلیکم السلام

حضرت والا مدظلہم العالی ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ حضرت والا کو بہت بہت زمانے تک بسلامت باکرامت رکھیں اور حضرت والا کے درجات اور مراتب بلند فرماتے رہیں آمین ثم آمین

اس زمانے میں مختلف قسم کے ترددات رہی جس سے دو دن کچھ معمولات کی ادائگی میں ناغہ ہوگیا۔ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ اس نالائق کی کوتاہ عملی کا کفارہ اللہ تعالیٰ ابتلا کے ذریعے سے ادا کرا دیتے ہیں اگرچہ اُس رحمٰن و رحیم کا مہربانی بے نہائت ہی۔ بدعملی اور کوتاہ عملی کے برابر ابتلاات بھی نہیں ہوتے ورنہ شاید اس نعمت کی بھی برداشت نہو سکے۔ باوجود ترددات قلب کو حضرت والا کی توجہات اور تعلیمات کے طفیل جو تعلق اللہ تعالیٰ سے حاصل رہا اُس نے یہہ نکتہ آئینے کی طرح روشن کر دیا کہ دین

سے تو محرومی رہتی ہی حیات دنیوی بھی عذاب جان اور بے انتہا

تلخ ہو جاتی اگر حضرت والا سے انتساب کا شرف نہ حاصل ہوتا

امور دنیوی میں اگرچہ امور دیکھتا ہوں تو اپنی حالت سابقہ میں

اور اب میں زمین آسمان کا فرق پاتا ہوں تب راحت کی تلاش میں

کیا کیا نہ کرتا تھا اور راحت سے بُعد ہی رہتا تھا اور اب سادگی اور بے تکلفی

کے تحت بھی کشادہ نہیں ہے مگر عجیب راحت اور آرام حاصل ہے جیسے

قید سے نجات مل گئی —

ہر حُسن عمل کی طلب اور خواہش بلکہ ایک گونہ حرص اس خادم کے

دل میں موجود ہے مگر نالائقی سے ہوتا نہیں اور جب کامل نہ ہونے کو دیکھتا ہوں

تو جو کچھ ہوتا ہے اُس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت سمجھتا ہوں

یہ بھی نہ ہوتا تو کیا ہوتا —   غصہ اس خادم کے مزاج میں بہت تھا اور

ہوگا تو اب بھی مگر اب اُس کے تقاضا پر عمل اکثر نہیں ہوتا اور ضبط کر لیتا ہوں

اپنے ضبط پر حیرت ہوتی ہے اور جس حد تک اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے

اُس کے شکر سے دل معمور ہے —

کوئی مجھے بُرا کہتا ہے تو فوری تو بہت رنج ہوتا ہے مگر پھر سوچنے اور کہنے سے

کم ہو جاتا ہے بُرا کہنے والے یا بُرائی کرنے والے سے انتقام لینے کی نیت نہیں ہوتی

بلکہ بعض اوقات دل پر جبر کر کے اُس کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں مگر پھر بھی

اُسکی طرف سے ایک کھٹک سی دل میں باقی رہتی ہی بعض اوقات
اگر بُرائی کرنے یا کہنے والا اپنا بھائی مسلمان ہوتا ہے تو باوجود معاملہ
اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے کے کمبخت شیطان ایک اس خیال میں
پھنسا دیتا ہے کہ میاں مسلمان ہی اللہ تعالیٰ اسکو معاف ہی کر دیں گے
اور تجھ اس سے فارغ ہو جائے گا مگر یہ خیال بہ کھٹک کے دور ہونے کی
ابتدا ہو جاتی ہی کیونکہ تب میں یہ اہتمام استغفار اور توجہ خیال دوسری جانب
کر لینے پر متوجہ ہو جاتا ہوں اور بروسہ سے اللہ تعالیٰ نجات دیدیتے ہیں
سب دینی دُنیوی راحتیں اور سعادتیں حضرت کے طفیل میں اللہ تعالیٰ
حضرت کو سب کچھ دیں اور بھرپور دیں آمین ثم آمین -

چند روز ہوئے جمعہ کی نماز کے وقت سنت کے بعد اور خطبہ شروع ہونے سے
پہلے بلا اپنے ارادے کے اللہ تعالیٰ کا تصور بندھ گیا مجھ کچھ ایک ربودگی
سی پیدا ہو گئی ایسا معلوم ہوا کہ جیسے میں غائب یا معدوم ہو گیا پھر ساری
کائنات غائب یا معدوم ہو گئی اور ایک بے حد و بے نہایت روشنی
ظاہر ہوئی جیسے اُسکے سوا کچھ اور ہے ہی نہیں محسوس ہوئی اتنے میں خطبہ کی تیاری
ہوئی دیکھتا ہوں تو نمازیوں کے ساتھ بیٹھا ہوں ایک آن کی آن ایسا معلوم ہوا
جیسے کہیں اور سے آیا ہوں پھر کچھ نہیں اتنے میں غالباً خطبہ شروع کیا

اللہ تعالیٰ حضرت والا کی محبت عطا فرمائیں اور

باباصاحب نے فرمایا کہ حضرت کی تجدد کی شانوں میں ایک شان یہ بھی ہے کہ حضرت نے ایک سلسلہ مجازین صحبت کا یعنی مجازین تعلیم و تربیت بلابیعت کا جاری فرمایا۔ یہ تجدد حضرت کا اپنے تاریخی پس منظر اور اپنی سرّی اور باطنی نوعیت میں عجیب انداز رکھتا ہے۔ کراچی آنے کے بعد تحریری اور زبانی اجازت مجھ کو حضرت کے وابستگان سے بیعت کی بھی ملی اور بعض بزرگوں کا یہ اصرار بھی ہوا کہ تم بیعت ضرور کیا کرو۔ میں نے اس اجازتِ بیعت کو نیک گمان اور نیک فال کی حیثیت سے بڑی دولت تصور کیا اور یقیناً اس کو بڑی دولت سمجھتا ہوں۔ مگر میں نے یہ قطعی ارادہ کرلیا ہے کہ جو اجازت خود حضرت نے دی ہے۔ اس کو سب سے بڑی دولت سمجھوں گا۔ اور اس پر عملاً اضافہ نہ کروں گا۔ حضرت کی اجازت میں جو برکت ہے یا ہوگی اس کے تقریباً یقینی ہونے میں شبہ نہیں۔ اور اس کے بعد تو۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

بس دیوانہ باش خود ہی گنج گراں مایہ ہے۔ اس شعر کو میں اپنے لئے یوں پڑھتا ہوں ؎

احسن تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

یہی وجہ ہے کہ باباصاحب نے کسی کو بیعت نہیں کیا۔

باب: ۱۲

کیفیات کا ورود

حضرت فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ میں سراپا کیف تھا۔
اب میں فرض نماز پڑھ رہا ہوں امام کے پیچھے اور دیکھ رہا ہوں بلا ارادہ
کہ میرا سینہ کھلا ہوا ہے۔ دل کو بھی اپنے دیکھ رہا ہوں، اس کا منہ بھی دیکھ
رہا ہوں وہ کہہ رہا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ اور میں نماز
ہی میں دل ہی دل میں کہہ رہا ہوں نعوذ باللہ یا اللہ یہ کیا چیز ہے۔ اور یہ اطمینان
تھا کہ زبان تو نہیں کہہ رہی ہے۔ تین بار دل نے یہی دہرایا۔ میں نے
حضرت کو لکھا۔ جواب آیا کچھ نہیں۔ کوئی توجہ بھی نہ کرو۔ یہ تمہارا فعل تو
ہے نہیں۔

ایک دوسرا موقع بھی ایسا ہی آیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک
بزرگ فرماتے ہیں کہ مولانا اشرف علی علیہ السلام کو جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے ایک خاص مناسبت ہے۔ میں نے حضرت کو لکھا تو حضرت
نے علیہ السلام کو کاٹ کر لکھ دیا سلمہٗ کا مترادف ہے۔

حضرت بابا صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ پر سب گذر چکی ہے۔ ایک زمانہ تھا
کہ میں چل رہا ہوں۔ اور کوئی ساتھ نہیں ہے دیکھا وہ چلے جا رہے ہیں حضرت!

ہے ریاضؔ ایک رندِ مست خرام
نہ پیئے اور جھومتا جائے

حضرت فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک عجیب واقعہ گذرا ہے۔ اور دیکھئے
کوئی مانے یا نہ مانے اور مجھے ضرورت بھی نہیں منوانے کی۔ سال چھ مہینے مجھے

ایسا معلوم ہوا کہ میں جا رہا ہوں تو کوئی چیز میرے ساتھ چل رہی ہے۔ وہ کیا تھا۔ وہ گناہ تھا۔ میں نے کہا کہ چل کیا کرے گا میرا۔ جب بھی مجھ کو یہ محسوس ہوتا تو میں کہتا تیری ایسی کی تیسی۔ میں تجھ کو چلنے تھوڑا ہی دوں گا۔ یہ خیال میرے دل میں آنے کے ساتھ ہی وہ بھاگ جاتا۔ اس پر میں نے اس زمانے میں کچھ شعر بھی کہے تھے۔

زندگی بے گناہ کیا معنی
درد اور بے کراہ کیا معنی

یعنی خطا ہوئی کھٹ سے توبہ کرلی۔ چل اب کیا کرے گا۔ حضرت گناہ تو بڑے خوش ہوئے کہ ہم نے اس شخص سے گناہ کرا لیا۔ ہم نے کہا۔ ابے جا۔ تھو تیرے منہ پر۔ روتا ہوا چلا گیا۔

باب ۱۳ :

شعر و سُخن

حضرت بابا صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ کو طالب علمی ہی کے زمانے میں بلکہ جب سے ہوش سنبھالا تب ہی سے شعر و سخن سے دلچسپی تھی۔ ماحول میرا ایسا تھا جہاں شعر و سُخن کا بہت چرچا تھا۔ اور میں شعر اردو، فارسی دونوں میں کہہ لیتا تھا۔ چنانچہ انگریزی سے فارسی بنانے کے پرچے جب آتے تھے تو میں نظم کا ترجمہ نظم میں کر لیتا تھا۔ اور نثر کا نثر میں۔ اتنی مشق تھی کہ قلم برداشتہ لکھتا تھا۔ شاعری سے ایسی مناسبت تھی کہ بلا کوشش پوری پوری نظمیں یاد ہو گئیں۔

کچہری میں بھی اس زمانے میں بہت کام تھا۔ دن بھر کام کرتے اور مغرب کے

وقت سے لے کر بارہ بجے رات تک شعر و سخن کی مجلس لگتی تھی۔ مگر ایک بات ہے کہ اللہ کا احسان تھا کہ نماز وغیرہ میں خلل نہیں پڑتا تھا۔ جیسے کوئی آدمی کھانے کے بغیر جی نہیں سکتا ویسا ہی اللہ کا شکر ہے کہ میں نماز کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

حضرت بابا صاحب کے اشعار بڑے عارفانہ ہوتے ہیں جن سے تصوّف کی بڑی بڑی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں، بہت سوں کی بند ترقیاں کھل جاتی ہیں۔ بہت سوں کی ٹوٹی ہمتیں بندھ جاتی ہیں۔ بہت سے ڈگمگاتے قدموں کو ثبات و سہارا مل جاتا ہے۔ بہت سے ضعیف الطلب قوی الطّلب بن جاتے ہیں۔ بہت سے سوتے دماغ بیدار ہو جاتے ہیں۔ بہت سوں کو خیالات کی تاریکی سے نجات مل کر روشن خیالی میسر آجاتی ہے۔ بہتوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ اللہ جلّ و علیٰ سے جڑ جاتا ہے۔ اور نسبت مع الحق کی دولت مل جاتی ہے۔

یوں تو حضرت بابا صاحب کے کلام کا ذخیرہ بہت زیادہ ہے جو اگر اللہ کو منظور ہوا تو وقت پر چھپے گا۔ نمونے کے طور پر کلام کا کچھ حصّہ پیش کرتا ہوں۔

نکتۂ لطفِ نہاں اک دن عیاں ہو جائیگا — آج ہے نامہرباں۔ کل مہرباں ہو جائے گا
پھر کہاں پائیں گی۔ یہ لذّاتِ محرومی مجھے — ہائے وہ نامہرباں جب مہرباں ہو جائے گا
ہم سمجھتے ہیں جفا اک نسبتِ مستور ہے — وہ سمجھتے ہیں وفا کا امتحاں ہو جائے گا

کسی کو کچھ کسی کو کچھ مِلا ہے — مجھے اپنے لئے پیدا کیا ہے
کسی کو آل کی دولت ملی ہے — کسی کا مال کی چاہت میں جی ہے
کسی کو کچھ کسی کو کچھ دیا ہے — خوشا قسمت مجھے وہ خود ملا ہے

تو مجھے چھوڑ دے تری مرضی — میں تجھے چھوڑ دوں خدا نہ کرے
تجھ کو ہو دشمنی وفا سے تو ہو — مجھ کو اللہ بے وفا نہ کرے
نہ کرے وہ کبھی وفا نہ کرے — میں وفا چھوڑ دوں خدا نہ کرے

احسن تری اس شوخیٔ ارشاد کے قرباں — ہم تم سے خفا ہوں گے مگر تم نہ خفا ہو
اس خوف سے ہے شوق مرا لرزہ بہ احساس — ہو جائے مرا عشق اگر حسن تو کیا ہو

" فرمایا یعنی کیسے حق ادا کر سکیں گے"!

اللہ مرے عشق کی دولت مجھے مل جائے — کرنا ہو عطا حسن تو دشمن کو عطا ہو

فرمایا حضرت ابوبکرؓ سے دریافت کرتے کہ نبی ہونا پسند کرتے ہو یا حضورؐ کے صحابی ہونا۔ اور رہنا تو آپ ہرگز نبی ہونا پسند نہ فرماتے۔

گستاخ نہ سمجھو تو کروں عرض ادب سے — میں چاہتا ہوں حسن کو تم عشق کو چاہو

" فرمایا مقصد صرف اتنا ہے کہ میری طرف ایک نظر ہو جائے"!

فرمایا کہ تھانہ بھون کی پہلی حاضری میں حضرت کی ایک کرامت ظاہر ہوئی تھی جس کا تفصیلی ذکر باب "پیر و مرشد سے تعلق" میں گذرا۔ اس میں حضرت نے جو مشفقانہ باتیں کیں اور مسکرائے، اس پر یہ شعر کہا تھا ؎

ہونٹوں کا تبسم یاد آیا، آنکھوں کا تبسم یاد آیا
آواز کے نغمے یاد آئے، لہجے کا ترنم یاد آیا

بابا صاحب نے فرمایا۔ حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر انسان پر ایک کیفیت طاری ہوتی تھی۔ پر کیف باتیں ہوتی تھیں۔ انھیں باتوں کے اندر اگر کوئی آیا اور اس نے کوئی غلطی یا بے ڈھنگا پن کیا تو اس کو اس پر فوراً تنبیہ ہوتی تھی یہی ہوا نازوں کا تکلم! ؎

مخمور ہوائیں یاد آئیں، پرکیف فضائیں یاد آئیں
باتوں کی شرابیں یاد آئیں، لہجہ کا ترنم یاد آیا

فرمایا یہ تو حضرت کی ایک شان تھی کہ ہر شخص کو آپ کہتے تھے، بے تکلفی میں تم بھی کہتے تھے۔ اسی پر کہا ہے کہ ؎

جلوت میں تکلف کی شانیں ہر بات میں کہنا آپ مجھے
خلوت میں نرالی آن سے اُف کہنا وہ مجھے تم یاد آیا

فرمایا ایک مرتبہ خانقاہ میں خالی وقت تھا کسی کی حاضری کا نہیں تھا۔ کوئی تھا نہیں۔ میں گھبرا کر حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اور حضرت کے پاس بیٹھ کے رونا شروع کیا فرمایا حضرت نے۔ کیا ہے کیا ہے۔ میرے مُنہ سے کچھ نکلا ہی نہیں بجز اس کے حضرت! حضرت! فرمایا۔ یہ آپ کی محبت ہے۔ آپ کی محبت ہے اسی پر یہ شعر کہا ہے ؎

قدموں پہ وہ میرا گر جانا وہ ان کا تبسم فرمانا
ہاتھوں سے اٹھا کر پیار سے اُف کہنا وہ مجھے تم یاد آیا

بابا نے فرمایا میری ہمیشہ یہ کیفیت تھی کہ میں حضرت کے سوا دوسرے کو دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اور مثل ستارا میں حضرت کی خدمت میں غائب ہو جاتا تھا اس میں ایک اور واقعہ کی طرف اشارا ہے۔ جہاں میری نشست حضرت نے مقرر کردی تھی وہاں پر ایک دن ایک اور صاحب آکر بیٹھ گئے۔ میں ذرا آڑ میں پڑ گیا۔ دفعتاً حضرت کو خیال آیا تو پوچھا وکیل صاحب کہاں ہیں۔ وہ تو دن میں نظر ہی نہیں آتے، میں نے کہا حضرت میں حاضر ہوں۔ حضرت مسکرائے۔ اسی پر یہ شعر کہا ہے ؎

اس بزم میں میں بے ہوش نہ تھا پھر بھی مجھے کچھ بھی ہوش نہ تھا
وہ محو سا میرا ہو جانا جوں روز میں انجم یاد آیا

فرمایا ہر وقت یہ خیال لگا رہتا تھا کہ حضرت یہ جو مجھ پر کرم فرما رہے ہیں معلوم نہیں کہ میں اس کے قابل ہوں یا نہیں۔ یا محض میری دل دہی کے لئے فرما رہے ہیں اسی پر میں نے کہا ہے ؎

کس طور سے آتا ہائے یقیں[1] وہ اور مجھ ایسے پر یہ کرم
وہ پیار میں ڈوبی ان کی نظر وہ اپنا توہّم یاد آیا

فرمایا ہوتا یہ تھا کہ مجلس میں میں کبھی بولتا نہ تھا۔ بھلا مجال کیا تھی۔ لیکن اگر بلوا دیا تو پھر چہکتے تھے ہم ؎

وہ ہائے تحیّر مستی کا وہ مہر بلب سا ہو جانا
اس بزم میں اپنا لے احسؔن ہو جانا وہ گم یاد آیا

فرمایا یہ جو میرا شعر ہے ؎

محمد کا اللہ ہے میرا رب مرا رب محمد کا اللہ ہے

اس شعر میں بظاہر الفاظ کو دہرایا گیا ہے مگر یہ واقعہ نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ پہلے تو یقین ہے الوہیت کا کہ ہم کس اللہ کو مانتے ہیں جس کی ذات وصفات کچھ سمجھ میں نہیں آسکتی۔ بس اس طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ وہ اللہ جس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جس کو انھوں نے اللہ کہا ہے۔ اور دوسرے مصرعے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ اکبر میرا رب ایسا ہے کہ محمد جیسی بے نظیر ہستی کا رب ہے۔

فرمایا کہ میرے اس شعر کا مضمون ؎

---

[1] اکثر مقامات ایسے ہیں جہاں اشعار کئی کئی بار آئے ہیں۔ حضرت باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو کا انداز ہی یہی تھا۔

محمد کا اللہ ہے میرا رب ‌ ‌ ‌ میرا رب محمد کا اللہ ہے

ہمارے حضرت کے ان اشعار کے مضمون سے ملتا جلتا ہے۔

نہ بہ شعر شاعر خوش غزل۔ نہ بہ نثر ناثر بے بدل

بہ غلامیٔ ربِّ عز و جل و بہ عاشقیٔ نبی خوشم

جو ہمارے حضرت نے جگر مراد آبادی کے اس شعر کے جواب میں لکھا تھا۔ حالانکہ اس وقت ہمارے حضرت علیل تھے ؎

بہ شرورِ تشنہ لبی خوشم

بہ فسردۂ عنبی خوشم

فرمایا حسرت کا شعر ہے ؎

بے زبانی ترجمانِ شوق بے حد ہو تو ہو

ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

میں نے ایک لفظ بدل دیا ہے ؎

بے زبانی ترجمانِ شکر بے حد ہو تو ہو

ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

فرمایا میرے چند اشعار ہیں ؎

نہ پوچھو کیا قیامت ڈھا رہا ہے ‌ ‌ ‌ وہ دیکھو مسکراتا آرہا ہے

محبت کا ادب سکھلا رہا ہے ‌ ‌ ‌ وہ کیا بے فائدہ تڑپا رہا ہے

نظر سے دور ہوتا جا رہا ہے ‌ ‌ ‌ وہ جتنا پاس بڑھتا آرہا ہے

میں بازو آزمانے جا رہا ہوں ‌ ‌ ‌ وہ تلوار آزمانے آرہا ہے

فرمایا کہ غالب کا شعر ہے ؎

سیکھے ہیں خوں کے لئے ہم مصوری ‌ ‌ ‌ تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیئے

یعنی ہم نے مصوری اس لئے سیکھی ہے کہ محبوب بھی کبھی تصویر کھچوانے آئیگا تو اس سے ملاقات ہو جائے گی۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے جو ہم کو حاجتیں دی ہیں یا دیتے ہیں تو ان کی نعمتیں ہیں کہ حاجت پوری کرنے کے بہانے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ یہی تقریب بہر ملاقات ہو جاتی ہے

فرمایا کہ غالب نے کہا تھا۔ غم عشق گر نہ ہوتا۔ شعراء عشق کو غم کہتے ہیں مگر اس بندۂ ناچیز سے یہ کہلایا گیا ہے۔

عشق کو غم کہا نہیں جاتا　　　شہد کو سم کہا نہیں جاتا
کون ہے ان کے جاں نثاروں میں　　　ہم سے تو "ہم" کہا نہیں جاتا
دل کے حق میں دعا کریں کیونکر　　　درد ہو کم کہا نہیں جاتا
ایسی جب زلف کی بہاریں ہوں　　　اس کو برہم کہا نہیں جاتا
عشق کی اصطلاح میں احسنؔ　　　غم کو بھی غم کہا نہیں جاتا

فرمایا کہ چھوڑدو یار شعر و شاعری کو۔ ہم کو تو کیفیت میں مزہ ہے۔

فرمایا میرا شعر ہے ؎

جی چاہتا ہے ہم کو بھی یہ شان ہو عطا
ہم روٹھ جائیں ہم کو منایا کرے کوئی

فرمایا کہ ذرا نماز قضا کر کے دیکھو تو پتہ چلے گا۔ جب تک ادا نہ کر و گے چین نہ آئے گا۔ اجی وہ ہم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ پس وہ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی توبہ کرے اور ہم جھٹ سے قبول کریں۔ یہی تو ہے منانا۔ مگر ہمیں احساس ہی نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب بابا صاحب کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے پہلے ایک شعر اپنا، پھر دوسرا کسی اور کا سنایا۔

دوسرے کا شعر یہ سُنایا۔

پہلا سا وہ خیال وِنگاہِ کرم کہاں
بندہ نواز آپ کہاں اور ہم کہاں

اپنا شعر یہ سُنایا۔

نہ یہ مے کش ہی ہوں گے اور نہ یہ جام و سبو ہونگے
کوئی دم کا ابھی ہے یہ رنگِ محفل دیکھتے جاؤ

پھر بابا صاحب نے اپنے یہ دو شعر سُنائے۔

تمام عمر تڑپنا ہے موج مضطر کو
کہ اس کا رقص پسند آگیا سمندر کو

اس کا پتہ کسی سے نہ پوچھو بڑھے چلو
فتنہ کس جگہ پہ تو ہو گا اٹھا ہوا

فرمایا کسی نے تضمین کی ہے۔

کوئی اہلِ دل آج با چشم پُر نم — یہ کہتا تھا بکتے ہیں بازار میں ہم
جو تو مشتری ہو تو اے جانِ عالم — بہ تیغ ادائے تو سر می فروشم
بہ نوکِ سنانت جگر می فروشم

فرمایا کہ زوالِ بغداد پر (معلم اخلاق مشرق) شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرثیہ کہا تھا۔ چند اشعار یاد رہ گئے ہیں ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں — بر زوالِ ملک مستعصم[1] امیر المؤمنین
اے محمد گر قیامت را برآری سر ز خاک — سر بیا در ویں قیامت درمیانِ خلق بیں

---

[1] خلفائے بنو عباس میں سینتیسواں خلیفہ مستعصم باللہ جو مؤید الدین ابن علقمی کی ریشہ دوانیوں کی بنا پر بہ تیغ ظلم شہید ہوا اور اسی پر خلافت بنو عباس کا خاتمہ ہو گیا۔

خونِ فرزندانِ عمِّ مصطفےٰ شد ریختہ　　ہم برآں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں
نازنینانِ حرم راخونِ حلقِ نازنیں　　داستاں بگذشت ما را خونِ دل از آستیں
زینہار از دورِ گردوں وانقلابِ روزگار　　گرخیالے کس نگشتے کاں چناں گردد چنیں

پھر مجذوبؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

نہیں کرتے ہیں وعدہ دید کا وہ حشر سے پہلے
دلِ بے تاب کی ضد ہے ابھی ہوتی نہیں ہوتی

فرمایا غالب نے معشوق کے لئے کہا ہے مگر وہ ہمارے اوپر چسپاں ہوتا ہے۔

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کرکے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

فرمایا کہ ایک مجلس میں میں نے خواجہ صاحب کے شعر کا مطلب بتایا لوگ وجد میں آ گئے۔ شعر یہ ہے ؎

محبت کے بدلے محبت ستم ہے
نہ لے اُف نہ لے انتقامِ محبت

ہمیں ان کی محبت کا تحمل ہی نہیں۔ ہمارا احساسِ محبت فنا ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کاہے کو آپ یہاں بھیجے گئے ہوتے۔ ہمارا محبوب تعالےٰ شانہٗ ایسا ہے۔ کہ اگر ہم عمر بھر کوشش کرتے رہیں تو حقِ محبت ادا نہ ہو۔ جناب ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اولیا اللہ کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ چہ جائے کہ اللہ کا۔ خواجہ صاحب کا ایک اور شعر ہے ؎

نہ ہو جائے برہم نظامِ محبت
کہ مجذوب ہے اب امامِ محبت

یعنی سالک رہتا تو کچھ ضبط بھی کرتا۔ مجذوب تو ظاہر کر دے گا۔ میں نے

خواجہ صاحب سے کہا کہ میں نے آپ کے شعر کو بدل دیا۔

نہ ہو جائے برہم نظامِ مدارس
کہ مجذوب ہے اب امامِ مدارس

یہ حضرت باباصاحب کا رنگِ ظرافت ہے۔

خواجہ صاحب کا ایک اور شعر ہے ؎

ادا سے دیکھ لیتے ہیں میں جب جانے کو کہتا ہوں
پھر اس پر کہتے ہیں ہم کب تمہیں مجبور کرتے ہیں

اسی پر کسی نے مجازاً سے مضمون نکالا ہے۔

بارے اتنا تو ہوا ہے کہ میں جب اُٹھتا ہوں
میرے دامن کو انگوٹھے سے دبا لیتے ہیں

ہم چلے گناہ کرنے کو۔ خیال آیا ہائے یہ تو گناہ ہے۔ تو یہ انگوٹھے سے دبانا ہوا یا نہیں۔

ناک نقشہ کچھ نہیں چربی کی سی رنگت سفید
کون سی اچھی ادا مہرِن مہ کامل میں ہے

مجلس میں دیوان چھپوانے کا ذکر تھا، باباصاحب نے فرمایا کہ میرے مضامین تنقیدی طور پر تبصرہ کے طور پر اور مستقل طور پر غرضیکہ ہر طرح کے مضامین رسالوں میں بہت چھپے ہیں۔ میرے اشعار تو بارہا چھپے ہیں۔ مگر پہلے تو چھپے تھے اب چھپے ہیں ؎

محمد کا خدا ہی جانتا ہے اوج نازاس کا
سوا اللہ کے کوئی نہیں دانائے رازاس کا

مقام اِک خلد بھی ملتا ہے اسکی راہِ الفت میں
نہیں کوئی حریف اس کا مگر خود جاہ و نازاس کا

نہ بوبکری نہ بوحفصی نہ بوعمری نہ بوالحسنی
یہ وہ نغمے ہیں ترپاقی امیں جسکا ہے نازاس کا

خدائے پاک اگر خود ہی نہ فرماتا بیان احسنؔ — تو رہتا غیب ہی کی لوح میں مضمونِ نازاس کا
نظیر اس کا نہیں با وصف امکاں بھی نہیں کوئی — نہیں کوئی حریف اسکا مگر خود جاہ و نازاس کا

نور دیکھا نہیں مدینے کا — کیا نتیجہ ہے ایسے جینے کا
دل نہیں گندگی کا مسامن ہے — کیسے ارمان ہو مدینے کا
سبز گنبد جو دیکھنے کو ملے — حال کھل جائے مرنے جینے کا
دل ہے لرزاں حواس ہیں غائب — کیا ارادہ کروں مدینے کا
ہے مدینہ مدینۃ الاشراف — کیا گذر ہو وہاں کمینے کا
میں کہاں ان کے زائرین کہاں — سنگ کیا ساتھ دے نگینے کا
موت اک دن ضرور آئے گی — یہ سہارا بہت ہے جینے کا
ایسے اقبح کو ہے بہت یہ بھی — نام لیتا رہے مدینے کا

کبھی جب مہرباں ہوتی ہے یاد دلنواز اس کی
نہیں معلوم کیا محسوس ہوتا ہے محبت میں

کبھی گم ہیں مدینے میں کبھی غم ہے مدینے کا
کوئی کیا جانے کیوں جانے مزے کیا کیا ہیں فرقت میں

درود اس پر سلام اس پر تصدق میری جاں اس پر
وہ جس کا ہم عناں کوئی نہیں اوجِ رسالت میں

محبت تو ہے اے احسنؔ محبت ہی میں گم رہنا
نہ جینا ہے محبت میں نہ مرنا ہے محبت میں

نہ جانے تشنہ کامانِ وفا پر کیا گذر جاتی — جو اس کا حسن بھی شامل نہ ہو جاتا نبوت میں[1]

---

[1] فرمایا حضرت ابو بکرؓ کا زندہ رہنا مشکل تھا اگر ایسے قوی انتظار کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لاتے۔

آواز کے محتاج کی تسکین ہو کیونکر ۔۔۔ مانا تجھے محتاجی آواز نہیں ہے
زاہد کو بڑا ناز ہے کیوں بے گنہی پر ۔۔۔ محرومی پرستش کوئی اعزاز نہیں ہے
حیرت ہے اسے ساز سمجھتا ہے زمانہ ۔۔۔ یہ عقل تو نغمہ ہے فقط ساز نہیں ہے

محبت میں فکر منازل کہاں ۔۔۔ تمنا کہاں دیدۂ و دل کہاں
کہاں ابتدا ہے۔ کہاں انتہا ۔۔۔ جنوں کے سوا اور منزل کہاں

محبّت میں ناقص نہ کامل کوئی ۔۔۔ محبت میں مجنوں نہ عاقل کوئی
محبّت تو بس جادہ ہی جادہ ہے ۔۔۔ مقامات اس میں نہ منزل کوئی

محبت ہے دور از سکون و مقام ۔۔۔ مراتب کا ارماں ہے اس میں حرام
تڑپنا۔ تڑپنا۔ تڑپنا سدا ۔۔۔ یہی کام ہے بس یہی ایک کام

محبت میں ہوتی ہے یہ شان بھی ۔۔۔ رہو پیاسے کرتے رہو مے کشی
سفر ہی میں گذریں خزاں و بہار ۔۔۔ نہ تم مبتدی ہو نہ تم منتہی
محمد کا اللہ ہے میرا رب ۔۔۔ میرا رب محمد کا اللہ ہے
نہیں ماسوا جب تو پھر سیر کب ۔۔۔ اِلی اللہ ہے یا کہ فی اللہ ہے
اجی سیر ہے ماسوا کے لئے ۔۔۔ یہاں تو بس اللہ ہی اللہ ہے
کہیں ہم نہ دے تب بھی دے وہ ہمیں ۔۔۔ عجب دینے والا وہ اللہ ہے
میری جان قربان اللہ پر ۔۔۔ مری جان کی جان اللہ ہے

مُسکراتے بھی ہیں خفا بھی ہیں — کون سمجھے گا ان کی بات کے رنگ
جنکے زخمی تڑپ کے ہنستے ہیں — کیا قیامت ہیں ان کے ہات کے رنگ
لطف نظروں میں لب پہ نغمۂ قہر — تلخ و شیریں تو جہات کے رنگ

شان اپنی بھی کچھ بتائیں حضور — میں تو رہتا ہوں پاس رہ کے بھی دور
آپ آزاد کس قدر آزاد — میں ہوں مجبور کس قدر مجبور
یا خدا درد دے محبت دے — کر دے احساس غیر کو کافور

ہم خطا کوش و خطاکار ہیں اللہ اللہ — وہ خطا پوش و کرم گار ہیں اللہ اللہ
سیکڑوں شمس و قمر ہیچ ہیں اس کے آگے — ایک سنت ہیں وہ انوار ہیں اللہ اللہ
ان کے دیدار کا امکاں ہی نہیں ہے احسن — اور ہم طالبِ دیدار ہیں اللہ اللہ

حوصلہ کا ہے کو نکلے گا تمنّائی کا — جب سمجھنا بھی ہے مشکل تری یکتائی کا
دل میں اک حشر سا ہر وقت بپا رہتا ہے — رنگ خلوت میں بھی ہے انجمن آرائی کا
جس کی ہوتی ہو دوا۔ درد نہیں وہ احسن — ہم سے دعویٰ نہ کرے کوئی مسیحائی کا

کون پناہ دے اگر فضل ترا نہ دے پناہ — میرا یہ حال ہے کہ ہائے میرا مزاج ہے گناہ؟
چار طرف گناہ ہے اور کشش گناہ کی — تیرے سوا بچائے کون تو ہی بتا مرے الٰہ
اے کہ ترا جواب ہی جز ترے بالیقیں نہیں — کس سے ہو احسن حزیں جز ترے طالب پناہ

مجھ پہ چھایا ہے مرے ہمراہ ہے — کیا کوئی غائب میرا اللہ ہے

میں یہ کیوں مانوں کوئی میرا نہیں — ہے یقیناً ہے مرا اللہ ہے
میں اسے دیکھوں یہ ممکن ہی نہیں — کیا صنم کوئی میرا اللہ ہے

چوں شمع سوختیم چوں پروانہ سوختیم — پندار سوزِ خویش چوں بیگانہ سوختیم
عقلم ہزار گفت حذر کن ز عاشقی — خود را نہ شعلہ روئے تو دیوانہ سوختیم
دُردِ خسیس را نہ سزد اوج ایں مقام — دلق دریدہ دور ز میخانہ سوختیم

مجھے نفس و شیطاں نے گھیرا ہے آہ — سوا تیرے ہے کون میری پناہ
سوا تیرے کون اب سنبھالے مجھے — بچالے بچالے بچالے مجھے
مرے بندہ پرور مرے چارہ ساز — تری چارہ سازی پہ ہے مجھ کو ناز

دشوار ہے باطل جو بچے کاٹ سے اسکی — سچ یہ ہے کہ اللہ کی تلوار ہے مومن
مومن کبھی محکومِ زمانہ نہیں ہوتا — حاکم ہو زمانہ پہ وہ سالار ہے مومن
اللہ کے دربار میں ہے عاجز و محتاج — دنیا کے لئے آمر و خوددار ہے مومن
غیرت کو گوارا ہی نہیں غیر کی شرکت — توحید ہے توحید کی للکار ہے مومن
ہر چیز ہے اس کی وہ نہیں پھر بھی کسی کا — اس درجہ جہانگیر و جہاں دار ہے مومن
تاباں ہے حرا میں تو کبھی ثور میں پنہاں — سرکارِ مدینہ کا رضا کار ہے مومن
دِل اس کا بلالی ہے نظر اس کی ہلالی — اللہ کا بانکا ہے طرح دار ہے مومن
سمجھو اسد اللہ اسے غیر کے حق میں — اپنوں کے لئے ثانی فی الغار ہے مومن
اللہ کا حق ہائے ادا ہو نہیں سکتا — مالک کا بہر حال گنہگار ہے مومن

مصائب سے نہیں اب کوئی امکانِ مفر باقی
نہ یارائے سفر باقی نہ گھر باقی نہ زر باقی

نظر آتا نہیں اپنا کوئی اس دارِ فانی میں
نہیں جز بیکسی کوئی بھی اب تو نوحہ گر باقی

دلِ ویراں میں اپنا گھر بنایا حسرت و غم نے
نظر تو جا چکی ہے فتنۂ ضعفِ نظر باقی

خدائے پاک کے ہوتے ہوئے کیا خوف اے احسن
مصائب پھر بھی فانی ہیں خدائے چارہ گر باقی

رفتن بہ راہِ کعبہ در بزم بے نیازت ... ما را نہ بود تابے ہاں درکشید نازت
بارے سرت بگردم خود گر چہ پیش خواہم ... جز جنبش نگاہے از چشم نیم بازت
چوں نورِ عشق تابد در کنجِ قلب احسن ... یک ذرہ اش بہ بخشی از حسن دلنوازت

بندہ کنند و بندۂ بے مدعا کنند ... جز ایں نخواستیم کہ ما را خدا کنند
ہرگز بہائے جنس وفا غیر ازیں نیست ... گاہے مباد ایں کہ ترا بے جفا کنند
نازش بہ گوش شانہ گرانش چہ نکتہ گفت ... ہر فتنہ را بہ سایۂ زلفِ دوتا کنند

تابعِ فرماں ہیں اس کے عیش و غم ... سامنے اُس کے مری گردن ہے خم
ہے وجود اس کے لئے باقی نمود ... بے حقیقت ہے ہر اک شے مثلِ دود
امر اس کا کارفرما ہے فقط ... اور نہ ہر ادراک دھوکا ہے فقط

اے فرازِ جملہ احساسات من — اے وراے حدِّ ادراکات من
بندگی اے بندہ کر لے دل نشیں — معرفت اس سے فزوں ممکن نہیں
اپنے ادراکات سب مخلوق ہیں — بت گری کی ذیل کے معشوق ہیں
اصل شے اسلام ہے ایمان ہے — روح ان دونوں کی لبِ احسان ہے
راہِ عرفاں ہے یہ راہِ وصل ہے — اور سب اس کے سوا بے اصل ہے

نصیب سب کو کہاں ہے شرابِ تھانہ بھون — کھلا ہے گرچہ شب و روز بابِ تھانہ بھون
شرابِ کہنہ کی تقسیم توبہ تو کے لئے — ازل سے ہو گیا تھا انتخابِ تھانہ بھون
یہاں شراب میں داروئے ہوش ملتی ہے — نہ ہے کہیں نہ ہے ممکن جوابِ تھانہ بھون
یہاں سے جا نہیں سکتا ہے کوئی خالی ہاتھ — ہے کامیاب ہر اک باریابِ تھانہ بھون

وہ گدا ہرگز نہیں ہے شاہ ہے — جس گدا کے دل کی جان اللہ ہے
اصل میں تو بس وہی گمراہ ہے — جس کا دل مائل بغیر اللہ ہے
زندگی میں زندگی ہے بندگی — بندگی کی زندگی اللہ ہے

حسن ان کے لئے اور ہے محبوب انہیں حسن — وہ خود بھی حسین اور کو کیا مان سکیں گے
ہر آن میں ہیں حسن کے انداز نرالے — عاشق انہیں کس طرح سے پہچان سکیں گے

اللہ مرے دل کو کچھ اس طرح سنوارے — شیطان سے یہ بندۂ ناچیز نہ ہارے
یہ ناؤ لگے پار یہ ممکن ہی نہیں ہے — ہوتے نہیں دریائے محبت میں کنارے
الفت کیلئے موت ہے حاصل جو سکوں ہو — عشاق کے دل پر تو چلا کرتے ہیں آرے

ہر دولتِ کونین سے بڑھ کر ہے یہ احساس — ہم اُن کے بلا شک وہ بلا شبہ ہمارے
مرنے کا مجھے شوق نہیں خوف نہیں کچھ — صدقے ترے اے تو مرے جینے کے سہارے
دراصل سنبھالے جو ہے پنہاں ہے نظر سے — ہم بہتے نظر آتے ہیں موجوں کے سہارے
جاں بخشی کے باوصف بھی جاں ہمنے فدا کی — اس راہ میں ہم جیت گئے جیت کے ہارے

سایۂ نازِ حسن میں عشق کی ابتدا ہوئی — مان لیا وجود کیوں عشق سے یہ خطا ہوئی
عشق کو دی گئی نظر حُسن کی دید کے لئے — کیسی حسین ابتدا عشق کی ابتدا ہوئی
حسن کی ایک آن تک بھی نہ پہنچ سکا کبھی — اپنی ہی سطح پر رہا عشق سے یہ خطا ہوئی

خوشا حسیں کہ حسن اوست نازِ حسن و دلبری — گزیدہ حسنِ گسترش برائے حُسن گُستری
بہارِ کائنات از و حیات از و نجات از و — محمدؐ است و بادِ حش چہ داور و چہ داوری
جمالہا نثار او کمالہا فگار او — چہ حاکمی چہ سیدی چہ خالقی چہ سروری
چہ صدرِ بزم مرسلیں چہ رحمۃ للعالمیں — چہ افتخار رہبری چہ نازشِ پیمبری

اللہ کے ہوتے ہوئے کس بات کا غم ہے — کیا میرے لئے وہ کسی تدبیر سے کم ہے
اے عالمِ اسباب کے قیدی یہ ذرا سوچ — کیا خالق اسباب کچھ اسباب سے کم ہے
غم ہوتا ہے اللہ سے دوری کے سبب سے — اللہ سے جس دل کو تعلق ہو چہ غم ہے

عزیز کیوں نہ ہو وہ فتنۂ گناہ مجھے — دکھائی توبۂ صادق کی جس نے راہ مجھے
میں اس کے دھوکے میں آجاتا ہوں بآسانی — الٰہی پیار سے دیکھے نہ اب گناہ مجھے
میں اس کے شر سے بچوں گا اسی طرح احسن — گناہ خود بھی سمجھنے لگے گناہ مجھے

حسن سے کچھ تو انتسابِ عشق حزیں کو ہے ضرور | ورنہ جنابِ حسن یوں رہتے نہ اس سے دور دور
اپنی طرف سے عشق کا کوئی وجود ہی نہیں | اور نگاہِ حسن میں سایہ نور بلکہ نور ہے
سایہ تو سایہ ہے فقط اسکی بساط وصل کیا | آپ ہی پر ہے منحصر اس کا قیام اور ظہور

مرا کلام حقیقت میں بے کلامی ہے | کلام ان کا ہے بندہ فقط پیامی ہے
انھیں کی ملک ہے سب کچھ جمال ہو کہ کمال | مرے شرف کیلئے بندگی غلامی ہے
ہے کامیابی جو وردِ زباں ہو نام اس کا | جو ان کی یاد سے ہو دور۔ تلخ کامی ہے

جو اور کے بھی دل سے نکلے وہ آہ ہماری آہ نہیں
جو درد ہمارے دل میں ہے اس درد کی کوئی تھاہ نہیں
ہر ایک کا چاہت کام نہیں کچھ جان کے اس میں دام نہیں
یہ راہ دوانے چلتے ہیں۔ داناکے لئے یہ راہ نہیں
وہ خود ہی بتائیں گے ہم کو کس ڈھنگ سے وہ مل جاتے ہیں
ہم ڈھونڈھتے پھرتے ہیں ان کو۔ اوران سے کوئی آگاہ نہیں
اللہ سفر تو اتنا کٹھن اور ساتھ ہمارے کوئی بھی
ہم جنس نہیں، ہم راز نہیں، ہم درد نہیں ہم راہ نہیں

عجب سرور مئے انتظار ہے پیارے | خزاں بھی ذوق میں میرے بہار ہے پیارے
ترے کرم کا جو امیدوار ہے پیارے | ضرور دل ترا کچھ رازدار ہے پیارے
کبھی فراق میں راضی حریصِ وصل کبھی | عجیب چیز مرا قلب زار ہے پیارے

کیا ہوں میں تیرا ہم نشیں اے میرے مہ جبین غم
میں بھی نہیں حسین کیوں ہائے مرے حسین غم

اس کی پسند دیکھئے مجھ کو پسند کر لیا
بندہ نواز آپ کو مل نہ سکا حسین غم

معطیٔ بے مثال کی واہ رے یہ حسین ادا
اب غم عشق کی جگہ دل کو ملا حسین غم

مرا وجود بھی شاید گناہ ہے اے دوست
یہ میری سانس نہیں بلکہ آہ ہے اے دوست

خبر نہیں یہ کہ اس کا حضور کیا ہوگا
وہ جس کی یاد بھی یوں بے پناہ ہے اے دوست

ذلیل کر کے مجھے تیرا مسکرا دینا
مجھے تو چاہ - یہ بلائے جاں ہے اے دوست

نہ تھا معلوم آتا ہے کبھی یوں بھی طبیعت میں
بڑا ارمان ہے دل کو کہ مر جائیں محبت میں

ہم انکے ہیں وہ اپنے ہیں مگر پھر بھی وہی دوری
خداوندا یہ کیا ہوتا ہے۔ اس ظالم محبت میں

کبھی ان کو جو پا جائے محبت خود ہی مٹ جائے
محبت کے سوا کچھ بھی نہیں حاصل محبت میں

ہے ایک کیا یہی ظالم مرے ستانے کو
ہٹاؤ بیچ سے اس ناز کے بہانے کو

بلا ہے جیسے مری داستاں زمانے کو
سوا خدا کے نہ کوئی بلا ستانے کو

کبھی زمانے کے ماحول سے جدا نہ ہوئے
اگرچہ غیر سمجھتے رہے زمانے کو

نہیں ہے حسن کو پرواہ چاہے جانے کی
مگر حسین سمجھتا ہے چاہے جانے کو

حضور یہ تو ہو ارشاد کیا کہیں اس سے
ہمارا دل بھی اگر چاہے چاہے جانے کو

کرتا ہوں جو ہر دشمن ایماں کی جفا یاد
بیٹھا ہوں بتوں میں مگر آتا ہے خدا یاد

مجھ کو شب ہجراں، شب ہجراں نہ رہی اب
آئی ترے گیسو کی جو پر دردہ قضا یاد

لیتا ہوں تری زلف معنبر کی بلائیں
اس شب میں کرے روز کو اب میری بلا یاد

عشق رسد بہ کام اگر شورشِ زندگی کجا
کام رسد بہ جام اگر شورشِ تشنگی کجا

جوشِ طلب تمام خار جوشِ طلب تمام گل
فتنۂ زندگی کجا۔ جلوۂ زندگی کجا

ما و شراب و لے غمی ساقی و لطفِ مے دہی
تا بہ فراغ ما رسد عشرتِ خواجگی کجا

مرے گنہ انتہا سے زائد کبھی نہ گنتی میں آسکیں گے
مقابلہ کرکے جو میں دیکھوں۔ نہ کوہ بھی اس کو پا سکیں گے

بڑے ستم گر مرے جرائم۔ بڑے جفا جو گناہ میرے
مگر یہ کیا اے کریم مطلق۔ ترے کرم کو ہرا سکیں گے

بدی مری اک وبائے آنی۔ گنہ مرے اک بلائے فانی
ترا کرم اک بہار باقی۔ یہ خار کیا اس کو کھا سکیں گے

محسوس تو ہوتے ہیں۔ نہ ہو دید تو کیا غم
اس راز کے محرم بھی۔ اُدھر وہ ہیں اِدھر ہم

جو بزم تمناؤں نے آراستہ کی ہے
تم آؤ تو ہو جائے ابھی درہم و برہم

کیا تیری اداؤں نے اٹھا رکھے ہیں فتنے
آئینہ بنا کے مجھے دیکھ اپنا یہ عالم

عشق کا حسن بانداز حسیں ناز میں ہے
اُن کے قدموں سے جو لپٹی ہے جبیں ناز میں ہے

کیا خبر ان کو ہے کیا دل میں ہے مرے کیف بہار
جو نیازوں میں مزہ ہے وہ کہیں ناز میں ہے

سایۂ حسن میں آنے سے بڑھی شان حسن
ان کے قدموں تلے جب سے ہے زمیں ناز میں ہے

عیب پوشے عجبے بندہ نوازے عجبے ناز نازِ عجبے۔ باعثِ نازے عجبے
عاصیاں چشم بہ راہِ کرمش ہر لحظہ عاشقاں در طلبش گرمِ نیازے عجبے
چشمِ من اشک فشاں خشک لبم شاد دلم ہم بہ سوزے عجبے مانم و سازے عجبے

مجھ سے وہ ترکِ تماشہ پہ بھی مستور نہیں میں ہوں مجبور مرا شوق تو مجبور نہیں
شوق نے ایک قیامت سی بچا رکھی ہے دل بدستور نہیں درد بدستور نہیں
ہم گنہگار ہیں ہر وقت سزاوارِ سزا مگر اللہ سزا دینے پہ مجبور نہیں

تنکے تتر بتر سے جو یہ آشیاں کے ہیں ٹکڑے کسی کی درد بھری داستاں کے ہیں
افشائے رازِ عشق جو ہو جائے کیا مجال ایسے بھی اہلِ دل گئے گذرے کہاں کے ہیں
دم آگیا لبوں پہ اشارے کی دیر ہے عشاق منتظر تری بس ایک ہاں کے ہیں
اپنے فدائیوں سے نہ ہوں بدگماں حضور ہر حال میں فقیر اسی آستاں کے ہیں

کچھ مجھ کو خبر نہیں کہاں ہیں سنتا ہوں وہ دل کے میہماں ہیں
انجان تو بن کے سن رہے ہیں اور آپ ہی جانِ داستاں ہیں
سمجھا نہ کوئی تری ادائیں بس ایک ہمیں تو رازداں ہیں

کب مجھ کو گناہوں کا مقدور نہیں ہوتا انسان کبھی اے دل مجبور نہیں ہوتا
ہر وقت ہے یاد اسکی ہر وقت ہے دھیان اسکا واللہ کبھی اس سے میں دور نہیں ہوتا
اک آگ لگی احسن سینے میں مبارک ہو جب تک کہ نہ جل جائے دل طور نہیں ہوتا

جہیزِ فاطمہؓ

لختِ جگر جنابِ رسالت مآب کی
جن پر ریاضِ دہر کی سب نکہتیں نثار

فرمایا جن کو بضعتہ منّی وہ فاطمہ
ایماں کا باغ جن کی تولاّ سے آب یار

پڑھتا سلام نام پہ جنکے ہے فرضِ شوق
قدموں کی خاک سرمۂ ہر چشمِ افتخار

وہ سیدہ رئیسۂ مستوریانِ خُلد
ہوگی شفیع جن کی دلا روزِ گیر و دار

معلوم ہے کہ عقد ہوا جب علیؓ کیساتھ
کیا کیا ملا عطیۂ محبوبِ کردگار

سامان سب جہیز کا گن لیجئے ابھی
فہرست کچھ طویل نہیں ہے نہ بے شمار

خُرمے کی چھال سے بُنی اک چارپائی تھی
سونے کا تخت تھا نہ مسہری تھی شاہوار

اک ریشِ خرمہ سے بھرا چمڑے کا بسترہ
پایا تھا بہرِ راحتِ ہر لیل و ہر نہار

چمڑے کا ایک تکیہ تھا جسمیں بھری تھی چھال
بیلیں بھی تھی کچھ ٹنکی نہ گوہر ہائے آبدار

دو چادریں یمانی تھیں سوسی کی طرح کی
اک چکّی اک پیالہ تھا گدّے عدد میں چار

دو بازو بند چاندی کے تھے دو نہالیاں
انمیں بھری تھی چھال روئی تھی نہ زینہار

کملی بھی ایک دی تھی رسول اللہ نے
مُزّمّلی تھا فخرِ شہنشاہ روزگار

مٹی کے دو گھڑے بھی تھے پانی کی ایک مشک
یہ کچھ چیزیں اور جنکی تھی قیمت بہ اختصار

اتنی بھی چیزیں تھیں کہ نہیں اختلاف ہے
ممکن ہے اس سے بڑھ کے رہا ہو کچھ اختصار

سب سے عزیز تھیں یہ حبیبِ الٰہ کو
نازاں ہے ان کی ذات پہ کونین کی بہار

دنیا کے ٹھیکرے تھے انہیں سیم و زر کے ڈھیر
تھا خار زار ان کے لئے عیشِ روزگار

کچھ بھی تکلفات کی پروا نہ تھی انہیں
محبوب تھی محبتِ محبوبِ کردگار

تعداد مہر چار سو مثقال نقرہ تھی
بیٹی تھی جیسے سرورِ عالم کو ناگوار

لختِ دلِ رسول سے افضل بھی بیٹیاں
کیا دیکھ بھی سکے گی کبھی چشمِ روزگار

لوگو۔ خدا کے واسطے سوچو تو یہ ذرا
کیا مُنہ دکھاؤ گے انھیں تم روزِ گیر و دار

اپنے فدائیوں سے جو فرمائیں یوں حضورؐ
میرے شعار سے تمہیں کس واسطے تھا عار

اسراف تھا خدا کو بھی مجھ کو بھی ناپسند
کرتے تھے تم اسی پہ مگر زندگی نثار

کیا میری فاطمہ سے وہ اچھی تھیں بیٹیاں
کرتے تھے مفلسی میں بھی تم جن پہ زر نثار

برباد اپنے ہاتھوں سے ہوتے تھے آپ تم
اس پر تھے شکوہ سنج ستم ہائے روزگار

میرا شعار چھوڑ کے گمراہ ہو گئے
درگاہ میں خدا کی کیا مجھ کو شرمسار

ق

اللہ ہم پہ رحم کرے عقل اور عشق
دونوں کا ہم سے بس یہ تقاضا ہے بار بار

ہو جائیں اتباعِ محمدؐ پہ شیفتہ
رسّی خدا کی تھام لیں ہاتھوں میں استوار

دارین کی سلامتیاں بس اسی میں ہیں
بیڑا بغیر حبلِ الٰہی نہ ہوگا پار

افضالِ ایزدی کی نہیں ہم پہ انتہا
پایا وہ مہرباں جو ہے محبوبِ کردگار

گل ہائے تازہ تازہ درود و سلام کے
ہر دم ہر آن نامِ محمد پہ ہوں نثار

دے ان کے اتباع کی توفیق اے خدا
محشر میں ان کے آگے نہ کر ہم کو شرمسار

اے میرے اللہ اے میرے رحیم
اے میرے اللہ اے میرے کریم

بندہ پرور لطف فرما کردگار
دلنواز و مہرباں پروردگار

ہر مصیبت میں مدد کرتا ہے تو
جو بلا آتی ہے رد کرتا ہے تو

میں ترا بندہ ہوں تو آقا مرا
مرحبا صد مرحبا ۔ صد مرحبا

نور ہا بخشید چشمِ کور را
زور ہا بخشید ہر کمزور را

جملہ در تسبیح و در تہلیل او
از پئے تعمیل حکمِ فَاذْکُرُوْا

کوئی زندہ ہے نہ مردہ ہے کوئی
کارہ فرما کارہ فرما بس توئی

ہر کرا زندہ کند زندہ شود
ہر کرا مردہ کند مردہ شود

حمد تیری بس یہ خاطر خواہ ہے
میں ہوں بندہ اور تو اللہ ہے

مردہ ہستم زندگی ہا کن عطا
بندہ ہستم بندگی ہا کن عطا

سامعہ کے لئے تو راز ہے، راز
دل ہی سنتا ہے غیب کی آواز

مسکراہی دیا تغافلِ ناز
زندہ باد۔ اے میری جبین نیاز

جامِ دل میں شرابِ سوز و گداز
اے شبِ ہجر۔ تیری عمر دراز

تم نہ مانو ہمارے عشق کو کچھ
ہے ہمیں تو تمہارے حسن پہ ناز

میری آہوں میں یہ مٹھاس کہاں
یہ بھی شاید انہیں کی ہے آواز

کیا اٹھاؤں گا نازِ حسن۔ احسن
عشق کے بھی اٹھا سکا نہ جو ناز

وہ مجھے یاد بھی نہیں کرتا
اور یہ یاد بھی نہیں کرتا

ایک سکتہ سا ہو گیا ہے مجھے
اب میں فریاد بھی نہیں کرتا

غم سے فرصت کہاں مجھے احسن
اب اسے یاد بھی نہیں کرتا

مجنوں کو محبت میں اعجاز یہ حاصل تھا
دل تھا کبھی محمل میں دل ہی کبھی محمل تھا

کچھ عشق کا حاصل تھا۔ کچھ حسن کا حاصل تھا
دل میں کبھی جلوے تھے جلوؤں میں کبھی دل تھا

اسرارِ محبت کی ہے اتنی خبر مجھ کو
دل دریں ڈوبا تھا یا دریہی خود دل تھا

وہ بھی اس حال سے مرے خوش ہیں
اب مرے درد کی دوا معلوم

عشق کیا ہے یہ آپ ہی جانیں
حسن کیا ہے۔ یہ مجھ کو کیا معلوم

درد بھی۔ درد کی دوا بھی ہے
ہم کو ہر رنگ سے ہے ترا معلوم

تم اپنی تیغ کے لو حوصلے نکال مگر
کبھی یہ ہستیٔ عاشق فنا بھی ہوتی ہے

خطا معاف یہ اب آپ کے بھی بس کا نہیں
وہ درد ہی نہیں جس کی دوا بھی ہوتی ہے

ترے ارادوں کو اللہ کامیاب کرے
جفا کے بھیس میں دل کی دوا بھی ہوتی ہے

نہ جگہ اس کی ہے کعبہ میں نہ میخانے میں
صفتیں خاص ہیں یہ آپ کے دیوانے میں

آپ کے حسن کی شرحیں جو نہیں ہیں اس میں
یہی فرمایئے کیا ہے، مرے افسانے میں

آپ اس لطف سے واقف ہی نہیں بندہ نواز
جو تڑپنے میں مزہ ہے۔ نہیں تڑپانے میں

مری نظروں کا حجابِ رخِ جاناں ہونا
میری ہستی کا مرے حق میں ہے زنداں ہونا

حسن کیا ہے گلِ فطرت کی تنوع کی بہار
عشق کیا ہے گلہ تنگیٔ داماں ہونا

جلوہ کیا۔ دائرہ حسن کا ہونا محدود
دید کیا۔ تشنگی شوق کا ساماں ہونا

منکہ محروم اثر ہائے دعامی باشم
کشتۂ خنجر تسلیم و رضامی باشم

رازِ ایں رنگ طبیعت نہ شناسم اے دل
گاہ خود درد شوم گاہ دوامی باشم

باجفاہائے تو ربطے بہ نہان ست مرا
من کہ فارغ ز تمنائے وفامی باشم

کیا شکوۂ مجبوری۔ کیسا گلہ دوری
الفت کی اجازت بھی کیا کم کوئی احساں ہے

فردوسِ محبت ہے تسلیم کی لذت بھی
پابندیِ ظاہر میں آزادیِ پنہاں ہے

ہر اشکِ ندامت نے دوزخ کو شکستیں دیں
ناچیز سا اک قطرہ برہم زنِ طوفاں ہے

احساسِ محبت ہی انعامِ محبت ہے
جو درد اُٹھا دل میں وہ حاصلِ درماں ہے

ہو جائے ختم شوق کا وہ ماجرا نہیں
ہر آن ابتدا ہے کبھی انتہا نہیں

مرنا یہ بعدِ مرگ کھلا۔ انتہا نہیں
خلوت گہہ بقا ہے حجابِ فنا نہیں

اے دل یہی تو حاصلِ معراجِ شوق ہے
ہر ایک کو نصیب مگر کربلا نہیں

ہر عمل آئینہ ہے دُکھ بھرے افسانے کا
رنگ چھپتا نہیں ممکن ترے دیوانے کا

زندگی عشق میں ارمان ہے مرجانے کا
یہی پیغام ہے جلتے ہوئے پروانے کا

فکر جینے کی نہیں۔ غم نہیں مرجانے کا
مسلکِ خاص ہے یہ آپ کے دیوانے کا

ایک دنیائے تمنا ہوئی دل میں آباد
یہ خدا خانہ نمونہ ہے صنم خانے کا

گریۂ شمع نہ جلنے سے اسے روک سکا
دیکھنا ولولہ جلتے ہوئے پروانے کا

تشنۂ قرب ہے لیکن گلۂ قرب نہیں
مرحبا عالمِ غیرت تیرے دیوانے کا

بُعد کا کچھ گلا نہیں۔ قرب کی کچھ خبر نہیں
حاصلِ عاشقی ہے کیا۔ اس پہ مری نظر نہیں

پیکرِ انتظارِ دل۔ دشمنِ اختیارِ دل
عشق کی وہ بہار ہے جس کو خزاں کا ڈر نہیں

گم بھی کرے۔ پتہ بھی دے درد بھی دے دوا بھی دے
عشق سا راہزن نہیں عشق سا راہبر نہیں

تمہیں بتاؤ کہ ڈھونڈے کہاں کہاں کوئی
نہیں زمانے میں تم سا جو بے نشاں کوئی

میرا افسانۂ غم کم نہیں ہے میرے لئے
میں سُن کے کیا کروں اب اور داستاں کوئی

قیودِ ہستی فانی کو توڑتا ہوں میں — بس اب حجاب نہ رہ جائے درمیاں کوئی

پہلے تھا رنجِ دنیا اب آخرت کا غم ہے — تب بھی ترا کرم تھا اب بھی ترا کرم ہے
تیری خوشی اگر ہے۔ ہوں بُعد میں بھی راضی — سب کے لئے ستم ہے۔ میرے لئے کرم ہے
اپنی مصیبتوں کی جانی نہ شان تو نے — اے دل ستم جسے تو سمجھا وہی کرم ہے

اس کو ستم کا کیا گلہ جو کرم آشنا نہ ہو — سب جسے کہتے ہیں جفا ہائے کہیں وفا نہ ہو
مرگ کی انتہا کہیں۔ زیست کی ابتدا نہ ہو — دیکھ تو اے دل حزیں۔ درد کہیں دوا نہ ہو
اُن سے کرم کی التجا کرنے کا اک بہانہ ہو — چارہ گرو دعا کرو اب تو مجھے شفا نہ ہو
سر بسجود رہنے کا میرے لئے بہانہ ہو — حق ترے آستانے کا کاش کبھی ادا نہ ہو
اے مرے قلبِ مضطرب کیا تجھے بھید کی خبر — جور کی انتہا کہیں لطف کی ابتدا نہ ہو
دل میں جو اک آگ سی لگی ہے — احسن تجھے زندگی ملی ہے
اعجاز ہیں کس کی قدرتوں کے — ہر چیز کو چومنے کو جی ہے
بیتابیِ دل کو کیا کہیں ہم — سنتے ہیں یہ عین زندگی ہے

مثل مشہور ہے اک۔ راہ دل کو دل سے ہوتی ہے
دلِ عاشق کو اس کی بھی خبر مشکل سے ہوتی ہے
محبت میں ترقی سعیِ بے حاصل سے ہوتی ہے
خبر اس بھید کی لیکن بڑی مشکل سے ہوتی ہے
محبت انتہا میں سہل کر دیتی ہے ہر مشکل
مگر اس فتنہ گر کی ابتدا مشکل سے ہوتی ہے

نجانے کب ہوئی کیونکر ہوئی بس ہو گئی ظالم
طلب کی ابتدا محسوس ہی مشکل سے ہوتی ہے

محبت میں ظہورِ جلوۂ اضداد ہوتا ہے
نظر آتا ہے جو برباد۔ وہ آباد ہوتا ہے

نیا احساس بہرِ اہلِ دل ایجاد ہوتا ہے
یہاں جب قید ہو انسان تب آزاد ہوتا ہے

خطابِ یار ہی مدہوش کر دیتا ہے عاشق کو
کہاں یہ جانچ کا ہوش کیا ارشاد ہوتا ہے

روزہ دار

تجھ کو خبر کچھ اے دلِ غفلت شعار ہے
صائم پہ خاص رحمتِ پروردگار ہے

الصوم لی شروعِ بشارت ہے اور پھر
اجزی بہ۔ کا وعدہ راحت نثار ہے

وہ بندہ اپنی سانس پہ بھی جس کا بس نہیں
وہ بندۂ خود جو ناکس و بے اختیار ہے

مورو مگس جو اس کو ستانے کی ٹھان لیں
ان کے مقابلے میں بھی بے اختیار ہے

اُس پر یہ بخششیں یہ کرم یہ نوازشیں
جن کا کوئی حساب نہ کوئی شمار ہے

توفیق دے عمل کی۔ عطا اجر بھی کرے
یہ کچھ انتہائے رحمتِ پروردگار ہے

بندے سے تو حقوقِ عمل بھی نہ ہوں ادا
مولا مگر کہے یہ مرا روزہ دار ہے

فاقہ نہیں ہے تزکیۂ روح و تن ہے صوم
انعام تیرے واسطے اے روزہ دار ہے

دس دن ہیں پہلے بارشِ رحمت کے واسطے
دس پھر ہیں جن میں مغفرتوں کی بہار ہے

یہ عشرۂ اخیر کا حاصل ہے معتبر
آزاد خوفِ نار سے ہر روزہ دار ہے[۱]

ہے کیا عمل جو اپنے عمل پر کریں نظر
ہم پر ترا کرم ہی بس اے کردگار ہے

محبت نام ہے فیضِ نگاہِ خاص جاناں کا
اسی کو درد دیتے ہیں جسے قابل سمجھتے ہیں

انہیں کے حکم پر موقوف ہے احساس ہستی بھی
جو وہ کہتے ہیں دل کو دل۔ تو ہم بھی دل سمجھتے ہیں

کبھی آساں سمجھتے ہیں پہونچنا ان کے قدموں تک
کبھی ان کی تمنا کو بھی ہم مشکل سمجھتے ہیں

---

[۱] عتیقٌ من النیران۔ الحدیث

ہم نے آزارِ محبت خود نہیں چاہا مگر — ہو یہی اللہ کی مرضی تو پھر کیا کیجئے
ہم نے یہ مانا کہ ضبطِ شوق بھی اک فرض ہے — دل ہی قابو سے جو باہر ہو تو پھر کیا کیجئے
جیتے جی تو جائیے احسن یہ آنے کی نہیں — آپ بیٹھے موت ہی کی راہ دیکھا کیجئے

مراد جو دہے ساغرِ مئے محبت کا — حیات ایک تبسم ہے حسنِ فطرت کا
ابھی تو اپنی محبت کا راز دار ہوں میں — کہاں ہے ہوش مجھے آپ کی محبت کا
خدا کا شکر ہے احسن کہ دل کے ساتھ مجھے — بقدرِ ظرف ملا درد بھی محبت کا

انکار میں شامل وہ تبسم کی بہاریں — کیا ہم کو تری شانِ جفا یاد نہیں ہے
جس شانِ توجہ کو ستم کہتی ہے دنیا — ہم خوب سمجھتے ہیں وہ بیداد نہیں ہے
گلشن کو قفس کرتی ہیں محدود نگاہیں — مجھ کو گلہ بندشِ صیاد نہیں ہے

نہ شدم ہنوز واقف بہ تکلفِ نیازے — کہ عدوئے ہوش آمد سرِ چشمِ نیم بازے
لبِ اہلِ ناز تشنہ بپئے جرعۂ نیازے — ہمہ غزنوی اسیرے خمِ طرۂ ایازے
بہ خدائیش کہ دیدم ہمہ طورِ لن ترانی — بہ صنم کدہ چہ کردم ز حضورِ دل نمازے

جرعۂ جاں بفدایت بہ مئے تشنہ لبے — اے بہارے تو فسوں کاریٔ مے ہا بر دوش
آہ ازاں فتنہ کہ دیوانہ براہش کردند — قیس را قیسیٔ او نکہتِ لیلیٰ بر دوش
حیرتم ہست ز الطافِ تو اے بردہ فروش — ما ہمہ تشنہ و تو جوہرِ مے ہا بر دوش

---

۵۷ اشارہ ہے طریقۂ اصلاح شیخ کی طرف۔

بیٹھے ترس رہے ہیں جو یوں عمر بھر سے ہم
رکھیں نہ کیوں گلہ تیرے تیر نظر سے ہم

اے شوقِ دید کیا کہیں اب چشم تر سے ہم
یہ حکم ہے کہ دیکھیں انھیں کی نظر سے ہم

ہر جنبشِ نگاہ میں رنگینیاں ہزار
واقف نہ ہو سکے کبھی ان کی نظر سے ہم

اپنی نظر بھی کاش کبھی کامیاب ہو
کیا دیکھنا جو دیکھیں انھیں کی نظر سے ہم

دردِ دل ہشیار شاز و فطرتِ دیوانہ را
زندگی ہا میدہد ہر سوختن پروانہ را

راز نتواں کرد اے دل شورشِ مستانہ را
کیفِ صہبا خود بگردش آورد پیمانہ را

شوقہا از اندازہ بیش و ذوقہا از شوق بیش
شکوہ شد از گفتہا ناگفتۂ افسانہ را

روضۂ اقدس پر

زندگی نام ہے جس چیز کا مولا کے یہاں
اس سے محروم رہا آپ کا یہ ناشدنی

بندگی کے لئے اللہ نے بخشی تھی حیات
ہائے اس جنس گرامی کی ذرا قدر نہ کی

بندۂ نفس رہا ہر نفس عمر تباہ
درد تھا۔ کی نہ مگر کوششِ درماں طلبی

چھوڑ کر جائے مگر اب درِ اقدس کو کہاں
خود ہی سرکار نے فرمایا ہے الطالع لی

ہے بُرا۔ حد سے برا۔ حلقہ بگوش سرکار
شکر ہے شکر کہ پایا ہے محمدؐ سا ولی

نہ عمل ہے۔ نہ عمل پر ہے بھروسہ اس کو
ہے مگر چاکرِ سرکارِ رسولِ عربی

التجا ہے نگہہ لطف ادھر بھی ہو جائے
"رحم فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی"

کیا کرے بارِ الٰہا اگر عاصی نہ کرے
پدرِ فاطمہ زہرہؓ سے شفاعت طلبی

خاتمہ احسن عاصی کا ہو ایمان کے ساتھ
اور ہو غیب سے توفیقِ محبت ایسی

زندگی نامِ محمدؐ پہ فدا کر جائے
دلِ اویسیؓ ہو عطا عشقِ بلالِ حبشی

مرحبا صل علی۔ صل علی۔ صل علی
محرمِ سرِّ خفی مرکزِ انوارِ جلی

صدرِ دیوانِ رسل۔ تاجِ ادیان و سبل
حامد و احمد و محمود و محمد عربی

بندۂ خاص خدا عاشقِ معشوق نما
جلوۂ شانِ کرم۔ مظہرِ نورِ ازلی

اُمی و شاہد و مشہود و محب و محبوب
دادرش مادح و از مدحِ دگر مستغنی

دستگیری کا ہے سرکار کی سائل محتاج
یا معین الضعفا خُذ بیدی خُذ بیدی

نذرِ جاں۔ نذرِ تحیات و سلامِ احسن
باد قربان ضیا ہائے جمالِ نبوی

دَرُیادِ شیخ

اللہ میرے شیخ کے رتبوں کو بڑھاوے
سرتاجِ زمانہ میرے مرشد کو بنا دے

توفیق مجھے اس کی اطاعت کی عطا ہو
اور اس کی محبت کو مرے دل میں رچا دے

ہر ایک کو ملتا نہیں اس شان کا مرشد
دولت یہ وہی پائے مگر جس کو خدا دے

یہ شمع رہے نورِ محمد کی منوّر
امدادِ الٰہی اسے ہر تازہ ضیا دے

پروانے رہیں شمع رخِ شیخ کے خادم
اور شیخ کو محبوبیٔ محبوبِ خدا دے

کمر بارِ گنہ سے ہو گئی خم
کروں کس طرح میں اپنا ہی ماتم

سہارا ہے ترا رحمِ مجسم
زمہجوری برآمد جانِ عالم

ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

بہارِ سرِّ حق را تو امینی
بدلہائے غلامانت مکینی

پئے لب تشنگاں ما معینی
نہ آخر رحمۃ للعالمینی

زمہجوراں چرا غافل نشینی

سروں تک آگیا اب آہ پانی
نہیں دریائے غم کی کم روانی

توئی مقصود وہم محبوبِ جانی
بروں آور سر از بردِ یمانی

کہ روئے تست صبحِ زندگانی

فدایت جانِ ما۔ از خواب برخیز
تبہ شد حال شیخ و شاب برخیز

دگر با مجمع احباب برخیز
زخاک اے لالۂ سیراب برخیز

چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

مقصودِ حیات

کی نہ ہم نے یہ کبھی کوشش کہ سمجھیں اتنی بات
زندگی کیا چیز ہے۔ کیا شئے ہے مقصودِ حیات
کس لئے پیدا ہوئے اور کس لئے زندہ ہیں ہم
کیوں مقدر ہے ہمارے واسطے آخر ممات

مختصر سی زندگی پیچیدہ کیوں کر ہو گئی
ہستی فانی ہے کیوں آشفتۂ ذات و صفات
کیوں یہ سب آئین کی پابندیوں کا ہے شہود
دن کے موقع پر ہے دن اور رات کے موقع پر رات

چاند کی۔ سورج نکلنے پر ضیا کیوں ماند ہے
کیوں نہیں ممکن اجل کو دے سکے انسان مات
ذرّہ ذرّہ کس لئے ہے قید میں قانون کے
جلوہ افگن ہے مظاہر میں یہ آخر کس کی ذات

شمع ہا افروختن ہا از کجا آموختند
کرم ہا ایں سوختن ہا از کجا آموختند

ظاہرا بے حس ہے جو شے۔ ہوش ہر اس کو بھی ہے
شکر خالق کا کرے ہر آن ہر صبح و مسا
کفر نعمت کا مگر مجرم فقط انسان ہے
اشرف المخلوق کا خلعت ہوا جس کو عطا
اس پہ بالا ہے عطائے حسنِ ذوقِ بندگی
خود سناتا ہے ہمیں افسانۂ قالوا بلیٰ

ہر رگِ تن شد امینِ نغمۂ عرفانِ دوست
عاشقاں را داد اذنِ عاشقی قربانِ دوست

پھر اسی پر بس نہیں تکمیل کی تکمیل کی — عاشقانِ خاص بھی بھیجے برائے رہبری

یوں تو ہوتی ہے رقابت لازماً عشاق میں — عشق مولا ہے مگر اس تہمتِ بد سے بری

خوابِ غفلت سے جگایا اس کے پیاروں نے ہمیں — رہبروں نے خوب حقِ رہبری کی داد دی

رحمتِ عالم مجسم بن کے چمکی برقِ لطف — خوب ہی اس نے دکھائے جلوہ ہائے رہبری

فرض ہم پر ہو گئی اس کی محبت مرحبا — عاشقی بے اتباعش گشت کفرِ عاشقی

سلمو یا قوم بل صلو علی الصدر الامین

مصطفیٰ ما جاء الا رحمۃ للعالمین

ہستی فانی کو ملتی ہے حیاتِ سرمدی — اللہ اللہ عشقِ محبوبِ خدا تیری بہار

عشق والوں کے لئے جائز بھی ہو جائے حرام — گر نہ ہو معلوم آقا کا تھا کیا اس میں شعار

اتباعِ سیدِ کونین ہر ہر بات میں — ہے اسی پر زندگی والوں کے جینے کا مدار

دل نہیں حبِ محمد سے تجلی پاش اگر — گر نثار اس نام پر ہوتے نہیں پروانہ وار

زندگی کو زندگی کہنا بھی پھر بیکار ہے — ایسے جینے پر تو بیٹھی ہے اجل بھی سوگوار

زندگی بے بندگی شد آہ از طغیانِ ما

رحم فرما اے فدایت جسم ما و جانِ ما

دل میں دردِ عشق ہو یا خدا ہنگامہ ساز — تشنہ کاموں کو بقدرِ ظرف دے صہبائے راز

پاس اپنے کوئی سرمایہ کوئی پونجی نہیں — ہاں مگر تیرے محمد ﷺ کی غلامی پر ہے ناز

پھر عطا ہو صدقہ محبوبئ شاہِ رسل — درجۂ معراج پر فائز ہو مومن کی نماز

اتباعِ سیدِ کونین کی توفیق دے — دل میں ہو حبِ محمد ہر نفس ایماں نواز

احسنؔ عاصی کو دے اک جامِ صہبائے حیات — اے کہ تیری ذات ہے ہر بندگی سے بے نیاز

زندگی معمورِ عشقِ سیدِ ابرار باد
ز اتباعش گلشنِ حسنِ عمل گلزار باد

بیان کر ہی نہیں سکتی کبھی شاید زباں میری — کچھ اس انداز کی اے چارہ گر ہے داستاں میری
دلوں پر ہاتھ رکھ لیں دردِ دل والے سنبھل جائیں — کہ چھیڑی جائیگی اب انجمن میں داستاں میری
اُنھیں کے حسن کا چرچا انھیں کے ناز کی باتیں — مگر کہنے کو اب بھی داستاں ہے داستاں میری

تھی جو ذروں پہ طبیعت ترے دیوانوں کی — دھجیاں خوب اڑیں آج گریبانوں کی
بادیہ گرد رہوں کیوں۔ راز بھی کیوں ہو افشا — یہ تو عادت ہے فقط قیس سے دیوانوں کی
یہ بھی خواہش ہے کہ ہم خود بھی تمہیں ہو جائیں — شدتیں دل میں ہیں۔ مچلے ہوئے ارمانوں کی

گھٹا ہے برق ہے۔ ساقی ہے مے ہے یار نہیں — اگرچہ کچھ نہیں حاصل بجز غبار نہیں
زمانے بھر میں تو شہرہ ہے میری رندی کا — میں حسبِ شوق مگر پھر بھی بادہ خوار نہیں
ہمارا جینا ہی کیا اور ہمارا مرنا کیا — جئیں تو گھر نہیں مر جائیں تو مزار نہیں
ابھی تو گویا میں دنیا ہی میں نہیں آیا — یہ دن جو ہجر کے ہیں زیست میں شمار نہیں
کتابِ عشق کے سارے ورق الٹ ڈالے — کہیں پہ مسئلہ جبر و اختیار نہیں
شبِ وصال ہے لیکن ادب ہے مانعِ وصل — سب اختیار ہے اور پھر کچھ اختیار نہیں

اضطرابِ دلِ پُرشوق سے مجبوری ہے — عشق والوں کے لئے قرب میں بھی دوری ہے
کلفتِ بُعد ہے لیکن گلہ بُعد نہیں — اللہ اللہ یہ کیا عالمِ مجبوری ہے

ﮦ باباجانؒ نے فرمایا دیکھئے گلے لگتے وقت ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ دیکھنے کے لئے دور ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح آئینہ میں خود کو نہیں دیکھ سکتے تاوقتیکہ آئینہ سے دوری نہ ہو۔ (مرتب)

وہ تمنا نہیں جو خوگرِ تسلیم نہ ہو — وہ محبت نہیں جس کو گلہ دوری ہے
مذہبِ عشق میں دعوائے محبت ہے حرام — حالِ صورت سے جو کھل جائے تو مجبوری ہے

اب تک تو تمنائیں میرے لئے سب کچھ تھیں — اب ترکِ تمنّا پر الفت مری نازاں ہے
تدبیر کی محتاجی اب میری بلا جانے — جو درد بھی ہے میرا مستغنیٔ درماں ہے
اِک عقدۂ مشکل ہے یہ سلسلۂ حاجب — باطن ترے گیسو ہیں ظاہر شبِ ہجراں ہے

ہے تڑپنے کی اجازت ہمیں مرنے کی نہیں — جان دینا یہ سمجھتے تھے ہم آساں ہوگا
آج ہیں طالبِ گل ان سے ہوں اور حشر کے دن — ان کو مجھ سے گلۂ تنگیٔ داماں ہوگا
اس کے رحمت کے مقابل تو نہ ٹھہرا کچھ بھی — ہم سمجھتے تھے کہ کچھ دفترِ عصیاں ہوگا

جنوں زدوں کو ہلا آکے کیا بیاباں میں — پھنسے ہیں مرحلۂ دامن و گریباں میں
ترے خیال نے پہونچا دیا گلستاں میں — بہار خود چمن آرا ہے میرے داماں میں
وہ جن سے روح پر اک وجد ہو گیا طاری — نہ جانے دل میں یہ اسرار تھے کہ پیکاں میں

نظر آتا ہے دل مستغنیٔ دنیا و دیں مجھ کو — محبت نے کہیں سے جیسے پہونچا یا کہیں مجھ کو
محیط ان مست نظروں کا اگر جادو نہیں مجھ کو — تو آتی ہے نظر ہر چیز کیوں آخر حسیں مجھ کو
یہ کیا جادو کیا تو نے کہ شیریں ہو گئی تلخی — برابر "ہاں" کہے ہے اے فتنہ گر تیری "نہیں" مجھ کو

درد پایا اور دردِ لا دوا — اے دلِ بیتاب اب کیا چاہیئے
یہ بہاریں سب کی قسمت میں نہیں — تیر اُن کا دِل ہمارا چاہیئے

ایک دنیا طالبِ دیدار ہے — کس طرف دیکھیں وہ دیکھا چاہیئے

علاج آخری اب تو یہ کر رہا ہوں میں — انھیں سے وصل کی تدبیر پوچھتا ہوں میں
کسی ادا سے سہی کچھ تو آشنا ہوں میں — نہ کیوں حریصِ ستم ہائے برملا ہوں میں
نہ جانے تیری محبت کا ہوگا کب احساس — ابھی تو اپنی محبت پہ جھومتا ہوں میں

کون سا نغمہ یہ آخر مری آواز میں ہے — جس کی تاثیر سے ہر موئے بدن ناز میں ہے
سُن لیا تیرا سخن گوشِ محبت کے طفیل — میں سمجھتا تھا کہ آواز ابھی ساز میں ہے
مرحبا مجھ کو یہ دولت کہ تری ملک ہوں میں — کیا عجب ذوقِ غلامی جو مرا ناز میں ہے

محبت کی باتیں محبت کی گھاتیں — انہیں سے میں اب پوچھنے جا رہا ہوں
مجھے کیا خبر کوئی جذبہ کہیں کو — لئے جا رہا ہے چلا جا رہا ہوں
ارے شوق ظالم سنبھلنے دے مجھ کو — حدودِ ادب سے بڑھا جا رہا ہوں

یا تو مری طرف ہی نہ دیکھا کرے کوئی — دیکھے تو پھر نظر نہ چرایا کرے کوئی
ہر اک نظر حجاب ہے، ہر دید ہے ندید — اللہ کس طرح انھیں دیکھا کرے کوئی
آنکھوں سے دیکھنے کا جو امکان ہی نہیں — کیوں یاد ہی کو دید نہ سمجھا کرے کوئی
جی چاہتا ہے ہم کو بھی یہ شان ہو عطا — ہم روٹھ جائیں ہم کو منایا کرے کوئی
اپنی طرف بلانا وہی کھینچنا وہی — اس شان سے تو روز ہی روٹھا کرے کوئی

مہجور بھی ہم رہ کے محبت میں نہ ہاریں — آباد رہیں اُن کے تصوّر کی بہاریں

ہم کو یہی کیا کم ہے کہ کہتے تو ہیں اپنا
اب چاہے بگاڑیں ہیں وہ چاہے سواریں

میدانِ محبت تو انہیں کا ہے مگر ہاں
ہم اپنی طرف سے تو نہ ہارے ہیں نہ ہاریں

وہ نگاہوں سے مستتر بھی ہے
اور پھر دل میں جلوہ گر بھی ہے

کامراں ہو کے بھی مگر ہر ایک
نامرادی پہ نوحہ گر بھی ہے

عشق خود ہی شجر ہے خود ہی گُل
اور خود عشق کا ثمر بھی ہے

نہ ارمانوں کے جمگھٹ ہیں نہ درمانوں کی فکریں ہیں
تمہارا نام رٹنا بس ہمیں یہ کام آتا ہے

نہ اپنا حق کوئی اے دل نہ تدبیر دل سے کچھ حاصل
محبّت میں فقط ان کا کرم ہی کام آتا ہے

ارے او فتنہ گر دل۔ دیکھ یہ نادانیاں کیسی
گِلے شکوے سے تیرے۔ ان کے سر الزام آتا ہے

کہاں کی عقل کیسا ہوش کیا تدبیر۔ کیا فکریں
محبّت میں تو اے یارو جنوں ہی کام آتا ہے

ہزاروں منتوں کی سیج پر سوتا ہے دلِ احسن
تصوّر میں جب اُس رنگیں نظر کا نام آتا ہے

یہ گلدستہ محبت کی چمن بندی کا حاصل ہے
تڑپ ہے۔ درد ہے۔ فریاد ہے بیتابیٔ دِل ہے

زمانہ بھر کے فتنوں کا سبب یہ فتنہ گر دِل ہے
نہ مجنوں ہے نہ لیلیٰ ہے نہ پردہ ہے نہ محمل ہے

کوئی بحرِ محبت سے بھلا کیوں پار ہو جائے
یہاں موجیں ہی موجیں ہیں نہ کشتی ہے نہ ساحل ہے

عشق میں ہم نے یہ اک فتنہ نیا دیکھا ہے — کرمِ یار باندازِ جفا دیکھا ہے
دل سے کیوں اُنس ہے مجھ کو نہیں معلوم مگر — آپ کی یاد کو اس دل میں چھپا دیکھا ہے
نہیں معلوم ہے کیا چیز پسندیدۂ حُسن — ہمنے دیوانوں ہی میں اس کو سدا دیکھا ہے

الفت یہ ہے کہ جان بھی اپنی گنوائیے — بَل ابروؤں پہ بھول کے بھی پر نہ لائیے
ممکن نہیں کہ اُن سے کبھی پیش پائیے — کہتے ہیں چوٹ ہے تو ہمیں دل دکھائیے
اتنا سا دل دیا بھی تو بدلہ ملے گا کیا — ہم تو یہ جانتے ہیں کہ سب کچھ گنوائیے
بے ہوش ہو کے ہوش سے فرصت تو مل گئی — للہ اب تو ہوش میں حسن نہ آئیے

انسان جو یہ سمجھے۔ اس نے تجھے سمجھا ہے — نادانی ہے نادانی۔ دھوکا ہی یہ دھوکا ہے
کس نے تجھے سمجھا ہے۔ کس نے تجھے جانا ہے — ہر ایک نے بے سمجھے بے جانے ہی جانا ہے
جب مان لیا تجھ کو۔ تب جان لیا تجھ کو — جس نے تجھے مانا ہے۔ اس نے تجھے جانا ہے
کیوں ہمکو نہ وجد آئے اس خوبیِ قسمت پر — اللہ کے سب کوئی۔ اللہ ہمارا ہے

کوئی کسر ضرور ہے اب کے برس بہار میں — سیکڑوں پڑے بچ رہے دامن تار تار میں
گل یہ کبھی ملا ہوا الجھا کبھی ہے خار میں — دل کا عجیب حال ہے آپ کے انتظار میں
آپ کی چیز۔ ہے حضور آپ کے اختیار کی — دل ہو خدانخواستہ کیوں مرے اختیار میں

ہٹنے ہی نہ دے ہم کو بس راہ محمدؐ سے — ہر دم یہ دعائیں ہیں اللہ محمدؐ سے
اے کاش وہ دن آتے ہم مانگتے کچھ جا کر — درگاہِ محمدؐ میں اللہ محمدؐ سے
مانگیں گے بس اب ہر دم۔ مانگیں گے بس اب ہر دم — ہم چاہ محمدؐ کی۔ اللہ محمدؐ سے

گہے دیوانہ می رقصم گہے ہشیار می رقصم — گہے بے بادہ می رقصم گہے مے خوار می رقصم

سراپا درد می باشم بگر سرمست می باشم — بقلبِ خوں چکاں با دیدۂ خوں بار می رقصم

نمی رقصم بشوقِ خود نمی رقصم بہ ذوقِ خود — بہ یادِ یار می رقصم برائے یار می رقصم

کوئی امید نہیں ہوش کبھی آنے کی — کیا ہے قسمت میں نہ جانے ترے دیوانے کی

اسکو سمجھائے جو وہ خود ہی دیوانہ ہو جائے — اللہ اللہ یہ شانیں ترے دیوانے کی

اب یہ تا حشر سر ناز اٹھانے کی نہیں — عقل کمبخت ہے روندی ہوئی دیوانے کی

یوں ہی شاید اُسے گن لے کوئی انسانوں میں — اس لیئے آیا ہے ناصح ترے دیوانوں میں

جان دینا وہی جلنا وہی چپ رہنا وہی — سب وہی شمع کے انداز ہیں پروانوں میں

بدتر از کافر و زندیق ہے کمبخت احسنؔ — لوگ پھر بھی اسے گنتے ہیں مسلمانوں میں

محبت دونوں عالم میں یہی جاکر پکار آئی — جسے خود یار نے چاہا اسی کو یادِ یار آئی

تری محفل تبسم آفریں ہے خندہ پرور ہے — وہاں سے چشمِ شوق آئی تو پھر کیوں اشکبار آئی

شبِ تاریکِ ہجراں مرحبا رعنائیاں تیری — بہ شانِ زلفِ یار آئی بہ یادِ زلفِ یار آئی

تمنا کیلئے ہر موسم خزاں ہے فتنہ در داماں — محبت کہتی ہے آئی بہار آئی۔ بہار آئی

غرورِ حسن کے آغوشِ رنگیں میں بہ ناز آئی — محبت ان کی محفل سے جو آئی نے نواز آئی

محبت کیلئے گویا بہارِ دلنواز آئی — بایں انداز بزمِ حسن سے خوشبوئے ناز آئی

مرے احساس میں بالا تھے ہر احساس سے احسنؔ — وہ لمحے جب مجھے خوشبوئے یارِ دلنواز آئی

محبت کے یہ معنی ہیں محبت راز ہو جائے
یہاں پہونچے اگر انسان بے آواز ہو جائے
نہیں معلوم کب سننے میں ان کے بول آ جائیں
محبت کرنے والا گوش بر آواز ہو جائے
دعا احسنؔ کی ہے اللہ میں ہی اسکا ہو جاؤں
جو یہ ممکن نہیں میرا وہ جانِ ناز ہو جائے

التفات اُنکا برنگِ ناز تڑپانے میں ہے
تجھ کو لے دل عذر ہی کیا اب تڑپ جانے میں ہے
کوئی حسن راز یہاں میرے تڑپانے میں ہے
ورنہ میرا ذوق کیوں نازاں تڑپ جانے میں ہے
ساتھ اس کے جل رہا ہے ایک شہر آرزو
بزم میں پروانہ ہے یا بزم پروانے میں ہے
شمع اسکی گود میں وہ شمع کی آغوش میں
اب نہ جانے حسن ہے یا عشق پروانے میں ہے

کچھ ہاتھ اگر آئے اس کو بھی گنوانا ہے
اس راہ میں اے احسنؔ پانا بھی نہ پانا ہے
اے دل رہِ الفت میں یہ جان کے جانا ہے
یا ہوش گنوانا ہے یا جان گنوانا ہے
درد اور دلِ عاشق کا بھی ساتھ پرانا ہے
جو ان کو جُدا کرنا چاہے وہ دوانا ہے

اللہ کے ہوتے ہوئے کس بات کا غم ہے
کیا میرے لئے وہ کسی تدبیر سے کم ہے
غم ہوتا ہے اللہ سے دوری کے سبب سے
اللہ سے جس دل کو تعلق ہے چہ غم ہے
غفلت جو تمہیں ہے غمِ عقبیٰ سے تو آخر
احسنؔ غمِ دنیا سے کمر کیوں تری خم ہے

ہوگا نتیجہ میرا کیا ڈھونڈوں گا کون راستہ
عشق جو میرا ہو گیا حُسن خدانخواستہ
لائے کہاں سے حوصلہ عشق مقابلے کا ہائے
حُسن کی جو ادا ہے وہ فتنۂ تازہ خواستہ
حُسن کی فتنہ پروری کے لئے راہیں بیشمار
عشق کے واسطے فقط ایک وفا کا راستہ

جانِ عالم

کوئی میرا اے جانِ عالم نہیں ہے
مگر تو ہے میرا تو کچھ غم نہیں ہے

محبت نہ ہونے کا گر غم نہیں ہے
تو جینا بھی مرنے سے کچھ کم نہیں ہے

تری یاد دل میں تری یاد لب پر
جو یوں موت آئے تو پھر غم نہیں ہے

کسی بے نظر کو یہ پہچان کیا ہے
کہ وہ زلف پُر خم ہے برہم نہیں ہے

دو عالم کے سارے حسینوں میں کوئی
تری طرح اے جانِ عالم نہیں ہے

بہارِ لکھنؤ

احسن ہے اور یاد بہارانِ لکھنؤ
فردوسِ دنیوی ہے گلستانِ لکھنؤ

لے جا رہی ہے واں کشش دل مری مجھے
اللہ رے زورِ جذبۂ پنہانِ لکھنؤ

کس درجہ دلنواز ہے یہ خاکِ پاک بھی
ہے صبحِ عید۔ شامِ پریشانِ لکھنؤ

باب ۱۴:

حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کا تذکرہ

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھ کے رہنے والے ہیں۔ اور بڑے صاحبِ درد و محبت بزرگ ہیں۔ حضرت مولانا وارث حسن صاحب سے بیعت ہیں مولانا سید بدر علی شاہ صاحب سے صاحبِ اجازت ہیں جو مجاز تھے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحب کے فیض سے پرتاب گڈھ، الہ آباد اور گرد و نواح کا گوشہ گوشہ انوار سے جگمگا رہا ہے۔ اور مخلوق خدا حضرت مولانا کے کلام و معارف سے سیراب ہو رہی ہے۔ بابا صاحب بھی چونکہ پرتاب گڈھ ہی میں قیام رکھتے تھے۔ لہذا حضرت مولانا سے بڑے گہرے تعلقات رکھتے ہیں۔ بابا صاحب فرماتے ہیں کہ مولوی محمد احمد صاحب بڑی بزرگ ہستی ہیں۔ سبحان اللہ خلوت میں جلوت میں سوتے میں جاگتے میں، اٹھائیس برس تک تقریباً میرا ان کا ساتھ رہا۔ میں نے اس شخص کو اللہ والا پایا۔ میں نے کبھی کوئی غلط یا قابل اعتراض بات ان میں نہیں دیکھی۔ اور ادائے حقوق کا اتنا لحاظ اور محبت اتنی جس کی کوئی تھاہ نہیں۔ اسی وجہ سے میرے دل میں ان کی عظمت تو میں نہیں جانتا کہ ہے یا نہیں مگر محبت تو اتنی ہے کہ حد نہیں اور عظمت وظمت کیا چیز ہے محبت کے آگے۔ ارے یہی اصل چیز ہے۔ م ح ب ت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ بقول ہمارے حضرت کے۔ اجی محبت کا کوئی قانون نہیں بابا صاحب فرماتے ہیں کہ انسان ہونا اصل کام ہے اور میں نے لیے ایک سو ایک فیصدی خوب گھس کر۔ رگڑ رگڑ کر، اگر پایا ہے تو مولوی محمد احمد کو۔ کوئی ان کا جواب نہیں۔

ان کی انسانیت کو اپنے سامنے رکھتا ہوں تو اپنے سے شرم معلوم ہونے لگتی ہے۔ اپنے حضرت کو چھوڑ کر کہتا ہوں اور حضرت کا مقابلہ ہی کیا۔ بادشاہ اور خادم کی نسبت ہی کیا۔ باقی اور کوئی نظر میں آتنا نہ جچا۔ میں نے انہیں خوب رگیدا۔ جان بوجھ کر نہیں۔ بس رگڑ ہو گئی مگر ہمیشہ پکا پایا۔ میرے خیال میں اس وقت سارے ہندوستان میں ان کا نظیر نہیں ہے۔ اخلاق ان کے بڑے کامل اور اعلیٰ درجے کے ہیں اور یہی بڑی بات ہے۔ ورنہ عبادت تو اور لوگ بھی کر لیتے ہیں۔ بلکہ جمادات و نباتات۔ بھی اپنے طور پر کر لیتے ہیں۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ ایک دن ان کی مجلس میں اُن کے پیر بھائی بھی بیٹھے تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ان سے کہئے کہ یہ بیعت کیا کریں۔ مولوی محمد احمد صاحب میری طرف دیکھنے لگے، تو میرے مُنہ سے بے ساختہ تقریباً غیر ارادی طور پر یہ شعر نکلا۔

احمدؔ[1] تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار

دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

اس واقعہ کے بعد انھوں نے دس پندرہ سال تک کسی کو مرید نہیں کیا اس کے بعد ایک دن میرے جی میں خود ہی آیا تو میں نے کہا کہ اب آپ مرید کیا کیجئے تو پھر کرنا شروع کر دیا۔ عجیب شخصیت ہیں۔ ایسے بھی واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان پور۔ پرتاب گڈھ۔ الہ آباد وغیرہ کے تکوینی انتظام بھی ان سے متعلق ہیں۔ اس کی تائید میں ایک واقعہ بھی ہے ایک صاحب پرتاب گڈھ میں ملازمت کے طالب تھے ان کا کچھ تعلق مقام مئوائمہ سے بھی تھا۔ تو وہ صاحب میرے پاس آئے میں نے

---

[1] یہ شعر حضرت احمدؒ جام کا ہے جو ایک بزرگ گذرے ہیں حسنِ اتفاق ہے کہ مولوی محمد احمد صاحب کو بھی عام طور پر لوگ احمد میاں کہتے ہیں۔

کہاکہ تم مولوی[لہ] عبدالرحمٰن صاحب کے پاس جاؤ۔ جب وہ صاحب مقام مئو ائمہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پاس پہنچے تو انھوں نے یہ سوال کیا کہ تم کہاں ملازمت چاہتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے پرتاب گڈھ میں درخواست دی ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ بھائی تم مولوی محمد احمد صاحب سے ملو۔ ان صاحب نے میرا حوالہ دیتے ہوئے جواب دیا کہ انھوں نے مجھے پہلے ہی مولوی محمد احمد صاحب سے ملا دیا ہے۔ اس پر مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ پھر کیا ہے۔ انشاءاللہ کام ہو جائے گا۔ چنانچہ دو ایک ہی دن میں ان صاحب کی تقرری ہو گئی۔

بابا صاحب نے فرمایا بے عیب ذات اللہ ہی کی ہے۔ انسان سے خطا ضرور ہوتی ہے اور گناہ بھی ہو جاتے ہیں۔ تفصیلی طور پر ایک مدت تک بے تکلفی کے ساتھ جاننے کی وجہ سے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کے فضل کے اس بھروسہ پر کہ میرا نیک گمان غالباً ثم غالباً صحیح ہے کہ دنیا میں اور ہماری محدود دنیا میں بھی اللہ کے ایک سے ایک اچھے بندے موجود ہیں مگر ہر ایک کے متعلق تفصیلی جزیات کا تجربہ نہیں ہے۔ لہٰذا تقریباً حسن ظن کے طور پر ان کی بڑائی اور بھلائی اور ساری خوبیوں کو یقین اور تسلیم کرتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مجدد تھانوی نے حیوۃ المسلمین میں جس اسلامی ضابطہ حیات کی تعلیم و ترغیب فرمائی ہے بفضلہ تعالیٰ مولوی محمد احمد صاحب کی زندگی اس کا عملی نمونہ ہے۔ قلباً مولوی محمد احمد صاحب کے

[لہ] یہ ایک عالم اور فقیر منش شخص تھے۔ جو حضرت مولانا تھانویؒ کے خلفا میں سے تھے۔ اور ان کی متقیانہ عالی ظرفی کا یہ عالم تھا کہ اپنے والد کے ایک یا کئی لاکھ کے اثاثوں میں چونکہ ان کو کسی کمترین درجہ میں شبہہ تھا۔ ایک پیسہ نہیں لیا۔ اور فقر و فاقہ اور تنگی کی زندگی پر قناعت کی۔

اور اللہ کے درمیان کیا معاملہ ہے یہ اللہ جانے اور مولوی محمد احمد صاحب جانیں مگر اپنا ذوق تو یہ کہتا ہے۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاں این جاست

حضرت مولانا محمد احمد صاحب شاعری بھی کرتے ہیں۔ بطورِ نمونہ چند اشعار پیش ہیں

داستاں عشق کی ہم کس کو سنائیں آخر
جس کو دیکھو وہی دیوار نظر آتا ہے

دلِ مضطرب کا یہ پیغام ہے — تیرے بن سکوں ہے نہ آرام ہے
تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے — یہی بس محبت کا انعام ہے
ترا عشق شاید ابھی خام ہے — جو آغاز میں فکرِ انجام ہے

جب تک فنائے رائے کی ہمت نہ پائیے
کیوں آپ اہلِ عشق کی محفل میں آئیے

نہیں دیکھی جس نے زمین محبت
وہ دیکھے گا کیا آسمانِ محبت

قیس بیچارہ رموزِ عشق سے تھا بے خبر — ورنہ اس کی راہ میں ناقہ نہیں محمل نہیں
لطف جنّت کا تڑپنے میں جسے ملتا نہ ہو — وہ کسی کا ہو تو ہو لیکن ترا بسمل نہیں

وہی مقامِ محبت ہے حضرتِ احمد جہاں کوئی بھی سوا ان کے یاد آ نہ سکے
نہیں ہیں جو ترے دیوانے آجتک وہ کبھی خوشی میں رو نہ سکے غم میں مسکرا نہ سکے

باب ۱۵

بزرگانِ دین سے ملنا اور دُعائیں لینا

بابا صاحب فرماتے ہیں میں بہت بزرگوں کے پاس گیا ہوں اور خوب دعائیں ان کی لی ہیں۔ کوئی حد و نہایت نہیں۔ مگر میرا میلان کسی کی طرف بھی نہیں ہوا مگر بے ادبی نہیں ہوئی۔ حاشا و کلّا۔ کوئی تحقیر یا تردید دل میں نہیں آئی اور ہو گا ہم سے کیا مطلب۔ بزرگ ہیں دعائیں دیں گے۔ اسی طرح میں مولانا عین القضاۃ صاحب کے پاس بھی کئی مرتبہ گیا ہوں۔ بلکہ ان کے والد سید وزیر علی شاہ کو بھی میں نے خوب دیکھا ہے۔ اپنے بچپن میں میں دیکھا کرتا تھا کہ سیّد وزیر علی شاہ صاحب ٹوکری لئے ہوئے عین دوپہر کے وقت گولہ گنج میں۔ جہاں پُرانا ندوہ ہے خاتون منزل ہے ایک بکر قصاب کی دوکان پر گوشت لینے آتے تھے۔ بہت وجیہہ آدمی تھے۔ سفید داڑھی تھی۔ بچپن ہی میں سُنا تھا کہ صاحبزادے کے ہوتے ہوئے بھی کھانا خود پکاتے تھے۔ ممکن ہے پکانے کا شوق ہو۔ وہ جس مکان میں مدفون ہیں اسی میں اخیر اخیر میں وہ اور مولانا عین القضاۃ صاحب رہا کرتے تھے اور مولانا عین القضاۃ صاحب تو اس مکان میں گویا خلوت نشین تھے، ایک بار مجھ کو والد صاحب ان کے یہاں لے گئے تھے۔ کسی کو اجازت نہ تھی۔ مگر والد صاحب سے تعلقات تھے۔ والد صاحب کے چچیرے بھائی مولوی محمد سلیم صاحب ان کے شاگرد بھی تھے۔

والد صاحب نے میرے متعلق ان سے کچھ کہا۔ انھوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیں۔ مولانا کے والد سید وزیر علی شاہ کے کمرے میں نہ معلوم کتنے نقشے لگے ہوئے تھے، معلوم نہیں کیا کیا تھے۔ ہم نے والد صاحب سے پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا۔ "تم کیا جانو" ہم چپ ہو گئے۔ چونکہ زبردست عامل تھے میرا خیال ہے ان کا جواب نہیں تھا ہندوستان میں یہ سب اسی سلسلے کے نقشے ہوں گے، سننے میں آیا تھا کہ مولانا عین القضاۃ عملیات پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے باپ سے اس معاملے میں اختلاف تھا۔

باب ۱۶

زیارتِ مقدسین در مکشوفات

بابا صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں الہ آباد گیا غالباً ۱۹۳۵ء کا زمانہ تھا۔ مولوی محمد احمد صاحب اور ان کے معتقدین بھی میرے ساتھ تھے۔ ظہیر الدین صاحب اسلامیہ کالج الہ آباد کے پرنسپل تھے، محلہ دریا آباد میں رہتے تھے۔ ان ہی کے یہاں مولوی محمد احمد صاحب ٹھہرے تھے۔ چائے وائے پینے کے بعد جانا تھا مجھے کیٹ گنج چھوٹے بھائی کے یہاں ملنے کے لئے۔ غرضکہ سیدھے راستے پر ہو لئے راستے میں کسی نے مولانا محمد احمد صاحب سے کہا کہ شاہ محب اللہ شاہ صاحب کا مزار راستے میں پڑے گا وہاں بھی ہو لیں۔ محب اللہ شاہ ہمارے سلسلہ کے بزرگ ہیں۔ شاہ جہاں کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ میں نے ان کے خطوط دیکھے ہیں جو دارا شکوہ نے انھیں بھیجے ہیں۔ اور معارف و حکم تصوف کے پوچھے ہیں جن کا انھوں نے جواب دیا ہے۔ میں نے پڑھے ہیں۔ سمجھ میں تو کچھ آیا نہیں۔

صاف بات یہ ہے کہ کوئی زبردستی معانی نکالے تو نکالے ورنہ سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں۔ تو کسی نے کہا کہ ان کے مزار ہو لیں۔ میرے دل میں آیا مجھے ان سے کیا لینا دینا ہے۔ دینے والا تو اللہ ہے۔ تھوڑی دور پہنچے ہوں گے کہ دیکھا ایک بہت بڑا سا پھاٹک ہے۔ جب آگے بڑھے تو بلا کسی ارادے کے سیدھے جا کر ان کے مزار پر کھڑے ہو گئے۔ جب پہنچے تو خیال آیا کہ ان کا مزار ہے۔ خیر ہم نے کچھ قرآن شریف پڑھا۔ ان کے سینے کے پاس کھڑے ہو گئے۔ بس جھٹ سے آنکھیں غیر اختیاری طور پر بند ہو گئیں۔ دیکھتے ہیں کہ مزار کا تو کہیں پتہ نہیں۔ ایک صاحب ہیں جیسے کوچ پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں۔ اس قدر حسین۔ اس قدر حسین۔ اس قدر حسین۔ اور آنکھیں تو ایسی ظالم جس کی کوئی حد نہیں۔ داڑھی کے بال کچھ سیاہ کچھ اس قدر سفید کہ اللہ اکبر۔ تو مجھے یہ خیال آیا کہ میں نے ابھی ان کی نفی کی تھی تو مجھ سے ناراض ہوں گے۔ یہ خیال آنا تھا کہ وہ مسکرانے لگے۔ اتنے میں لوگ پہنچے شور مچانے لگے۔ دھکم دھکا ہوا۔ چلو ختم ہو گیا قصہ۔ میں نے اپنے حضرت کو یہ قصہ لکھا تھا۔ حضرت نے تصویب فرمائی۔

۲۔ بابا صاحب فرماتے ہیں کہ اسی طرح حضرت شیخ علی ہجویری کی زیارت ہوئی۔ ان کے مزار پر گئے جن کو داتا دربار کہتے ہیں۔ میں داتا دربار نہیں کہتا میرا داتا صرف اللہ ہے۔ مگر ایک مرتبہ غالباً ۱۹۶۲ء میں میرا جانا لاہور ایک دعوت کے سلسلہ میں ہوا۔ بالکل مزار کے قریب کے محلے میں جانے کا اتفاق ہوا تو کسی نے کہا کہ بھائی اب تو نہ جانا ظلم ہے تو میں چلا گیا۔ وہاں مجمع تھا۔ ہم جا کر کھڑے ہو گئے پھر جگہ ملی تو سرہانے پہنچ گئے۔ یہاں بھی آنکھیں جھٹ سے بند ہو گئیں۔ ہم سچ کہتے ہیں۔ دیکھا جیسے صندوق کا ڈھکن کھلتا ہے

کھلا اور ایک صاحب عالمانہ مکلف لباس پہنے ہوئے پگڑی باندھے ہوئے آئے اور فرمایا۔ اخاہ۔ آپ آگئے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

۳۔ بابا صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ منوّرہ حاضر ہوا تو رخصتی کا سلام عرض کرنے مواجہ شریف پر پہنچا مواجہ شریف پہنچتے ہی حجابات اٹھ گئے اور میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مخاطب کرکے فرما رہے ہیں کہ رستے کیوں ہو ہم بھی تمہارے ساتھ چل رہے ہیں حضورؐ احرام میں تھے۔ میری تسلی ہوگئی حجابات پھر حائل ہوگئے۔ اس وقت مجھ سے کچھ اشعار بھی ہوگئے تھے۔ افسوس کہ اس کاغذ کو گھر میں بچے نے پھاڑ ڈالا دو شعر یاد رہ گئے۔

ظن فیض کرم یار نے سونے نہ دیا	گد گدا کر گلِ بے خار نے سونے نہ دیا
تاب لا ہی نہ سکے ہائے مرے قلب و دماغ	ہیبت انجمن یار نے سونے نہ دیا

۴۔ بابا صاحب نے فرمایا مجھے مکاشفات ان گنتی ہوئے ہیں اور اگر زیارت ہو جائے تو مکاشفہ نہیں تو اور کیا ہے۔ الحمد للہ کہ اگر میں تھوڑی دیر خاموش بیٹھوں تو ایک مبہم سا نقشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کا میرے سامنے آجائے گا۔

۵۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ یاد تھی تو خواب میں قصیدہ بانتُ سعاد کے چند شعر جو مجھے یاد تھے۔ میں زور زور سے پڑھنے لگا۔ اس کے بعد مجھے فکر ہوئی کہ حضورؐ کے سامنے تو آہستہ سے بولنا چاہیئے لیکن میں زور سے چلایا۔ اب کیا ہوگا۔ اپنے حضرت کو لکھا جواب آیا کوئی فکر کی بات نہیں۔ انسان خواب میں غیر مکلف ہوتا ہے۔

۶۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ جماعت کھڑی ہونے والی تھی۔ بیٹھے بیٹھے کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد میں جس جگہ امام کھڑا ہوتا ہے وہاں امام کے سامنے کے رُخ پر ایک دروازہ کھلا اور حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم صحن کی طرف تشریف لا رہے ہیں. حضورؐ کے ہمراہ داہنی طرف ہمارے حضرت بھی ہیں اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بھی کھڑکی کے پاس پیچھے تھے اور مسجد کے اندر کے حصے میں ایک کونے میں ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب نظر آئے اور ایک کونے میں ہمارے امام[1] صاحب مولوی کریم جان صاحب تھے۔ اتنے میں موذن نے تکبیر شروع کر دی اور ہم سب لوگ جماعت کے لئے کھڑے ہو گئے۔

۷۔ بابا صاحب فرماتے ہیں پرتاب گڈھ کا واقعہ ہے کہ ایک دن میں تنہا لیٹا ہوا تھا۔ اور یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

تصور کی دیکھو تو معجز نمائی کہ مجھ پر تمہارا گمان ہو رہا ہے
چڑھی ہے کچھ ایسی کہ تیور تو دیکھو جواں آج پیر مغاں ہو رہا ہے

اچانک آسمان پر ایک تخت معلق دیکھا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ بیٹھا ہوا پایا۔ یہ منظر ذرا اوجھل ہوا تو پھر دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کرسی پر تشریف فرما ہیں اور حضورؐ کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہمارے حضرتؒ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے حضرتؒ کی عمر کوئی پندرہ سولہ سال کی معلوم ہو رہی ہے جب یہ منظر ختم ہوا تو میری زبان پر اوپر والے شعر کے دو مصرعے اور وہ بھی اس طرح رہ گئے تھے۔

تصور کی دیکھو تو معجز نمائی جواں آج پیر مغاں ہو رہا ہے

میں نے یہ واقعہ اپنے حضرت کو تھانہ بھون لکھا۔ جواب آیا تم کو بھی مبارک مجھ کو بھی مبارک۔

۸۔ بابا صاحب فرماتے ہیں کہ میں سچ کہتا ہوں۔ چاہے غلط ہو مگر میں سب کا حلیہ بیان کر سکتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا۔ حضرت

---

[1] امام جامع مسجد اقصےٰ نمبر ۲ ناظم آباد۔

عثمان غنیؓ کا حضرت علی مرتضیٰؓ کا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا۔ خواجہ اجمیریؒ کا۔ ارے مجھ پر گذر چکی ہے جانے کیا کیا۔

۹۔ بابا صاحب نے فرمایا ایک مرتبہ ہم نے گیارھویں کا بہت رد کیا بہت رد کیا۔ اس میں ہماری زبان سے نہ معلوم کیا کیا نکل گیا۔ کہیں بے ادبی نہ ہو گئی ہو وہ ہمارے اعتقاد کی کمزوری تھی۔ خیر یہی سب سوچ رہا تھا کہ اچانک آنکھ بند ہو گئی مگر جاگ رہا تھا۔ دیکھا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی آئے اور فرمایا۔ بیٹا شاباش بابا صاحب آگے فرماتے ہیں کہ میں آپ سے کہتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو اس سے دور رکھے ہوں۔ ورنہ ابھی آپ کے سامنے جانے کون کون آکر کھڑے ہو جائیں۔

۱۰۔ محلہ کی جس مسجد میں بابا صاحب آج کل نماز پڑھتے ہیں۔ اسی میں دو بار ایسا ہوا کہ بابا صاحب نماز فجر کے لئے انتظار جماعت میں مسجد میں بیٹھے ہیں۔ اتنے میں ساری مسجد روشنی سے بھر گئی۔ بابا صاحب فرماتے ہیں میں گھبرا گیا کہ کہیں سورج تو نہیں نکل آیا۔ کہ نمازِ فجر ہی قضا ہو گئی ہو۔ خیر چند منٹ کے بعد موذن نے تکبیر کہی اور جماعت کھڑی ہو گئی اور وہ روشنی غائب ہو گئی۔

۱۱۔ ایک مرتبہ اسی محلہ کی مسجد میں انتظار جماعت میں بیٹھے بیٹھے کیا دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ احرام باندھے ہوئے ہیں۔ ریش مبارک سیاہ ہے [illegible] پیچھے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ خواجہ معین الدین چشتی اور غالباً حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم

۱۲۔ اواخر اپریل ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے کہ بابا صاحب تنہا اپنے کمرے میں بیٹھے تھے کہ اتفاقاً نظر دروازے کی طرف اٹھی تو دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمرے میں داخل ہو رہے ہیں۔ ساتھ میں بابا صاحب کے بھتیجے جناب محمد نصیر احسن[1] بلال صاحب بھی ہیں

[1] ان دنوں جناب نصیر احسن بلال صاحب سقوط ڈھاکہ کے بعد ہندوستان میں محصور تھے

حضورؐ نے عربی میں ارشاد فرمایا جئت مع بلالك یعنی میں تمہارے بلال کے ساتھ آیا ہوں۔ بلال صاحب نے حضورؐ کی اجازت سے بابا صاحب کو اپنے گھر والوں سے متعلق ایک خط دیا جس میں یہ بھی تنبیہ تھی کہ بابا صاحب کا کہنا مانا کرو۔ بابا صاحب فرماتے ہیں گو میں نے یہ خط پڑھا نہیں مگر میرے دل میں اس وقت یہی بات آئی بابا صاحب آگے فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہات اس بندۂ ناچیز کے علاوہ بلال پر بھی ہیں اور ایسا معلوم ہوا جیسا یہ کنایہ ہے کہ اس وقت تو بلال کو محض دکھانے کے لئے لائے ہیں۔ پھر انشاء اللہ آجائیں گے نیز یہ بھی محسوس ہوا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نہیں مگر اطمینان دلایا ہے خاص طور پر مبین کے لئے اور سب بچوں کے لئے بھی ؎

درود اس پر سلام اس پر تصدق میری جان اس پر
وہ جس کا ہم عناں کوئی نہیں اوجِ رسالت میں
(احسن)

باب ۱۷:

انعاماتِ الٰہیّہ

۱۔ بابا صاحب فرماتے ہیں کہ میرے بھائی کے بڑے لڑکے ہندوستان سے آکر برسوں لاہور رہے مگر کبھی کراچی مجھے خط نہیں بھیجا۔ برسوں کے بعد خط آیا۔ بڑی شرمندگی کا جس میں انھوں نے لکھا کہ پہلے میری دین کی حالت خراب تھی شرم کی وجہ سے خط نہ لکھا جاتا تھا۔ مگر ایک مرتبہ میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین بار کلمہ پڑھوایا۔ اب میری دین کی حالت بہتر ہوگئی لہٰذا خط لکھ سکا۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ مجھ پر حضورؐ کی بڑی نظرِ کرم ہے۔

۲۔ جناب قیصر صاحب مالک پاک شاہین ٹریڈنگ کارپوریشن نے بتایا کہ بابا صاحب کو آنکھ کے آپریشن کے بعد خواب آور گولیاں ڈاکٹر منہاس کو متعدد بار دینی پڑیں، حالانکہ دوسرے مریض صرف ایک خوراک میں سو جاتے ہیں۔ اس پر خود ڈاکٹر کو بھی تعجب تھا۔ اور ڈاکٹر کی رائے یہ تھی کہ چونکہ حضرت بابا صاحب کی روحانی قوت انتہا پر ہے اس لئے مادیت ان پر کم اثر انداز ہوتی تھی۔

۳۔ حسب معمول احقر کاتب الحروف بابا صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ فرمایا آج تمہیں کچھ کھلانے کو جی چاہتا ہے۔ اتفاقاً بابا صاحب کی بہن صاحبہ جو کافی دور رہتی ہیں تشریف لائیں۔ بابا صاحب کی مزاج پرسی کے لئے اور اپنے ساتھ برف ملائی لیکر آئیں۔ کیلے سے تیار کیا ہوا تھا۔ بہت لذیذ۔ بابا صاحب نے ایک

پیالے میں مجھے لاکر دیا اور کہا کھائیے۔ میں تو سوچ ہی رہا تھا کہ آپ کو کچھ کھلاؤں
مگر کچھ تھا ہی نہیں کھلاتا کیا۔ احقر کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ ہے۔

تو چنیں خواہد خدا خواہد چنیں
می دہد یزداں مراد متقیں

۴۔ فرمایا کہ قیصر صاحب کا خط آیا ہے مکہ سے لکھا ہے کہ میں نے حرم میں
حالت اعتکاف میں آپ کو خواب میں دیکھا اور قاری یعقوب صاحب کا بھی خط
آیا ہے لکھا ہے کہ میں نے مسجد نبوی میں بیداری میں رمضان کے مہینہ میں آپ کو دیکھا

۵۔ فرمایا لکھنؤ میں میرے ایک دوست تھے اسکول اور کالج دونوں جگہ میرا
ان کا ساتھ رہا۔ مذہباً وہ شیعہ تھے میرے ساتھ ان کی محبت بڑی مخلصانہ تھی
اور تقریباً ان کے آخر وقت تک قائم رہی۔ ہم لوگ اسکول میں نویں دسویں
درجے میں پڑھتے تھے۔ اور عرف عام میں جس کو (JOINT STUDY) ساتھ ساتھ
پڑھنا کہتے ہیں کیا کرتے تھے۔ ان کے بزرگوں میں ایک صاحب تھے جن کا نام غالباً
نواب مشکور الدولہ سید حیدر جان خاں تھا۔ جو واجد علی شاہ کے دربار میں شاہی عکاس تھے
میرے دوست نے مجھ کو بہت سی تصویریں دکھائیں شاہی خاندان کے مختلف افراد
کی۔ بادشاہ کی اور امرار کی۔ اور یہ دیکھنا کئی بار ہوا۔ ایک مرتبہ ایک ایسا اتفاق
ہوا کہ وہ بڑے شوق سے یہ کہکر کہ آج آپ کو ایک عجیب چیز دکھائیں۔ ایک چھوٹا سا
صندوقچہ لے کر آئے۔ اس میں چھوٹے بڑے چوکور شیشے کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے
اور یہ ٹکڑے اصل میں NEGATIVE (جس سے تصویر چھاپی جاتی ہے) تھے نگیٹو
(NEGATIVE) میں نقشہ تو آجاتا تھا مگر رنگ روپ نہیں۔ انھوں نے بڑے اہتمام
سے مجھ کو ایک نگیٹو (NEGATIVE) اٹھا کر دیا کہ پہچانو یہ کس کی تصویر ہے۔
آدھے دھڑ کی تھی اور کمر سے کسی قدر نیچے تک کا نقشہ تھا۔ لباس ایسا تھا جیسا عموماً

لکھنؤ میں شیعہ مجتہدین کا ہوتا ہے۔ انھوں نے بار بار مجھ سے کہا پہچانو میں نے کہا بھائی میں کیا پہچانوں معلوم نہیں کس کا نقشہ ہے کہنے لگے اچھا میں بتلاتا ہوں یہ فوٹو رسول اللہ کا ہے۔ سنتے ہی مجھ پر جنون سوار ہو گیا۔ میں نے کہا نعوذ باللہ۔ لاحول ولا قوت الا باللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کا کوئی مرقعہ نہ ہے۔ نہ ممکن ہے۔ اور اس زمانہ میں عکاسی کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ میں نے کہا یہ بالکل فرضی ہے میرے جنون پر اور جنون سوار ہوا۔ میں نے کہا دیکھو میں ایک جہاد کرتا ہوں وہ کہنے لگے وہ کیا۔ میں نے کہا دیکھو یہ اور ایسے میرے بائیں ہاتھ میں جو نیگے ٹیو (NIGATIVE) تھا اسے دائیں ہاتھ سے گھونسہ مار کر توڑ دیا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ میں نے اس شخص کو بہت ملامت کی کہ شرم نہیں آتی کہ سید تو اپنے کو کہتے ہو اور تمہارے یہاں ایسی چیز۔ وہ بیچارہ چپ ہو گیا۔ الحمد للہ اس صورت کا کوئی دوسرا نیگے ٹیو (NIGATIVE) نہیں تھا۔ اب یہ خیال آتا ہے کہ شیشہ میں نے اپنے ہاتھ پر توڑا۔ شیشہ چکنا چور ہو گیا مگر اللہ کے فضل سے میرے ہاتھ پر خراش تک بھی نہیں آئی۔

۶۔ جناب قیصر صاحب مالک پاک شاہین ٹریڈنگ کارپوریشن نے بتلایا کہ میں اپنے لڑکے کو لیکر مختلف بزرگوں کی خدمت میں دعا کرانے کے لئے پہونچا۔ کسی نے نماز روزے کی تلقین کر دی۔ کسی نے فیشن چھوڑنے کے متعلق نصیحت کر دی مگر جب باباصاحب کی خدمت میں پہونچا تو صرف یہ فرمایا کہ بیٹا بڑوں کی بے ادبی نہ کرنا۔ میں چونک پڑا کہ یا اللہ دعا تو یہی کرانے چلا تھا۔ مگر کسی بزرگ نے اس پر تنبیہ نہ کی حالانکہ اس لڑکے میں یہی خرابی سب سے زیادہ ہے باپ کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے۔ ماں کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے۔ بزرگانِ دین کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے۔ خود باباصاحب کو بھی کہہ ڈالتا ہے

۷۔ جناب محمد خاں خورجوی صاحب نے بتلایا کہ میرے خاندان والے ہمیشہ سے حضرت مولانا تھانوی صاحب قدس سرہٗ کے نہ صرف معتقد بلکہ ان سے منسلک بھی رہے ہیں۔ فالحمد للہ یہاں تک کہ میری والدہ کا عقد بھی حضرت اقدس قدس سرہٗ نے ہی پڑھایا تھا۔ میں اعتقاداً انوان حضرات مقدسین کا حلقہ بگوش تھا ہی۔ بلکہ اس سلسلہ کے دیگر بزرگوں مثلاً مکرمی ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب و مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ کی خدمت میں گاہے بگاہے حاضر بھی ہوا کرتا تھا مگر کمی اتنی تھی کہ میں نماز و روزے کا مستقل اور باقاعدہ پابند نہ تھا کسی وقت کی پڑھی تو کسی وقت کی چھوڑ دی اپنی زندگی یوں ہی لہو ولعب میں گذرتی تھی ایک دن کا واقعہ ہے کہ ہم چند دوستوں نے یہ پروگرام بنایا کہ کل اتوار کو فلاں دوست کے مکان پر تاش کھیلا جائیگا چنانچہ ہر طرف سے لوگ جمع ہونا شروع ہوئے میں بھی اپنے گھر سے روانہ ہوا۔ جب بابا صاحب کے آستانے سے میری بس گذری تو دل میں خیال آیا چلو بابا صاحب کا نیاز بھی حاصل کرتے چلیں۔ یہ خیال دل میں اس لئے آیا کہ ابھی ہفتہ بھر پہلے مجھے میرا چھوٹا بھائی الیاس احمد خاں اپنے ہمراہ بابا صاحب سے تعارف کرانے لایا تھا تو بابا صاحب کی شفقت بھری باتوں نے میرے دل میں ایسی جگہ کر لی تھی کہ بابا صاحب کو بار بار دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔ غرضیکہ میں آکر بابا صاحب کی خدمت میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ حاضرین میں سے ایک صاحب سے مخاطب ہو کر بابا صاحب نے فرمایا کہ لوگوں کو تاش کھیلنے میں مزہ آتا ہے یہ بھی ایک قسم کی وقت کی اضاعت ہے اتنی دیر اللہ کی یاد کریں۔ بابا صاحب کی بات کا یہ جملہ کان میں پڑنا تھا کہ سارے جسم میں جیسے بجلی کی لہر دوڑ گئی اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ اشارہ میری ہی طرف ہے

چنانچہ اس کا یہ اثر ہوا کہ نہ صرف اس دن بلکہ ہمیشہ کے لئے ان خرافات سے میں دور رہنے لگا اور اللہ کا شکر ہے کہ اب میں نماز و روزے کا باقاعدگی سے پابند ہوں اور فیض صحبت سے عقائد صحیحہ میں تو اس قدر پختگی پیدا ہو گئی ہے کہ بڑے سے بڑا عالم بھی اس کے خلاف کہے تو ذرا بھی ہٹ نہیں سکتا۔ انشاء اللہ

۸۔ محمد خان خورجوی صاحب نے بتلایا کہ میرا چھوٹا بھائی الیاس جو ہندوستان سے ویزا لیکر آیا ہوا تھا اپنا زیادہ وقت بابا صاحب ہی کی خدمت میں گذارتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ رکشا میں سوار ہو کر بابا صاحب کی خدمت سے واپس اپنے گھر جا رہا تھا جس وقت اس کا رکشا ایک شاہراہ سے گذر رہا تھا اچانک ایک ٹرک قریب سے گذرا۔ ٹرک کے پہیئے کے نیچے پتھر کا ایک ٹکڑا اس طرح سے آگیا کہ پہیئے سے چٹک کر بندوق کی گولی کی طرح رکشا کے اندر آکر پردے کی دیوار کو چیرتا ہوا باہر چلا گیا اور میرے بھائی کا چہرہ صرف دو ایک انچ بچا ورنہ سر پھٹ جاتا۔ اُدھر تو یہ حادثہ ہوا تھا ادھر بابا صاحب بیٹھے بیٹھے معاً چلائے کہ ارے بچ گیا بچ گیا۔ ارشاد خاں نے جو اس وقت مجلس میں حاضر تھے۔ پوچھا کہ بابا کون بچ گیا۔ فرمایا الیاس بچ گیا۔ جب ارشاد خاں واپس گھر آئے تو انھوں نے میرے چھوٹے بھائی سے کہا کہ آج بابا صاحب نے بیٹھے بیٹھے اچانک کہا کہ ارے بچ گیا بچ گیا اور میرے پوچھنے پر تمہارا نام لیا۔ تو میرے چھوٹے بھائی نے اپنا پورا واقعہ بتلایا۔

۹۔ ارشاد خاں صاحب نے بتلایا کہ ایک مرتبہ میں ایسا بیمار پڑا کہ رشتہ دار پرائیویٹ ڈاکٹروں کے علاج سے مایوس ہو کر مجھے اسپتال میں داخل کرنے کی فکر کرنے لگے مگر میں اسپتال میں کسی بھی صورت میں داخل ہونا نہ چاہتا تھا غرضکہ ایک طرف میرے تیمارداروں کا داخلے کے لئے اصرار دوسری طرف میرا انکار۔

مجھے بڑا اندیشہ تھا کہ کہیں میرے تیمار دار زبردستی ہی مجھے اسپتال میں داخل نہ کر دیں کیونکہ میں اتنا بیمار اور کمزور تھا کہ بالکل بے بس تھا۔ بڑی کشمکش کی حالت تھی کہ اچانک بابا صاحب کا ایک قاصد یہ پیغام لیکر پہونچا کہ ارشاد ہرگز ہسپتال میں داخل نہ کئے جائیں سب مجھے حیرت تھی کہ بابا صاحب کو کیسے معلوم ہوا کہ میرے گھر میں یہ گڑبڑ مچی ہوئی ہے۔ بہرحال میں نہ صرف اسپتال میں داخل ہونے ہی سے بچا بلکہ جلد ہی شفایاب ہو کر تندرست ہو گیا

۱۰۔ ارشاد خاں صاحب نے بتلایا کہ میں تیاری نہ ہونے کی وجہ سے ایم۔ اے (فائنل) کے امتحان میں بیٹھنے کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ بابا صاحب سے ذکر آیا تو فرمایا امتحان دو۔ اللہ مالک ہے۔ میں نے عربی کا مضمون اس لئے لیا تھا کہ کم پڑھنا پڑے گا کیوں کہ اس مضمون کی کتاب صرف ایک بتائی گئی تھی مگر بعد میں جب تیاری کی غرض سے امتحان سے تین روز پہلے کتابیں دیکھیں تو معلوم ہوا کہ چار کتابیں خاصی ضخیم ہیں۔ پاس ہونا ممکن نہ تھا۔ بابا صاحب سے ذکر کیا تو فرمایا امتحان دو غرضکہ امتحان کے لئے امتحان کے کمرے میں پہونچا جب پرچہ ملا تو کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کافی دیر تک بیٹھا رہا۔ کہ اچانک محسوس ہوا کہ بابا صاحب میری میز کے پاس کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کیوں نہیں لکھتا عرض کیا کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ فرمایا کہ کتاب میں سے لکھ۔ دیکھا تو شرح میز پر موجود ہے۔ میں نے پرچہ حل کیا اور اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوا۔ یہ تو امتحان کے کمرے میں ہو رہا تھا۔ اور ادھر بابا صاحب اپنے کمرے میں عین اسی وقت حاضرین مجلس سے فرما رہے تھے کہ ارشاد کا پرچہ ٹھیک ہو گیا۔

۱۱۔ خالد حسین صاحب جو حبیب بنک میں ملازم ہیں انھوں نے کہا کہ ایک دن میرے والد صاحب فرمانے لگے کہ عبدالوحید خاں صاحب سے میرے بڑے

پرانے تعلقات ہیں۔ یہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں۔ جب خانصاحب سے ملا تو انھوں نے فرمایا کہ چلئے آج آپ کو ایک بزرگ بابا نجم احسن صاحب کی خدمت میں لے چلوں میں ان کے ساتھ چلا۔ راستے میں اتفاقاً ایک خیال دل میں آیا کہ وہ شخص کتنا خوش قسمت ہے جس کو یہ شرف حاصل ہو جائے کہ وہ عین حالت نماز میں انتقال کرے۔ خیر ہم لوگ بابا صاحب کی خدمت میں پہنچکر بیٹھ گئے۔ عبدالوحید خاں صاحب نے میرا تعارف کرانا شروع ہی کیا تھا کہ بابا صاحب نے فرمایا کہ بھائی میں نے تو انھیں اس وقت دیکھا تھا جب یہ چھ سال کے تھے۔ میں نے دل میں یہ سوچتے ہوئے کہ بھلا چھ سال کی عمر میں مجھ کو بابا صاحب کیسے دیکھ سکے ہوں گے۔ عرض کیا کہ حضرت میرے بڑے بھائی کو آپ نے دیکھا ہوگا۔ فرمایا نہیں بھائی میں نے تم ہی کو دیکھا تھا اور تمہارے والد افتخار حسین صاحب اس وقت لکھیم پور میں ڈپٹی کلکٹر تھے میں حیرت میں تھا کہ یا الٰہی چھ سال کی عمر کے بعد آج مجھ کو بوڑھے ہونے کی حالت میں دیکھ رہے ہیں اور پہچان رہے ہیں علامات سب صحیح بتلا رہے ہیں۔ خیر تعارف کے بعد جو سب سے پہلی بات فرمائی وہ یہ تھی کہ ایک وقت کی نماز ادا کر لینے کے بعد جو وقت دوسری نماز کے انتظار میں گذرتا ہے وہ بھی نماز ہی میں شمار ہوتا ہے اور اگر انسان اسی انتظار کی حالت میں انتقال کر جائے تو گویا عین حالتِ نماز میں ہی انتقال کیا۔ اس کو وہی شرف حاصل ہوگا جو نماز کی حالت میں انتقال ہونے کی صورت میں ہوتا۔ یہ بات بابا صاحب نے اس وقت فرمائی جبکہ مجلس میں اس قسم کا کوئی ذکر نہ تھا۔ غرضکہ میرے دل کی بات کے متعلق میری تسلی ہوگئی۔

۱۲ - کاتب الحروف کے دوست نسیم الدین صاحب ہمسایہ تھے بابا صاحب کے جب بابا صاحب پرتاب گڈھ میں رہا کرتے تھے۔ نسیم الدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ بابا صاحب نے پرتاپ گڈھ میں ۱۹۲۰ء سے رہائش اختیار کی۔

وہاں ایک صاحب تھے جن کا نام رادھے بہاری مصرا شاد تھا۔ مصرا صاحب ایک بڑے رئیس اور ایڈوکیٹ تھے۔ بڑے ہی قابل شخص تھے۔ انگریزی اور فارسی میں تو عبور حاصل تھا۔ اردو میں بھی خاصی مہارت تھی اردو میں شاعری بھی کرتے تھے۔ شاد تخلص تھا۔ ذیل میں ان کی نعتیہ غزلوں کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

جو ذکر نبی صبح دم کر رہے ہیں | وہ سامان عشرت بہم کر رہے ہیں
طوافِ حرم آج ہم کر رہے ہیں | کہ یادِ نبی دم بدم کر رہے ہیں
نہ چھیڑو ہمیں یادِ احمدؐ میں یارو | کہ ہم سیرِ باغِ ارم کر رہے ہیں
اگر ہم کہیں جانِ ایماں ہیں احمدؐ | تو سمجھو کہ تعریف کم کر رہے ہیں
وہ پردے میں جا کر بھی امت پہ اپنی | کرم کر رہے ہیں کرم کر رہے ہیں

نذرِ شاد بحضور محبوب رب العباد

ہمارے محمدؐ کا کیا مرتبہ ہے | خدا جانتا ہے خدا جانتا ہے
وہ عاشق ہوا عشق ممتاز جس سے | حقیقت میں معشوق عاشق نما ہے
دکھے دل کی فریاد کا سننے والا | نہ احمدؐ سا ہوگا نہ کوئی ہوا ہے

مکینِ مدینہ کے در پر کھڑا ہوں | یہ کیونکر بتاؤں کہ میں آج کیا ہوں
وہ کیا تھے میں کیا ہوں یہ جب سوچتا ہوں | تو اپنی غلامی پہ میں جھومتا ہوں
کیا جس نے اخلاقِ عالم پہ احساں | یہ انصاف والوں سے میں پوچھتا ہوں
ظہورِ محمدؐ نے کیا کر دکھایا | یہ تم دیکھتے ہو یہ میں دیکھتا ہوں
سعادت سمجھتا ہوں میں شاد اس کو | کہ اک ذاکرِ احمدؐ مجتبےٰ ہوں

شاؔد صاحب کا روزانہ کا معمول تھا کہ نماز عصر سے لیکر نماز عشار تک بابا صاحب کی خدمت میں حاضر رہتے اور شعر و سخن کا چرچا رہتا تھا وہ کبھی کبھی بابا صاحب کو اپنی بگھی میں بٹھا کر مسجد لے جایا کرتے اور جب تک بابا صاحب نماز پڑھتے رہتے شاؔد صاحب مسجد سے باہر انتظار کیا کرتے ۔ بابا صاحب سے بڑی ہی محبت رکھتے تھے چونکہ شاؔد صاحب کے والد ایک متعصب ہندو تھے اور غالباً انھیں شاؔد صاحب کا بابا صاحب کی خدمت میں آنا جانا پسند نہ تھا۔ اس پر شاؔد صاحب کہا کرتے کہ کچھ بھی ہوجاتے مگر میں ان دونوں حضرات یعنی بابا صاحب اور مولوی محمد احمد صاحب سے ہرگز جدا نہیں ہوسکتا ۔ اس پر شاؔد صاحب نے ایک شعر بھی کہا تھا ؎

شاؔد کی احسؔن سے اس درجہ محبت دیکھ کر
لوگ کہتے ہیں کہ لو کافر مسلماں ہوگیا

شاؔد صاحب کبھی کبھی غصہ میں اپنے والد کی طرف اشارہ کرکے کہا کرتے تھے کہ ذرا انھیں مرنے تو دو پھر تو میں بابا صاحب کو اپنے گھر لے جاکر رکھوں گا۔ شاؔد صاحب میں بابا صاحب کی فیض صحبت سے اسلام کی ایسی رغبت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ بڑی قوت کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ توحید صرف اسلام میں ہے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر ہندوؤں کو یہ بھی شبہ ہونے لگا تھا کہ شاؔد صاحب کہیں مسلمان نہ ہوجائیں۔

۱۹۴۴ء میں بیچارے بڑے سخت بیمار پڑگئے۔ علاج کے لئے لکھنؤ گئے ۔ وہاں سے بھی بابا صاحب کو بار بار بلاتے رہتے اور بابا صاحب گاہے گاہے جاتے بھی رہتے ۔ اخیر میں جب ذرا زیادہ بیمار پڑگئے اور بابا صاحب کو بلانے کا تار بھی بھیجا مگر بابا صاحب ابھی لکھنؤ نہ پہونچنے پائے تھے کہ شاؔد صاحب کا انتقال ہوگیا ۔

حافظ یحییٰ صاحب ایک دن بابا صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بڑے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ شاؔد صاحب کی لاش کو جلانے کے لئے جس وقت ٹکٹکی پر سے

چادر ہٹائی گئی لاش غائب تھی چنانچہ صرف کپڑا جلایا گیا۔

باب ۱۸

بشارت منامیہ

۱۔ بابا صاحب نے فرمایا سرمد ایک مجذوب تھے ننگے پھرا کرتے تھے جب لوگوں میں ان کے متعلق ہنگامہ ہوا تو اورنگ زیب نے ایک کمیشن بٹھا دیا۔ اس میں علمائے دین تھے اور اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا

بر سرمدِ برہنہ کرامات تہمت ست
کشفے کہ ظاہرست از دکشفِ عورت است

میں نے اس پر کہا تھا کہ اگر میں اس وقت ہوتا تو گردن اڑا دیتا۔ دوسرے دن مولوی محمد احمد صاحب نے مجھ سے کہا کہ مجھے ایک پیغام پہنچانا ہے۔ وہ یہ کہ رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں دہلی گیا ہوں سرمد صاحب کے مزار پر۔ تو مزار تو غائب ہے سرمد صاحب وہاں کھڑے ہیں۔ السلام علیکم۔ وعلیکم السلام۔ پھر اور باتیں بھی ہوئیں۔ میں نے کہا مجھے جلدی ہے۔ جانا ہے۔ اتنے میں کچھ بھک منگے آئے، اور مولوی صاحب سے کچھ مانگنے لگے تو سرمد نے کہا چلو بھاگو یہاں سے یہ ہمارے مہمان ہیں۔ باتوں میں خلل مت ڈالو۔ مولوی صاحب رخصت ہونے لگے تو سرمد صاحب نے فرمایا کہ دیکھئے نجم احسن صاحب سے میرا اسلام کہدیجئے گا اور کہہ دیجئے کہ ہم کو بھی اب حکم آگیا ہے۔ تبلیغ کا۔

بابا صاحب فرماتے ہیں کہ میری سمجھ میں اس کا مطلب یہ آیا ہے۔ یہ جو ننگے وننگے ہوں گے۔ یہ اب مجذوب نہ ہوں گے فی زمانا اگر کہیں ہوتے ہوں تو

ہوتے ہوں، میں نے تو یہی نتیجہ نکالا ہے ویسے واللہ اعلم، اور بھائی معلوم ہو تو کیا۔ نہ معلوم ہو تو کیا۔ ہم کو سرمد پر ایمان لانا تو ضروری نہیں ورنہ پھر سارے ہی بزرگوں کو جاننا پڑے گا) میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ مصر میں لاکھوں بزرگ گذرے ہیں مگر ہم کسی کا نام جانتے ہیں؟ اسی طرح اصفہان میں تیونس میں۔ اسپین وغیرہ میں۔ مگر لوگوں نے چند بزرگوں کو چھانٹ لیا ہے کہ یہ شاہ عبدالقادر جیلانی ہیں۔ یہ خواجہ اجمیری ہیں۔ یہ بوعلی قلندر ہیں۔ یہ بابا فرید ہیں۔

۲۔ قاری ریاض الحق[۱] صاحب نے فرمایا کہ دسمبر ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کے سلسلے میں بابا صاحب کے بھتیجے جناب محمد نصیر احسن بلال[۲] صاحب بھی ہندوستان کے قیدی بن گئے تھے جو اُن دنوں ڈھاکہ میں کنٹرولر آف ملٹری اکاؤنٹ تھے۔ اس خبر کا بابا صاحب پر طبعی اثر تھا۔ ایک رات تہجد کے وقت جاگتے میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہمراہی میں حضرت

۱۔ قاری ریاض الحق صاحب مولانا تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور بڑے متقی انسان تھے ایک دیندار شخص نے خواب دیکھا کہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا انتقال ہوگیا ہے۔ صبح ہوئی تو قاری صاحب کی انتقال کی خبر سنی۔

۲۔ الحمد للہ کہ جناب محمد نصیر احسن بلال صاحب بعافیت آخری ہفتہ رمضان ۱۳۹۳ھ یعنی اخیر اکتوبر ۱۹۷۳ء میں پاکستان واپس آگئے ؎

شکر للہ کہ میانِ من و او صلح فتاد ٭ حوریان رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند

بابا صاحب نے اُن کی آمد پر تاریخ واپسی کہی ہے۔ **باآبلال غم محزوں**
۱۳۹۳ھ

اسی طرح حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانوی نے تاریخ واپسی پر یہ دو عبارتیں کہی ہیں۔
نقل قال اللہ جل اسمہٗ۔ فاستجاب لہٗ ربّہٗ فصرف عنہ کیدھن
۱۹۷۳ء
قال جل اسمہٗ۔ فصرف عنہ کیدھن انہٗ ھو السمیع العلیم
۱۳۹۳ھ

تھانوی صاحب قدس سرہٗ بھی ہیں فرمایا کہ گھبرانے کی کیا بات ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔

۳۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ حاجی بندو خاں ہمارے حضرت کے خدام میں سے ہیں۔ انھوں نے حضرت کو خواب میں دیکھا کہ حضرت میرے متعلق فرما رہے ہیں کہ دین کی اچھی خدمت ہو رہی ہے۔ بابا صاحب نے آگے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ان بشارات سے عقیدہ میں تو کیا فائدہ ہوتا ہے۔ الحمد للہ وہ تو پختہ ہے۔ البتہ حال و کیف میں فائدہ ہو جاتا ہے

۴۔ بابا صاحب نے فرمایا سلامت اللہ صاحب علیگڈھی ہمارے حضرت سے بیعت ہیں۔ ان کو میری یہ غزل بہت پسند ہے۔

ہونٹوں کا تبسم یاد آیا آنکھوں کا تبسم یاد آیا
آواز کے نغمے یاد آئے لہجے کا ترنم یاد آیا

غالباً مارچ ۱۹۷۰ء کا واقعہ ہے کہ ہمارے حضرت سلامت اللہ صاحب کے خواب میں آئے اور فرمایا کہ بھائی تم تو آنکھوں کے تبسم اور ہونٹوں کے تبسم میں غرق رہو ہم پڑھتے ہیں کہ:-

محمدؐ کا اللہ ہے میرا رب ؛ مرا رب محمدؐ کا اللہ ہے

بابا صاحب نے فرمایا کہ میرا پہلا شعر سلامت[1] اللہ صاحب کے ذوق کے مطابق ہے۔ اور میرا دوسرا شعر حضرت کی شان کے مطابق ہے۔ معنی یہ بھی نکلے کہ حضرت کو وہ پہلا شعر بھی پسند ہے کیونکہ نکیر نہیں فرمائی اور

---

[1] اتفاق سے سلامت اللہ صاحب تحریر ہٰذا کے وقت (اگست ۱۹۷۲ء میں) بابا صاحب کی خدمت میں بغرض زیارت آئے ہوئے تھے انھوں نے اس خواب کے علاوہ ایک واقعہ اپنا اور بھی بیان کیا جس کا اس جگہ نقل کر دینا خالی از نفع نہ ہوگا کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ غیر اختیاری طور پر زبان پر از گروہ انبیاء اشرف علی آنا شروع ہو گیا میں بار بار اس کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر قابو نہ پا سکا جب حالت فرو ہوئی تو میں فوراً محترمی ڈاکٹر عبدالحی صاحب کی خدمت میں پہنچا حال عرض کیا۔ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

پھر یہ واقعات ہیں (جنکا ذکر باب شعروسخن نیز باب پیر و مرشد سے تعلق میں تفصیلاً گذر چکا ہے)

۵۔ بابا صاحب کا یہ شعر ؎

سوا اس کے ہر بات بےراہ ہے ٭ محمدؐ کا اللہ اللہ ہے

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے بھتیجے کو بہت پسند تھا جو ملاجیون کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ انہیں بہت پڑھا اور سنا کرتے۔ دن میں ایک دو بار پڑھ لینا عام بات تھی۔ ملاجیون صاحب یوں تو گاہے بگاہے بابا صاحب کی خدمت میں آتے ہی رہتے تھے مگر ایک دن نجم بابا کہتے ہوئے ایسا آئے کہ پھر واپس نہ گئے اور مستقلاً یہیں رہنے لگے۔ ان پر ایک نیم مجذوبانہ کیفیت طاری رہتی تھی اس لئے جب پہلے کبھی وہ آیا کرتے تو کبھی بابا صاحب کو پہچانتے اور کبھی نہ پہچانتے۔ دنیا کے معاملات میں تو پورا ہوش نہ تھا مگر دین کے معاملہ میں باہوش تھے۔ کوئی کام بغیر بابا صاحب سے پوچھے نہ کرتے تھے کہیں بھی بغیر بابا صاحب کی مرضی کے آتے جاتے نہ تھے۔ تین چار سال بابا صاحب کی خدمت میں رہ کر انتقال کر گئے۔

مولوی محمد قاسم خاں صاحب ایک صاحبِ تقویٰ عالم ہیں جو کہ مسجد محمد علی سوسائٹی کراچی میں خطیب تھے اور اب ٹانگوں سے معذور ہو جانے کی وجہ سے امامت چھوڑ کر اپنے وطن سرحد چلے گئے اور وہاں ایک مدرسہ عربیہ چلا رہے ہیں۔ ان کے خواب اِن ہی کی زبانی ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

خواب اوّل

دیکھا کہ بابا صاحب حسب معمول تکیہ کا سہارا لگائے بیٹھے ہیں گرداگرد حاضرین کی ایک بڑی تعداد ہے بابا صاحب فرما رہے ہیں کہ ہم اس کے سوا کچھ نہیں چاہتے کہ آپ لوگوں کے عقائد و عمل کتاب و سنت کے مطابق ہوں

ہم لوگوں نے کتنے تکلفات کے مکانات بنا لئے ہیں ٹھیک ہے منع نہیں ہے.
حرام نہیں ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور سنّت کی طرف سے توجہ
اور محبت کی کمی ضرور سمجھی جائے گی۔ دیکھئے ایک صحابی نے مکان بنایا۔ اُدھر سے
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ہوا۔ آپ نے پوچھا مکان کس کا ہے۔ لوگوں
نے بتایا کہ فلاں صحابی کا ہے۔ اتنا پوچھ کر حضورؐ تشریف لے گئے وہ صحابی حسب
معمول جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا
تو جواب سے محروم رہے۔ ان صحابی کے دل پر چوٹ لگی لوگوں سے پوچھا تو
لوگوں نے حضورؐ کا مکان کی طرف سے گذرنا اور دریافت فرمانا بیان فرما دیا۔
تو وہ صحابی فوراً گھر واپس آئے اور اپنا مکان گرا دیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا میرا مقصد گرانے کا نہیں تھا بلکہ یہ جو پکا مکان بناتے
ہو اس میں بھلا کب تک رہو گے اپنے آگے کی فکر کرو۔ جہاں ہمیشہ رہنا ہے
اب تو لوگوں نے ہر بات پر تکلف ہی تکلف اختیار کر لیا ہے۔ مکان میں کھانے
پینے میں۔ رہنے سہنے میں ہم لوگوں کو چاہیئے اسوۂ حسنہ یعنی سیرت رسول اختیار کریں
یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کھایا پیا، پہنا، رہے سہے، چلے پھرے، اٹھے
بیٹھے۔ آجکل لوگوں نے غیروں کی پسند کو اپنی پسند بنا لیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی پسند کو چھوڑ دیا ہے۔ دوران گفتگو بابا صاحب نے اچانک فرمایا
اوفوہ! اس پر حاضرین نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو سامنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
تشریف لا رہے ہیں۔ سواری تو کوئی نظر نہیں آئی کہ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
تشریف لائے۔ اندازہ یہ لگ رہا ہے کہ اونٹ پر تشریف لائے ہیں، آتے ہی
السلام علیکم ارشاد فرمایا۔ بابا صاحب سب سے پہلے اُٹھے اور مصافحہ کیا اور
عرض کیا کہ حضورؐ آپ نے بڑا اکرم فرمایا، بڑی عنایت فرمائی کہ قدم رنجہ فرمایا۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ میں خود حاضری دیتا۔ فرمایا بات یہ ہے کہ آپ نے جو اُسوہ حسنہ کی تعریف سیرتِ رسول سے بیان کی مجھے اس قدر پسند آئی کہ میں آپکی دین فہمی کی داد دینے آیا ہوں۔ بابا صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں کیا کروں۔ میرے دل میں یوں ہی آیا ورنہ میں نے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں حاصل کی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر بابا صاحب کی پیٹھ ٹھونکی اس کے بعد بابا صاحب نے تکیہ پیش کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر بیٹھ گئے اور فرمایا لوگو تم سب پر بابا صاحب کا بڑا احسان ہے۔ اور حدیث قدسی ہے کہ جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکریہ ادا نہ کیا۔ حاضرین میں سے ایک وارفتہ حال بولا کہ یا رسول اللہ ہم کیا بلکہ ہماری اولادیں بھی بابا صاحب کا حق ادا نہ کرسکیں گی۔ اس کے بعد بابا صاحب نے حضورؐ سے کچھ شربت نوش فرمانے کے لئے عرض کیا، ارشاد ہوا میرا روزہ ہے۔ عرض کیا افطار کے وقت سہی ارشاد ہوا مجھے جلدی ہی جانا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور جس دروازے سے تشریف لائے تھے اس کے علاوہ ایک دوسرے دروازے سے روانہ ہوئے بابا صاحب نے دروازے کا پردہ اٹھایا۔ حضورؐ نے پھر بابا صاحب کے فہم کی تعریف فرمائی اور رخصت ہونے لگے تو بابا صاحب ملول ہو کر فرمانے لگے کہ اب آپ سے فصل ہو جائے گا۔ ارشاد ہوا کہ یہ معناً وصل ہی ہے۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

خواب دوم

ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت بابا صاحب اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ بھائی میں عمرہ کرنے کے لئے جا رہا ہوں کچھ حضرات نے آپ کو مشورہ دیا۔ کہ آپ ایسے موقع پر جایئے کہ حج بھی ہو جائے اور عمرہ بھی۔ ابھی تو حج کے دن بہت دور ہیں۔ بابا صاحب

نے جواب دیا کہ زندگی کا کیا بھروسہ۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایک دفعہ رب البیت اور دیارِ حبیبؐ کی زیارت پھر کرلیں۔ کچھ خاموشی کے بعد یہ دیکھا کہ بابا صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے ہیں مگر یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ ہم لوگ مکہ میں ہیں یا مدینہ میں۔ حضورؐ کے آس پاس پچاس کا تقریباً مجمع ہوگا۔ آپ کے دائیں بازو میں جناب حکیم الامت محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف رکھتے ہیں۔ جب بابا صاحب حضور کے پاس پہنچے تو حضورؐ کو بڑی عقیدت کے انداز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا اللہ کے رسول عرض کیا اور کہا کہ آپؐ کی کشش کھینچ لائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور آپ سے معانقہ کیا اور مصافحہ بھی کیا اس کے بعد حضرت حکیم الامت اٹھے اور بابا صاحب سے معانقہ کیا۔ کان میں کوئی راز کی بات فرمائی جو کوئی سن نہ سکا۔ مصافحہ کیا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ آپ میرے پاس بیٹھ جائیں۔ اس کے بعد حضورؐ نے بابا صاحب کا تعارف لوگوں سے کرایا اور فرمایا کہ یہ فردِ صالح ہماری امت کے مردوں میں سے ہے ہماری کتاب وسنت کی اشاعت بڑی خوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں جس سے ہمیں بڑی خوشی ہے اور ان کی خوبی یہ ہے کہ عقائد کی تصحیح کے ساتھ نماز کا پابند بننے کے لئے لوگوں کو تاکید کرتے ہیں اور قصے کہانیوں سے بالکل پرہیز کرتے ہیں یہی ہمارا منشا ہے اللہ سے دعا بھی ہے کہ اے اللہ ہماری امت کے لوگوں میں ایسے ہی مردِ صالح پیدا فرماتے رہئے۔ اس کے بعد مجمع میں سے ایک شخص بابا صاحب کی طرف بڑھتے ہیں اور معانقہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس مسئلے کی آپ تاکید کرتے ہیں اس مسئلہ کی تاکید پر ہمیں شہید کیا گیا ہے۔ ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی خدمت کے لئے تادیر زندہ رکھیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ ہمیں امید ہے کہ اشرف علی کے متعلقین میں سے جیسے یہ صاحب ہیں (اشارہ بابا صاحب کی

طرف) ایسے ہی اللہ تعالیٰ قیامت تک کوئی نہ کوئی مرد صالح پیدا کرتے رہیں گے اس وقت حضرت حکیم الامت" حضورؒ کی طرف دیکھ کر عرض کرتے ہیں کہ یہ تو آپ کا حسن ظن ہے ہم لوگوں کے متعلق اتنے میں اذان کی آواز آئی اور آنکھ کھل گئی۔

باب ۱۹

ارشادات عالیہ

۱۔ فرمایا کہ ہر کافر جو صاحب سیاست ہے یہ سمجھتا ہے کہ اہل سنت جب اپنے حق پر متحد ہو جائیں گے تو ہمارے لئے بہت سخت ہوں گے تو کافر چاہتا ہے کہ سنی شیعہ کے آپس میں جھگڑے ہوتے رہیں اور ہمارے کام چلتے رہیں (ایک صاحب نے کہا کہ اہل سنت تو کبھی متحد ہو ہی نہیں سکتے) فرمایا اب تو اہل سنت تو کیا اہل فرض بھی ایک نہیں ہیں۔

۲۔ فرمایا کیا بتائیں اس زمانے میں ایسا ہم لوگوں کی نظروں میں کوئی ہے نہیں کہ ہم کہیں کہ آپ ذرا اس کے سامنے منڈھ جائیں۔ ہوگا کوئی۔ مگر ہم نہیں جانتے ۔ ہیں سب بڑے اچھے محض عالم ہونا کافی نہیں ہے یہاں گنہگار اور چٹیلے (چوٹ کھایا ہوا) کا کام ہے۔

۳۔ فرمایا ہمارا تو یہ حال تھا کہ پہلی بار جب ہم حضرت کے پاس گئے آٹھ دس روز رہے۔ حضرت سے بہت سی باتیں ہوئیں۔ اور نہ سنئے۔ نہ ہم نے کہا کہ ہمیں بیعت کر لیجئے نہ انہوں نے اور انہیں کیا ضرورت تھی۔ واپسی پر لوگوں نے ہم سے بیعت کے متعلق پوچھا تو ہم نے کہا۔ میرے ذہن میں یہ آیا ہی نہیں کہ میں بیعت ہونے کے لئے عرض کر دوں۔ جب لوگوں کے کہنے سے یہ بات

اپنی کوتاہی نظر آئی کہ بیعت کے لئے درخواست بھی نہیں کی تو حضرت کو میں نے عریضہ لکھا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے بیعت کے لئے عرض ہی نہیں کیا۔ درخواست ہی نہیں کی۔ حضرت نے ارقام فرمایا کہ نقصان ہی کیا ہے۔ کام تو ہو رہا ہے۔ اب کے آتا تو بیعت بھی ہو جاتا۔ چنانچہ پھر جو میں گیا تو میں نے درخواست کی۔ حضرت نے میری درخواست منظور فرمائی اور دست بدست بیعت بھی فرمالیا۔

اب اس سلسلے میں ایک بات سمجھ میں آئی ہے کہ حضرت کا مذاق اور معمول یہ تھا کہ عموماً کسی کو فوراً پہلے ہی حاضری میں بیعت نہیں فرماتے تھے۔ چند روز تعلیم و تربیت میں رہ لینے اور مناسبت (طریق اور شیخ یعنی حضرت سے) پیدا ہونے کے بعد بیعت فرماتے تھے۔ اللہ نے یہ کیا کہ میری نادانی (پہلی ہی بار درخواست بیعت نہ کرنا) سبب ہوئی اس برکت کا کہ حضرت کے معمول کے خلاف کوئی بات نہیں ہوئی۔ اور اس سے اور کیا کیا فائدے ہوئے یا ہوں گے اللہ اعلم۔

۴۔ فرمایا ہم لوگوں نے یہ غلط سمجھ رکھا ہے کہ محبت کا دعویٰ کیسا ارے محبت اگر نہیں ہے تو کرنا پڑے گی۔ کیوں۔ اللہ میاں کہتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۔ ایک تو ایمان والوں کا فرض ہوتا ہے۔ دوسرے تصدیق ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی درجہ میں تو ایمان ہمارے پاس ہے ہی۔ مگر محبت کے کیا معنی، محبت کے یہ معنی کہ جیسے ہم کو کسی عورت سے محبت ہے اور وہ مل جائے ہم کو تو جیسے چاہیں رہیں۔ حکومت سے ہم کو محبت ہے جس پر جو چاہیں کریں۔ یہ محبت کہاں ہوئی، یہ تو بھوک ہے یہ تو شہوت ہے۔ محبت کے یہ معنی ہیں کہ محبوب جو چاہے کرے ہمارے ساتھ برتاؤ۔ محبوب جو چاہے گا اختیاری عمل میں ہم وہ کریں گے، اور غیر اختیاری میں جو اس کا تصرف ہوگا اس پر ہم راضی رہیں گے۔ نہیں تو وہ محبت نہیں۔ تجارت ہے۔ محبت کے معنی ہیں کہ

اپنی کوئی رائے نہ ہو ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن   دل بدستِ دگرے دادن و حیراں بودن

سوئے زلفش نگہے کردن و از خود رفتن   گاہ کافر شدن و گاہ مسلماں بودن

کافر کے معنی فنا ہو جانا۔ کہ ہائے ہم ان کی محبت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اجی انھوں نے ہم کو محبت دی ہے کچھ تو ہمارے پاس ہو گا۔ ایمان کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق بالقلب واظہار باللسان کا۔ چنانچہ اگر ایک شخص دل میں تو عقائد صحیحہ رکھتا ہے لیکن قول سے اس کی تصدیق نہیں کرتا تو اس کے ایمان اور اسلام کا اظہار نہ ہوگا۔ اور اس پر مومن یا مسلم ہونے کا حکم نہ لگایا جائیگا۔ یہاں تو یہ حکم ہے کہ کہو ہم ایمان لائے ___ عجیب بات ہے۔ اس کہنے کو لازم قرار دیدیا گیا ہے۔ اور علاوہ انتظام ظاہر کے اس میں ایک بھید یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اللہ کی ایک نعمت ہے۔ سو اس کا اظہار حقیقتاً شکر نعمت اور قدردانی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں) اب ہم سے جب اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہلایا گیا تو گویا ہم نے شَهِدَ اللّٰهُ کی اطاعت کی اور ہمارے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ کو شَهِدَ اللّٰهُ سے حیاتِ ابدی حاصل ہو گئی۔

اگر کوئی بندہ ایسا بیوقوف ہے، ایسا گدھا ہے وہ بندہ ہی نہیں گندہ ہے۔ جس کو اللہ میاں سے نیک گمان نہ ہو، نیک گمان کے قابل کوئی اور ہے ہی نہیں۔ کیوں۔ مثال کے طور پر انسان کو سب سے زیادہ چاہنے والے کون ہیں۔ ماں، باپ مگر چونکہ وہ مخلوق ہیں ان کے ساتھ کا رشتہ جو ہے وہ مخلوق ہے۔ ہماری محبت جو ان کو دی گئی ہے وہ مخلوق ہے۔ تو

اس کے معنی یہ نکلے کہ ماں باپ کی محبت غیر اختیاری ہے۔ عارضی ہے۔ فانی ہے۔ تاثر سے پیدا ہے۔ تو پھر یہ محبت ہی کہاں ہوئی۔ دیکھئے جو محبت ہو جاتی ہے وہ اور ہے۔ مثلاً کسی کو راہ میں دیکھ لیا۔ یا کسی رنڈی سے آنکھ لگ گئی جی بھرا۔ قصہ ختم۔ اور جو محبت کی جاتی ہے وہ فانی نہیں ہوتی جیسی محبت بیوی سے ہے۔ نکاح کر کے لائے ہیں ہمیں نباہنا ہے۔ چاہے جیسی ہو۔ تو محبت کرنا جو ہے وہ اچھی چیز ہے اور محبت ہو جانا حماقت ہے جب آپ اختیار سے ہوش سے حواس سے نیت سے اخلاص سے کلمہ پڑھتے ہیں تو بس محبت کر لی آپ نے ؎

تجارت نہیں یہ محبت ہے احسن
برا کیا اگر میں مٹا جا رہا ہوں

دیکھئے یہ بڑا آسان راستہ ہے۔ صاحب اب تک کافر ہیں۔ اب تک گنہگار ہیں۔ بہر حال رہنا ہے تیرا ہی ہو کر۔ جواب تک نہ تھا۔ اب ہوا جا رہا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ختم قصہ اس سے زیادہ آسان محبت آپ کو کہاں ملے گی۔ دیکھئے جب آپ کسی سے محبت کریں گے اور بے وفائی کریں گے تو وہ کبھی نہ کبھی شکایت ضرور کرے گا۔ ایک تو بھروسہ نہ کرے گا۔ اللہ میاں تو جہاں توبہ کی سب معاف۔ ایسا کریم مطلق۔ ایسا رحیم مطلق۔ ایسا محب جس کی ساری شان محبوبی کی ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں ہم کیا۔

۵۔ ایک صاحب آئے اور جلدی ہی واپس ہونے لگے تو فرمایا۔ ارے بیٹھئے بھی ؎

مے خور مے خور اگر خدا می خواہی
ناکردہ گناہ پیشِ قاضی نہ برند

گناہ نہ کریں تو مزہ ہی کیا ہے۔ مگر گناہ کی تعریف یہ ہے کہ ہو جائے۔ اور انسان رنج اٹھائے کہ ہم نے کیوں کیا۔ اگر رنج نہیں ہے تو وہ گناہ نہیں ہے بغاوت ہے

عزیز کیوں نہ ہو وہ فتنۂ گناہ مجھے
سکھائی توبۂ صادق کی جس نے راہ مجھے

یہ ایک معمولی سی بات سنی ہے لوگوں سے کہ عورت نے اگر خدانخواستہ سبقت اور پہل کی تو انسان کا اس کے دام سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو چھوڑ دیجئے۔ تو یہ گناہ جہاں کمبخت ہماری طرف بڑھا بس اس سے بچنا مشکل ہے ؎

میں اس کے دام میں پھنس جاتا ہوں بآسانی
الٰہی پیار سے دیکھے نہ اب گناہ مجھے

البتہ اللہ میاں حفاظت کریں گے تو بھاگے گا ؎

میں اس کے شر سے بچوں گا اسی طرح احسنؔ
گناہ خود بھی سمجھنے لگے گناہ مجھے

فرمایا ایک عجیب بات ہے ؎

دل میں اک آگ سی بھری ہو اگر ؛ پھر بھی نکلے نہ آہ کیا معنی

میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر میرے بندے گناہ نہ کرتے تو میں ایسی مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی۔ اور مجھ سے استغفار کرتی فرض کیجئے اگر ایک ایسا شخص ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا تو اس کے اعمال صالحہ گناہ ہیں کیونکہ حق ادا نہیں ہو سکتا اعمال کا۔ حق ادا نہیں ہو سکتا۔ مالکِ اعمال کا آمر اعمال کا جو ہمارا آقا ہے تو گناہ تو پھر بھی ہوا۔ حق ادا ہونا تو ممکن ہی نہیں تب ہی تو فرمایا ہے سرکار نے لَا اُحۡصِیۡ ثَنَاءً عَلَیۡكَ اَنۡتَ كَمَا

اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ (اے مولا تیری ثنا، تو مجھ سے ہو نہیں سکتی۔ اپنی ثنا، تو آپ ہی کر سکتا ہے)، ہم تو صرف دہراتے ہیں بلا سمجھے ہوئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کیا جانیں ہم لوگ کہ حمد کیا ہوتی ہے۔

بزرگوں نے کہا ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم   وز ہر چہ دیدہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

انسان اللہ کی معرفتِ کاملہ تک پہونچ نہیں سکتا۔ اب سنئے ہمارا آپ کا خیال ہے کہ اللہ پاک ہے۔ تو پاک کیا معنی۔ کیا گناہوں سے پاک۔ کیا گندگی سے پاک سبحٰن اللہ۔ ارے بھائی ہماری رسائیٔ فہم سے پاک ہے مشابہت سے پاک ہے مثلیت سے پاک ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اور وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

۶۔ فرمایا اہتمام تقویٰ مطلوب ہے لیکن اگر اس پر نظر ہے تو عُجب ہے انا ہے۔ اہتمام تقویٰ ہمارا مزاج ہو جانا چاہئے۔ ہماری عادتِ ثانیہ بن جانا چاہیے کہ احساس ہی نہ رہے کہ ہم اہتمامِ تقویٰ کرتے ہیں۔

۷۔ فرمایا بزرگوں میں جو کامل ہوتے ہیں ان میں اور عام آدمیوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کیفیات کے غلام نہیں ہوتے۔ ان کے محاسن کا ظہور نہیں ہوتا۔ ہاضمہ زبردست ہوتا ہے۔ نہ پیشاب کی حاجت نہ پاخانہ کی، نہ ریاح خارج ہو۔ گویا ہر وقت باوضو رہتے ہیں۔ کہاں سے معلوم ہو کہ یہ کامل ہیں۔ اور ہم لوگ اول تو ناقص ہیں اور اگر ناقص نہیں تو بس شامل ہیں۔

۸۔ فرمایا ایک مرتبہ ایسا لطیفہ ہوا کہ جب میں اپنے حضرت کی خدمت میں پہونچا تو فرمایا اخاہ اور میرا نام لیا مجھے یہ حیرت ہے کہ مجھ ایسے کا نام بھی حضرت کو یاد تھا۔

حضرت کی زبان مبارک سے نام اپنا سنتا تھا کہ مجھ پر ایک مستی کی سی کیفیت ہوگئی اور اس سلسلے میں بڑے عمدہ اشعار ہوگئے تھے۔ کچھ یاد رہ گئے ہیں ؎

اللہ یہ فردوسِ سماعت کی بہاریں — وہ اور مجھے نام سے محفل میں پکاریں
مہجور بھی ہم رہ کے محبت میں نہ ہاریں — آباد رہیں ان کے تصور کی بہاریں

خربوزہ گرے چھری پر یا چھری گرے خربوزے پر کٹے گا خربوزہ ہی متصرف چھری ہوئی۔ تو اصل میں مشیتِ حق ہی کامیاب ہوگی ہم نہیں۔ مگر خربوزے کا جی چاہتا ہے کہ چھری پر گردں۔

میدانِ محبت تو انھیں کا ہے مگر ہاں — ہم اپنی طرف سے تو نہ ہاریں ہنے ہاریں
تو ہی نظرِ بد سے بچا ان کو خدایا — احساسِ محبت کی یہ معصوم بہاریں

۹۔ فرمایا کہ منتہی کی یہی شان ہوتی ہے کہ ہر آن یہی سمجھتا ہے کہ ابتدا ہے وجہ یہ ہے کہ تعلق غیر منتہی سے ہے لہٰذا ہر قدم ابتدا ہے ؎

ہو جائے سہل عشق کا وہ ماجرا نہیں — ہر آن ابتدا ہے کبھی انتہا نہیں
ہمیں تو ہم نشیں ہر وقت چلنے ہی سے مطلب ہے — سفر محدود ہو جس کا اسے ہو فکر منزل کی

اے برادر بے نہایت درگہے الیست
ہر چہ بروے می رسی بروے مایست

منتہی کے معنی اعمال میں پختگی آجانا۔ ورنہ بھائی منتہی کہاں سے ہو گیا۔ اللہ میاں کوئی چھوٹے ہوتے ہیں جو یہ منتہی ہو گیا ؎

نہ حسنت غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستقی و دریا ہم چناں باقی

۱۰۔ فرمایا کہ ہمارے حضرت نے توجہ مشقی کو چھوڑ کر توجہ عشقی کو رکھا بس اسی کے اندر محبت پیدا ہو جاتی ہے توجہ مشقی سے انسان کے اندر ایسی استعداد

پیدا ہو جاتی ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ پر قادر ہو جاتا ہے۔ دنیا میں سب ممکن ہے سوائے نبی و صحابی ہونے کے۔

۱۱۔ فرمایا بھائی ذکر اللہ کا اثر ہوتا ضرور ہے۔ اور بھی سکون ممکن نہیں۔

یہ کیا ہوتا ہے جب لب پر کسی کا نام آتا ہے
نہ جانے کیا نظر آتا ہے آغوشِ تصور میں

تصور میں جب اُس رنگیں نظر کا جام آتا ہے
ہزاروں مستیوں کی سیج پر سوتا ہے دل احسنؔ

جس نے رنگیں نظر دیکھی ہو وہ جانے اور کوئی کیا جانے۔ بغیر محبت پیدا کئے ہوئے بندگی کا مزہ نہیں۔ چاہے گندگی ہو جائے صاف کر لینا۔ ہمارے خواجہ صاحب[1] نے خوب کہا ہے۔

لاکھ جھڑکو اب کہیں پھرتا ہے دل ہو گئی اب تو محبت ہو گئی

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو
درد از یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

کوئی ایسا حسن نہیں جو اُن کے اندر نہ ہو جس کی تجلیات حسین جس کی مصنوعات حسین جس کی مخلوقات حسین ہائے وہ خود کیسا حسین ہوگا۔

چہ باشد آں نگارِ خود کہ بندد ایں نگارہا

۱۲۔ فرمایا ہم آپ سب چاہے جیسے ہوں۔ اللہ کو بڑے پیارے ہیں۔ اللہ کے یہاں دو گھر ہیں ایک حسینوں کا اور دوسرا بے حسینوں کا۔ یعنی جنت و دوزخ ؎

اُن کا سا کچھ ہوئے بغیر ان کا ہو ہم نشین کیوں
اے مرے عشق فتنہ گر تو بھی نہیں حسین کیوں

---

[1] یعنی حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری رح مجذوب

ان تک کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا حسین ہوئے بغیر حسین ہونا یہ ہے کہ انھوں نے جو ہم کو آج ایمان دیدیا ہے محبت دیدی ہے اس میں حسن اخلاص پیدا ہو جائے حسن صدق پیدا ہو جائے۔

آپ جو چاہتے تو کیا ہوتے نہ کچھ حسین اور
بس یہ ادب سے عرض ہے آپ ہی ہیں حسین کیوں

حسین بننے کا طریقہ اللہ نے بتلا دیا ہے کہ ہمارے محبوب کا اتباع کرو حسین بن جاؤ گے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللہ الخ

احسنِ خستہ کے لئے یاد ہی اُن کی ہے حسین
اس کی بلا یہ غم کرے عشق نہیں حسین کیوں

۱۳۔ فرمایا بات یہ ہے کہ اس دنیا میں مشاہدہ ممکن نہیں ۔

آنکھوں سے دیکھنے کا جو امکان ہی نہیں
کیوں یادہی کو دید نہ سمجھا کرے کوئی

۱۴۔ فرمایا ہم لوگوں نے اپنی بے وقوفی سے اللہ میاں کو جابر بادشاہ یا اسی قسم کا کوئی حاکم جلاد سمجھ لیا ہے۔ ارے توبہ کرو۔ میاں ہیں ان کے پاس محبت ہی محبت ہے۔ غضب ان کے اختیار میں تو ہے صفت نہیں ہے۔ اللہ میاں نے کہیں اپنی صفت قرآن شریف میں معذِب نہیں بیان فرمائی۔ غضب کو اپنے سے انتساب کیا ہے باقی رحیم۔ کریم سب ہی ہیں مگر معذّب نہیں ان کی صفت ان کے اختیار میں ہے۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (تیرے رب کی پکڑ بڑی شدید ہے) یعنی یہ تمہارے رب کا عذاب ہے صفت نہیں ہے وہ اس کو معلق کرسکتے ہیں معطل کرسکتے ہیں مگر رحمت تو ان کو کبھی چھوڑے گی نہیں۔ (اختیاراً کیونکہ وہ خود فرماتے ہیں) كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (لکھ دیا ہم نے

لکھدیا ہے اپنے اوپر رحمت کرنا) اور قہار کے معنی غالب کے ہیں وھو القاھر فوق عبادہ۔ قاہر کے معنی ایسا غلبہ جو رتی برابر بھی اس کے خلاف کوئی نہ کر سکے قہار معنی غصہ کرنے والے کے نہیں ہیں۔

۱۵- فرمایا اصغر صاحب گونڈوی مع اپنے شیخ عبد الغنی منگلوری کے بیٹھے تھے کوئی بہت بڑا قوال آیا اور قاضی صاحب سے قوالی سننے پر اصرار کرنے لگا مجبوراً منظور کرلیا بغیر مزامیر کے اس نے اشعار پڑھے بڑا قاتل تھا۔ ہر شخص تڑپتا تھا۔ مگر یہ بڑے میاں جیسے تھے ویسے کے ویسے وتری الجبال تحسبھا جامدۃً الخ (کہ پہاڑ کو تو دیکھتا ہے سمجھتا ہے کہ وہ ڈٹے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادل کی طرح اڑ رہے ہیں) بظاہر ان پر کوئی اثر نہ تھا۔ مگر جب سب لوگ اٹھے تو انھوں نے کہا بابو مجھے اٹھاؤ اتنا ضبط کیا تھا کہ دم ہی باقی نہ رہا تھا (اتنا فرما کر بابا صاحب نے فرمایا کہ بھائی اب میری بھی حالت "بابو اٹھاؤ" کی ہوگئی ہے۔ صبح سات بجے سے مسلسل بیٹھا ہوں اب بارہ بج چکے ہیں۔ (اٹھتے ہوئے فرمایا) یہ واقعہ الہ آباد کا ہے۔ مجھ سے شاکر حسین خانصاحب نے بیان کیا جو اس مجلس میں موجود تھے۔

۱۶- فرمایا ہمارے حضرت کے کمالات و محاسن کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ آپ بھی کہیں تب مانیں وہ تو دیکھتے ہی کہنا پڑتا تھا۔ ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرا یہ ذوق تھا کہ مجھے دنیا میں حضرت کے علاوہ کوئی حسین ہی نظر نہ آیا اور یہ میں کہتا ہوں جس شخص کا شیخ حبشی ہو مگر اس کو وہ

یوسف نظر نہ آئے تو اس کو شیخ سے تعلق ہی نہیں صورت کیا چیز ہے اصل میں محاسنِ باطنی چمکتے رہتے ہیں۔

۱۷۔ فرمایا ؎ تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں
می دہد یزداں مرادِ متقیں

کسی بزرگ نے کہا تھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ متقیوں کی مراد اللہ میاں پوری کرتا ہے میں کبھی کبھی اس شعر کو یوں پڑھتا ہوں

من چنیں خواہم خدا خواہد چناں
می دہد یزداں مرادِ عاصیاں

جیسا میں چاہتا ہوں ویسا ہی خدا چاہتا ہے۔ عاصیوں کی کیا کوئی اور سنتا ہے۔ ارے عاصیوں کو دینے والا بھی تو وہی ہے۔ جب شیطان کو اس کی شیطنت کے باوجود دیتے ہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو نہ دیں گے۔ کتنی بڑی بے وقوفی ہے۔ اپنے باپ سے ہم مانگنے جائیں اور اس کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ وہ فلاں چیز ہم کو خرید دے۔ ہم نابالغ ہیں۔ یہ سمجھتے ہی نہیں ان کی مالی حالت کیسی ہے لیکن یہ یقین ہے وہ دیں گے ضرور گو امکان ہے دے سکیں نہ دے سکیں مگر اللہ میاں کے یہاں کیا کمی ہے۔ تو بس نبوت وصحابیت کے سوا جو مانگئے وہ مل جائے گا۔ نبی وہ بنا سکتا ہے مگر بنائے گا نہیں۔ کیونکہ قانون نہیں ہے۔ اور جب مانگتے ہیں اللہ کے ولی ہو کر مانگتے ہیں کہ ہم تمہارے غلام ہیں دوستوں کے دوست ہیں۔ اللہ سے مانگتے ہیں تو اس طرح سے کہ گویا ہم اللہ کے سوا کسی کو جانتے ہی نہیں۔

۱۸۔ فرمایا اللہ کی کوئی پہچان ممکن نہیں۔ سوا اس کے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ ہیں چونکہ لغت مشترک ہیں۔ رؤف رحیم وغیرہ۔ اس لئے لوگوں کو

نافہمی سے دھوکا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی دھوکہ نہیں کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ ہیں۔ سمجھنا چاہیئے کہ جو شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے وہ مخلوق ہے اور جو شان اللہ کی ہے وہ غیر مخلوق ہے۔ سورۂ کافرون میں ہے، لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔ مامیں تصور ہے الوہیت کا یعنی جو تصوّر تمہارے ذہن میں اللہ کا ہے اے کافرو۔ ممکن سے ممکن۔ وہ سب کچھ نہیں۔ بجز اس تصور کے جو میں بتاؤں۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۚ (تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا)

سوا اس کے ہر بات بے راہ ہے
محمد کا اللہ اللہ ہے

۱۹۔ فرمایا معراج میں یہ جو فرمایا کہ اور میرے قریب ہو جاؤ اور میرے قریب ہو جاؤ، یہ وہ کیفیت ہے اور ہوگی جو ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی اور یہ سمجھ میں آنے والی چیز ہی نہیں۔ فرض کر لیجئے آپ کا بچہ ہے اور آپ اس کو خوب گلے سے لگائے ہوئے ہیں اور کہتے جا رہے ہیں اور لپٹ جاؤ اور لپٹ جاؤ، حالانکہ وہ لپٹا ہوا ہے، مگر تسلی نہیں ہوتی تو یہ ایک کیفیت ناقابل بیان ہے۔ ہم لوگوں کے اعتبار سے وہاں کیا معاملہ ہوا ہوگا کوئی نہیں جانتا۔

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست

بس اس کو تو بے سمجھے مان لینا چاہیئے۔ دیکھئے جتنے رشتے قریب بلکہ اقرب ہوتے ہیں وہ سب مانے ہوئے ہیں جانے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ ہماری ماں ہے یہ ہمارے باپ ہیں۔ تو جتنے حقائق ہیں وہ سب تسلیمی ہیں عرفانی نہیں ہیں۔ دیکھئے ہنسنا، رونا۔ خوش ہونا ایک فعل ہے مگر ہنسی، غم اور خوشی کو دیکھا

نہیں جاسکتا ہم صرف نتائج اور اثرات دیکھتے ہیں تو حقائق پوشیدہ رہتے ہیں

۲۰- فرمایا ایک دن ایک صاحب مجھ سے سوال کرنے لگے کہ روح مخلوق ہے یا نہیں۔ میں نے کہا اللہ کے سوا ہر شے مخلوق ہے مگر نظر اس لئے نہیں آتی کہ حقائق میں سے ہے جو نظر نہیں آیا کرتے جیسے شہوت نظر نہیں آتی مگر موجود ہے

۲۱- فرمایا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے صاحب زادے ہند کے متعلق ایک واقعہ سناتا ہوں آج سے کم وبیش کوئی تیرہ برس پہلے روزنامہ انجام میں ایک شیعہ کا ایک مضمون نکلا تھا اور اس میں خواجہ حسن نظامی پر ایک الزام لگایا تھا حالانکہ انسے ایسی بات کہنے کی توقع نہیں کی جاسکتی مگر یار لوگ کیا نہیں کر سکتے۔ خیر واقعہ یہ ہے کہ قصر صدارت ہند کے ملازم مسلمانوں نے میلاد شریف کروایا تھا راجندر پرشاد نے جو اُن دنوں صدر مملکت تھا شرکت کی تھی۔ خواجہ حسن نظامی کو پڑھنے کے لئے بلایا تو انھوں نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے کہا کہ ہند کا کیا کہنا ان کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ہاتھوں سے کھلاتے تھے یہاں تک تو صحیح تھا۔ مگر اب آگے سنئے۔ نظامی صاحب نے نہ کہا ہوگا اس مضمون نگار یا کسی اور نے گڑھ لیا۔ کہ ایک ہندو گیا ہندوستان سے عرب اور اس نے نکاح کیا حضرت خدیجہؓ سے اور اس سے یہ ہند پیدا ہوئے۔ پھر میں نے تواریخ دیکھیں معلوم ہوا دو شوہر پہلے تھے یکے بعد دیگرے ہر ایک کا نام معلوم قبیلہ معلوم۔ سلسلۂ نسب معلوم۔ میں نے اس مضمون کے رد میں ایک مضمون لکھ کر اخبار کو بھیجا تھا مگر چھپا یا نہیں۔ ہند ایک صاحبزادے تھے حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے وہ مسلمان ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پرورش کی۔ اسی لئے ربیب[۹] کہلاتے

---

[۹] یہاں پر ایک واقعہ نقل کر دینا خالی از نفع نہ ہوگا و ہو ہذا (واقعہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

تھے اور تھے بھی ربیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ ایک کتاب چھوٹی سی چھپی تھی پنج گنج۔ میں نے مرتب کیا تھا۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے حالات تھے تو میں نے اس کے حاشیہ میں اس مضمون کا غلط ہونا لکھ دیا تھا۔ اسی لئے میں اخبار پر اعتبار نہیں کرتا کہ وہ جھوٹ کا پلندہ ہوتا ہے۔

ے (گذشتہ صفحہ کا حاشیہ) میں از کرامحسن مکرمی جناب سوز صاحب شاہجہانپوری دامت برکاتہم کو سنا رہا تھا۔ سماعت فرماتے ہوئے جب موصوف لفظ ربیب پر پہنچے تو ایک عجیب اور بیش قیمت نکتہ بیان فرمایا " ربیب، ربیبہ اور ربائب وہ اولاد کہلاتی ہے جو بیوی اپنے ساتھ لیکر آتی ہے اور بنت وہ بیٹی کہلاتی ہے جو شوہر کے نطفہ سے ہی پیدا ہو۔ اس کے بعد جناب سوز صاحب نے فرمایا کہ اہل تشیع کا یہ دعویٰ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صلبی اولاد صرف حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں باقی بیٹیاں حضور کی بنت نہیں کہی جاسکتیں بلکہ ربیبہ کہی جاسکتی ہیں۔ اہل تشیع کے اس دعویٰ کا غلط ہونا قرآن کی اس آیت سے قطعی ثابت ہو جاتا ہے۔
يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ (پ۲۲ رکوع ۷ آیت ۵۹)
یہاں پر قرآن نے واحد اور تثنیہ کا صیغہ چھوڑ کر جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کا اطلاق تین اور تین سے زیادہ پر ہوتا ہے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیاں بنات تھیں نہ کہ ربائب۔" (مرتب)

جب ربیب اور بنت پر بات چلی تو بات عرب کی فصاحت تک پہونچی تو جناب سوز صاحب نے فصاحت سے متعلق ایک واقعہ زمانۂ جاہلیت کا بیان فرمایا وھو ہذا۔

ایک زمانہ میں جزیرۃ العرب میں چند بڑے چوٹی کے فصحاء تھے ان میں سے امراء القیس کا نام سرفہرست تھا۔ جس فصیح کا نام دوسرے نمبر پر سمجھا جاتا تھا وہ امراء القیس کا دشمن تھا چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ مرجائے تو اولیت مجھے مل جائے۔ جب کاربراری میں دیر لگی تو یہ امراء القیس کے قتل کے درپے ہو گیا اور اس کام کے لئے اس نے آٹھ مختلف قبائل کے آٹھ نوجوان منتخب کئے۔ (بقیہ صفحہ آئندہ)

۲۲ - فرمایا میرے سامنے کی بات ہے ایک مرتبہ پرتاب گڑھ میں جلسہ ہوا۔ ایک مولوی نعمت اللہ صاحب مانکپوری بھی آئے تھے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بات یہ ٹھہری کہ عکاظ کا میلہ ختم ہونے کے بعد جب امراء القیس اپنے گھر واپس ہو تو اس کو فلاں گھاٹی میں قتل کر دیا جائے چنانچہ حسب تجویز جب امراء القیس مجوزہ گھاٹی تک پہونچا تو اس پر حملہ کی تیاری ہونے لگی۔ آٹھ میں سے پانچ آدمی تو یہ کہکر قتل سے دست بردار ہو گئے کہ اتنے بڑے فصیح کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگنا مناسب نہیں۔ اور باقی آدمیوں نے اس پر حملہ کیا۔ امراء القیس نے قاتلوں سے کہا کہ کیا تم میرا یہ پیغام میری چار بچیوں تک پہنچا دو گے کہ ؏ یا بنتانِ امراء القیس اِنّ اَبا کما۔

قاتلوں نے وعدہ کیا اور قتل کے بعد امراء القیس کے بتلائے ہوئے پتہ پر پہونچکر دروازے پر دستک دی ایک لڑکی نکلی قاتل نے اسے یہ پیغام سنایا۔ لڑکی نے جواب دیا کہ ذرا ٹھہر و میں اپنی باقی بہنوں کو بھی لے آؤں چنانچہ جب چاروں لڑکیاں دروازے پر آگئیں تو پھر اس لڑکی نے کہا کہ ہاں اب ذرا وہ پیغام سنایئے۔ جوں ہی قاتل نے یہ پیغام دہرایا بس لڑکیوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ لوگو! دوڑو انھیں پکڑو یہ ہمارے باپ کے قاتل ہیں۔ خیر لوگوں نے ازراہ احتیاط قاتلوں کو پکڑ لیا اور لڑکیوں سے کہا کہ ثبوت دو ورنہ اس الزام کی سزاوار ہوگی۔ لڑکیوں نے کہا ہم ضرور ثبوت دیں گے مگر تنہائی میں نہیں بلکہ فصحاء کے مجمع میں۔ غرضکہ فصحاء کا اجتماع ہوا اور اس میں لڑکیوں نے کہا کہ اس پیغامی مصرعہ کے بعد ہم یہ مصرعہ لگاتے ہیں جو قتل کا ثبوت فراہم کر دے گا۔ انھوں نے کہا ؎

یا بنتانِ امراء القیس اِنّ اَباکُما

قَدْ قُتِلَ فَقَاتِلُهٗ لدا کُما

(یعنی اے امراء القیس کی بیٹیو بس تحقیق کہ تمہارا باپ قتل کیا گیا اس کے قاتل تمہارے سامنے موجود ہیں) چنانچہ سارے فصحاء نے یہ فیصلہ کیا کہ اس سے بہتر مصرعہ نہیں لگایا جا سکتا۔ آخر کار قاتلوں کو بھی اقرار کرنا پڑا اور اس کی پاداش میں ان کو قتل کیا گیا۔

(مرتب)

کے ارشد تلانذہ میں سے تھے۔ مجھ پر بھی شفقت رکھتے تھے ایک شخص جو لکھنؤ کے اہلِ علم خاندان سے تعلق رکھتے تھے وہ بھی اس جلسے میں موجود تھے۔ اس لکھنوی اہلِ علم نے شیعہ حضرات کو خوش کرنے کے لئے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں خلوت گزیں ہوا کرتے تھے قبل ظہور نبوت تو حضرت علی وہاں موجود رہا کرتے تھے۔ چنانچہ شیعہ حضرات بہت خوش ہوئے۔ اب یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ جب نبوت کا ظہور ہوا تو ان کی عمر دس برس کی تھی تو کیا غارِ حرا میں جب پانچ چھ برس کے تھے تب ساتھ جاتے تھے محض شیعہ حضرات کو خوش کرنے کے لئے کہدیا۔ مولوی نعمت اللہ صاحب اس وقت تو بولے نہیں شام کو جب ان کی تقریر کا موقع آیا تب بولے کہ صبح ایک صاحب نے یوں یوں کہا ہے۔ بھائی ان کا تعلق ایک بڑے دار العلوم سے ہے، میں بھلا ان کے سامنے کیا بول سکتا ہوں البتہ اگر وہ مجھے اس کی کوئی سند بتلادیں تو میرے علم میں اضافہ ہو جائے گا۔ ان لکھنوی عالم صاحب نے بعد ختم تقریر مولوی نعمت اللہ صاحب کے پاس آکر کہا کہ جناب مجھ سے غلطی ہو گئی (آگے بابا صاحب نے فرمایا) یہ بات میری سماعت میں آئی میں مولوی نعمت اللہ صاحب کے بالکل پاس بیٹھا تھا۔

۲۳۔ فرمایا ہمارے حضرت نے جہاں مقاصدِ تصوف بیان کئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کے طرق بھی بتلادیئے ہیں۔ پھر طریق اصلاح پر زور دیا ہے نیز کہا ہے کہ یہ جو بزرگوں سے چلا آتا ہے۔ یہ صحیح ہے مگر یہ فرض واجب نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت نے یہاں تک کہا ہے کہ اصلاح کا یہ ایک فن ہے تو شیخ کو فن واں ہونا ضروری ہے متقی ہونا ضروری نہیں مثال اس کی ایسی ہے جیسے ڈاکٹر کہ خود تو بد پرہیزی کرتا رہتا ہے مگر دوسروں کو پرہیز بتاتا ہے۔

ہاں اتنا ضرور ہے شیخ اگر متقی نہیں تو برکت نہیں ہوتی۔

۲۴۔ فرمایا ہم لوگ حضرت کے طریقہ پر پورے طور پر نہیں رہے۔ اور حضرت کی طبیعت کی بلندیوں تک ہم پہنچ نہیں سکے اور بعض لوگ تو سمجھ بھی نہیں سکے تفصیل اس کی اس وقت عام جلسوں میں نہیں کی جاسکتی میں نے بعض لوگوں سے بحث کرکے منوالیا ہے۔ اگرچہ میرے اندر خود بھی کوتاہیاں ہیں۔

۲۵۔ فرمایا کہ بیعت کا مقصد اصلاح نفس ہے مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک صاحب ہیں انھوں نے اپنے والد صاحب کا حال بتلایا کہ گو میرے والد کے باپ بہت جائیداد چھوڑ گئے تھے۔ مگر بہت زیر بار قرض ہو گئے تھے۔ جب میرے والد اٹھارہ بیس برس کے ہوئے تو انہیں کوڑھ کا مرض ہو گیا۔ اور معالج نے یہ کہدیا کہ یہ جو دوادی جارہی ہے۔ یہ قاطع نسل ہے، باپ کے یہی ایک لڑکے تھے۔ بہنیں کئی ایک تھیں تو ماں کو بھی غم بہنوں کو بھی غم لوگوں نے یہ کہا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاؤ بے چارے کے پاس کپڑے بھی نہیں تھے۔ خیر کہیں سے مانگ کر انگرکھا پہنا۔ جب یہ گنج مرادآباد پہونچے تو حضرت مسجد کی فصیل پر بیٹھے تھے۔ جب یہ داخل ہوئے تو مسجد میں کوئی تھا نہیں۔ مسجد میں پہلے بایاں پاؤں رکھا۔ حضرت نے چیخ کر کہا کون ہے نکالو نکالو نکالو گھبرا کر انھوں نے پاؤں باہر نکال لئے اور پھر قاعدہ کے مطابق داہنا پاؤں مسجد میں رکھ کے داخل ہوئے۔ اب وضو کرنے بیٹھے تو آستین تنگ تھی چڑھتی نہیں تھی حضرت خود آئے اور پکڑ کر آستین چڑھائی یہ بھی جذبے میں کہا مسلمان کہوں ایسا کپڑا پہنتا ہے (مسلمان کہیں ایسا کپڑا پہنتا ہے) پھر یہ پاس ان کے بیٹھے۔ حضرت بہت بڑے عالم تھے۔ محدث تھے۔ عجیب شان تھی اُن کی بزرگی کو سب ہی مانتے ہیں۔ حضرت نے انھیں بٹھایا پوچھا

کہو بیٹا کیسے آئے۔ عرض کیا مرید ہونے کے لئے۔ نیز سارا حال بھی سنایا فرمایا کہاں ہے داغ۔ عرض کیا یہ ہے یہ ہے۔ دو چار بار آنکھ بند کرائی اور فرمایا دکھلاؤ کہاں کہاں داغ ہے۔ عرض کیا اب تو کہیں بھی نہیں ہے۔ فرمایا بس اللہ میاں ایسا ہی کرتے ہیں غرضیکہ انھوں نے واپسی کی اجازت مانگی فرمایا تو اس میں سے کچھ بتاشہ اور بیر لے لو۔ انھوں نے دو چار بتاشے اور ایک بیر لے لی۔ فرمایا اور لے لو۔ عرض کیا بس کافی ہیں۔ فرمایا دیکھو گنو جتنا بتاشے اتنی تمہاری لڑکیاں اور جتنے بیر اتنے لڑکے ہوں گے۔ بابا صاحب نے آگے فرمایا کہ میری سمجھ میں یوں آیا کہ بیر میں گٹھلی ہوتی ہے اس سے نسل چلتی ہے اسی لئے بیر سے لڑکا مراد لیا۔

۲۶۔ فرمایا انسان ہونا اصل کمال ہے۔ میرے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بھائی غوث قطب ابدال بننا ہے تو کہیں اور جاؤ۔ انسان بننا ہے تو میرے پاس آؤ۔ بات یہ ہے کہ غوث ہو قطب ہو ابدال ہو ان کے لئے بھی تو آخر پہلے انسان ہی بننا ہے۔ بھائی اپنا تو یہی مذاق ہے کہ ممکن ہے سب کے درجات تو ہم سمجھ لیں لیکن حضرت کے درجات تک ذہن کا پہنچنا ناممکن ہے۔ بھائی سنئے کوئی جذبہ ہے لئے جا رہا ہے چلا جا رہا ہوں اپنا کوئی اختیار ہی نہیں ؎

در اصل سنبھالے جو ہے پنہاں ہے نظر سے
ہم بہتے نظر آتے ہیں موجوں کے سہارے

۲۷۔ فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تسکین ہوگی لاحول ولا قوۃ الا باللہ تسکین کہیں ہو سکتی ہے۔

الفت کے لئے موت ہے حاصل جو سکوں ہو
عشاق کے دل پر تو چلا کرتے ہیں آرے

اور ایمان تو خوف و رجا کے درمیان ہے سکون کہاں۔ سکون ہو جائے تو موت ہے

ارے، ہم نے تو اللہ میاں سے وہ وہ کہا ہے کہ جو کوئی سمجھدار آدمی ہو تو نہ کہے۔

بلا تھی جیسے مری داستاں زمانے کو
سوا خدا کے نہ کوئی ملا سنانے کو
نہیں ہے حسن کو پرواہ چاہے جلنے کی
مگر حسین سمجھتا ہے چاہے جانے کو
حضور یہ بھی ہو ارشاد کیا کہیں اس سے
ہمارا دل بھی اگر چاہے چاہے جانے کو

میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ جہاں محبوب حقیقی بھی وہ ہیں وہاں محب حقیقی بھی وہ ہیں۔ میرا شعر ہے ذرا گستاخی ہے۔ مگر ہم جانیں وہ جانیں۔ کسی کے باپ کا اجارہ نہیں

ترے حسن فتنہ گر کا یہ حسین شاخسانہ
بہ زبان اہل عالم مرے عشق کا فسانہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کنز مخفی تھا۔ میں نے یہ پسند فرمایا کہ میں پہچانا جاؤں دوسری طرف فرمایا میں نے امانت آسمان و زمین کو دی نہ متحمل ہوئے۔ انسان نے لے لیا ایک طرف دیکھئے شیطان نے کہا مجھے مہلت دیدیجئے۔ دوسری طرف دیکھئے آدم علیہ السلام سے خطا ہو گئی۔

کبھی قہر میں تبسم کبھی مہر میں تغافل
ترے ناز کو مبارک مرے شوق کا بہانہ
کبھی مجھ کو بخش دیتے کوئی شان حسن اپنی
کبھی مجھ سے مانگ لیتے کوئی آن عاشقانہ

جناب جو اخلاق الٰہیہ ہیں وہ کیا ہیں۔ وہی تو ہیں جو قرآن میں ہیں جس کا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ہے۔ یہ تو ان کی شانِ حسن ہے۔ اور بغیر حسین ہوئے

جہاں ان کی تجلی ہوتی ہے وہاں پہنچ نہیں سکتے جس کا نام جنت ہے۔

یا حسرۃً علی العباد۔ فرمایا۔ تو بتلایئے اللہ کو حسرت کی کیا ضرورت تھی۔ ہمارے مقام پر اُتر آئے ہیں یا نہیں ہماری زبان میں فرما رہے ہیں یہی تو ہے آنِ عاشقانہ یعنی اگر تم یہ نہیں کہتے تو ہم ہی کہہ لیتے ہیں۔

۲۸۔ تھانہ بھون کی حاضری کے متعلق فرمایا کہ ہم بس اتنا جانتے ہیں کہ وہاں پہنچ کر بس یہ معلوم ہوتا تھا۔ بس یہی یہ ہے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ نہ دنیا نہ فکرِ دنیا۔ نہ غمِ دنیا۔

۲۹۔ فرمایا جیسے کوئی عمدہ کپڑا ہو کہ چھونے تک سے خراب ہو جائے یا حسین نازک پھول ہو کہ چھونے سے کملا جائے بس دور ہی سے شیشے میں بند کر کے دیکھتے رہے۔ ایسا ہی حق تعالیٰ حسین ہے کہ اس کے پاس پھٹک نہیں سکتے۔ بس دور سے دیکھا کرو۔ اس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا اس کو مقام تنزیہہ کہا گیا ہے یعنی یہی نہیں کہ منزہ ہے۔ عیوب سے قیود سے تعینات سے بلکہ وہ منزہ ہے ہماری رسائی فہم سے۔

مذہبِ عشق میں دعویٔ محبت ہے حرام
حال صورت سے جو کھل جائے تو مجبوری ہے

جب محبت بڑھ جاتی ہے تو احساس محبت محب میں فنا ہو جاتا ہے ایک موٹی سی مثال دیتا ہوں دیکھئے نہ آپ اظہار محبت کرتے ہیں بیوی سے نہ وہ آپ سے حالانکہ دونوں ایک جان دو قالب ہیں اسی طرح ماں سے محبت کا اظہار نہیں کرتے حضرات صحابہ بھی محبت میں اس قدر ڈوب گئے تھے کہ احساس ہی باقی نہ رہا تھا' صرف بندگی کا ہوش رہ گیا تھا مغلوب الحال لوگوں سے جو بات دیکھنے میں آتی ہے وہ صحابہ کرام میں نہیں ملتی۔

۳۰۔ فرمایا مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے غلامی کو حرام کیوں

نہیں فرمایا میں نے جواب دیا کہ قرآن شریف سے واضح طور پر اس کی برائی ثابت ہوتی ہے اور اتنا ہی کافی ہے علاوہ اس کے نتیجہ یہ بھی تو ہوتا کہ صرف غلام ہی اسلام لاتے۔ سردار اسلام نہ لاتے۔ پھر کافروں کی غلامی میں رہنے والے غلام بھی غلامی سے نجات کے لئے اسلام لاتے اللہ کے لئے نہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ غلام اللہ تک نہ پہنچ سکتے حالانکہ اللہ تک ہر شخص پہنچ سکتا ہے پھر فرقِ مراتب تو بہرحال دنیا میں رہا ہے اور رہے گا۔ چھوٹا۔ بڑا۔ غریب۔ امیر۔ استاد۔ شاگرد وغیرہ پھر غلام آقا کا فرق مٹا کر ہی کیا فائدہ پہنچے گا۔ دنیا میں آنے کا مقصد تو یہ ہے کہ بندہ جس حیثیت میں بھی ہو شریعت پر عمل کر کے اپنی آخرت بنائے اور اللہ کو راضی کرے

۱۳۱۔ ایک صاحب جن کا نام اب مجھے صحیح یاد نہیں غالباً یوسف نام ہے۔ آج بیالیس سال کم وبیش ہوئے کہ جب ان کی نوعمری کا زمانہ تھا چھوٹی سی ایسی حسین داڑھی جس میں استرہ نہیں لگا تھا چہرے پر تھی) وہ عجیب حالات میں میرے پاس میری جائے اقامت پرتاب گڈھ پہنچے وہ (یعنی یوسف صاحب) سفر میں تھے نوعمر آدمی تھے ریل میں سو گئے سب سامان لے کر کوئی فرار ہو گیا پرتاب گڈھ جنکشن تھا وہیں اُتر گئے یا اتار لئے گئے اب یہاں یہ کہاں جائیں بالکل اجنبی۔ اردو بھی زیادہ بول نہیں پاتے تھے۔ انگریزی البتہ صاف بولتے تھے۔ کچھ تھانہ بھون کا تذکرہ کسی سے سنا (یوسف صاحب کہتے تھے کہ انہیں حضرت سے تعلق تھا) اس طرح میرے پاس آگئے بلکہ پہنچا دیئے گئے چند روز میرے پاس رہ کے وہ غالباً کلکتہ چلے گئے۔ پھر اُن سے ملاقات ہندوستان میں تھانہ بھون یا کہیں اور نہیں ہوئی۔ بارہ تیرہ سال ہوئے جب پاپوش نگر میں ایک دن بعد مغرب ایک صاحب مجھی ڈاکٹر عبدالحی صاحب کے مطب میں آئے میری طرف مخاطب ہو کر پوچھا مجھے پہچانا میں نے کہا نہیں اتنے دن ہو گئے تھے ادھیڑ سے اوپر ہو گئے تھے

میں کیا پہچانتا انھوں نے کہا میں وہ شخص ہوں جو آپ کے یہاں گیا تھا میرا نام یوسف ہے، پھر وہ کئی بار ملے کچھ خانگی جھگڑوں میں مبتلا تھے۔ وہ راوی اور ناقل تھے کہ (میری غیبت میں) حضرت کی مجلس میں میرا ذکر ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ وہ ہے تو وکیل مگر دین میں کیسل ہے۔

۳۲۔ فرمایا کہ دو برس سے اوپر حضرت ابوبکرؓ کے، دس برس حضرت عمر فاروقؓ کے اور بارہ برس حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے یعنی کچھ اوپر ۲۴ برس امن و سکون سے گذرے جن میں لوگوں کو اپنے حقوق کی تحصیل کی طرف توجہ کم اور اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ زیادہ رہی۔ اس کے بعد فتوحات اسلامیہ کا دائرہ بڑھا اور باہر کے لوگوں سے میل ملاپ شروع ہوا تو تحصیل حقوق کی طرف توجہ زیادہ اور ادائے فرائض کی طرف توجہ کم ہونا شروع ہو گئی اور اس فتنے سے آپس میں جھگڑے پیدا ہو گئے۔

۳۳۔ فرمایا زمانہ حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اعمال حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ صرف صحبت نبویؐ ہی سے حاصل ہو جاتے تھے مگر بعد میں اک تو زمانۂ نبویؐ سے دوری ہوئی۔ دوسرے عجمیوں سے اختلاط ہوا تو لوگوں کے اندر اعمالِ حسنہ ظاہراً تو رہ گئے مگر اخلاق باطنی منفک ہوتے چلے گئے تو پھر بزرگانِ دین نے تصوف کا راستہ نکالا جس میں بعض تدبیریں بھی تقریباً عجمی ہیں یعنی غیر عربی ہیں بہ این معنی کہ اس طریقے سے پہلے وہ رائج نہ تھیں مثلاً اشغال جن سے مقصد صرف حصول یکسوئی تھا تاکہ یکسوئی کی مدد سے توجہ الی اللہ میں آسانی ہو اور اخلاقِ باطنی پیدا ہو سکیں مگر لوگوں نے ان ذریعوں کو مقصود بنا لیا اصل مقصود یعنی رضائے حق اور قربِ الی اللہ سے غافل ہو کر بہت سے لوگ محروم رہ گئے۔

۳۴۔ فرمایا کہ حضرت نے اِن مجاہدات وغیرہ کو یکسر منع کر دیا کبھی کبھی ان سے

یکسوئی پیدا ہوکر رگ رگ سے ذکر اللہ نکلنے لگتا ہے اور طالب اسی کو مقصود سمجھ کر خود بینی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب بجائے فنا کے اَنا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۳۵۔ فرمایا ایمان کے معنی ہیں مان لینا ایمان اور مان ایک ہی بات ہے۔

۳۶۔ فرمایا جیسے بادشاہ کا عجائب خانہ ہوتا ہے کہ اس میں ہر طرح کے جانور اور ہر طرح کی چیزیں ہوتی ہیں اسی طرح یہ دنیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عجائب خانہ ہے ہم لوگ اس کے جانور ہیں حدیث شریف میں حضورؐ کا صحابہ سے سوال کرنا آیا ہے کہ کس کا ایمان اعجب ہے۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایمان ان کا اعجب ہے جو اتنے زمانے کے بعد پیدا ہوں گے اور ہماری محبت میں جانیں قربان کر دیں گے۔ حالانکہ ہمیں دیکھا بھی نہ ہوگا۔ تو دیکھئے حضورؐ نے ہمارے ایمان کو عجیب فرمایا۔ تو پھر یہ دنیا عجائب خانہ ہوئی یا نہیں۔

۳۷۔ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف پر سلام عرض کرنے سے حضور براہ راست سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا بعض بزرگ کو تو آواز مسموع بھی ہوئی ہے۔ فرمایا اجی آواز سن کر یہ یقین کیا کہ حضورؐ حیات ہیں تو دو کوڑی کا سمجھنا۔ کمال یہ ہے کہ بے آواز سنے یقین رکھے کہ حیات ہیں۔

۳۸۔ فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں جی نہیں لگتا۔ ارے بھائی لگے کیسے۔ ظاہر بالکل شریعت کے خلاف، باطن بالکل شریعت کے خلاف۔ جی کہاں سے لگے۔ میں کہتا ہوں کم سے کم حیوٰۃ المسلمین ہی پڑھیں، نہ سمجھ میں آئے پوچھ لیں اور اپنی اصلاح کریں کچھ تو نفع ہو۔ ۲/۱ ہی سہی ۴/۱ ہی سہی۔

۳۹۔ فرمایا نماز جنازہ غائبانہ حنفیہ کے یہاں نہیں ہے گو ثابت ہے۔ ایک بار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔ مگر

ہمارے فقہا نے یہ جواب دیا ہے کہ وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زمین طے کر دی گئی تھی (یعنی لپیٹ دی گئی تھی) اور جنازہ سامنے آگیا تھا۔ ورنہ پھر حضورؐ نے بڑے بڑے اصحاب کی خبر شہادت سن کر کسی کی بھی نماز غائبانہ نہ پڑھی مثلاً جعفر طیارؓ اور زید بن حارثہؓ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

۴۰۔ کاتب الحروف نے عرض کیا کہ مجھے اپنی اتنی خامیاں نظر آتی ہیں کہ خودکشی کو دل چاہتا ہے۔ فرمایا کہ خودکشی علاج تو ہے نہیں۔ اصل میں دل ندامت ختم کرنے کا اسے ذریعہ سمجھتا ہے اور اپنے نفس کی غلطی پر اس کو دھمکاتا ہے کہ کمبخت تجھے ختم کر دوں گا اور ندامت مطلوب ہے۔

۴۱۔ فرمایا محبت یہ نہیں ہے کہ کسی عورت پر ہم عاشق ہو گئے چاہتے ہیں کہ ہم اس پر متصرف ہو جائیں یہ تو بھوک ہوئی پیٹ بھرا۔ بس ختم۔ محبت کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں جس سے محبت ہے وہ ہم پر متصرف ہو جائے۔ ہمیں خوشی اس میں ہونی چاہیئے کہ ہم اس کے ہر تصرف پر راضی ہوں۔

۴۲۔ فرمایا کہ میں کیا عرض کروں مجھے حضرت سے متعلق اتنی بشارتیں ہوئی ہیں کہ گنتی نہیں۔ اور مجھے شبہات تو ہیں نہیں جو کہا جائے کہ تقویت اعتقاد کے لئے ہیں۔ میرے خیال میں تو کیفیت بڑھانے کے لئے ہیں۔

۴۳۔ فرمایا عصیان ہمارے ساتھ پیدا کیا گیا ہے عصیان سے بچنا ہی حسن ہے تو جب تک قباحت کا امکان نہ ہوگا ہم حسین کیسے ہوں گے۔

۴۴۔ فرمایا ایک صاحب ہیں وہ مجھ سے کہتے تھے کہ میرے مراتب سب طے ہو گئے ہیں میں نے کہا یہ عجیب بات کہی، اہلِ محبت کو مراتب سے کیا سروکار۔ جو بیبیاں شوہروں پر فدا ہوتی ہیں وہ نہ کبھی تقاضا زیور کا کریں نہ کپڑے کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے جو مطالبہ نان ونفقہ کا کیا تھا

وہ تعلیم امت کے لئے اللہ نے خود پیدا فرمایا تھا۔ نیز اس لئے بھی کہ اس تجلی امکانی سے بھی محرومی نہ رہ جائے۔

۴۵ ۔ فرمایا ایک مشہور قصہ ہے حضرت منصور کی گردن زدنی کے لئے جب جلاد پہنچا تو منصور نے کہا کہ بیا بیا بہ ہر لباسے کہ تو می آئی من ترا خوب می شناسم جناب یہ حاصل ہم آپ سب کو ہے مگر احساس نہیں جیسے بچہ سوتا ہو تو اس کو خبر نہیں کہ کس کی گود میں ہے۔

۴۶ ۔ فرمایا معرفت ناممکن ہے کوئی دعوی کرے تو اس کی زبان کاٹ لوں۔ معرفت صرف تسلیمی ہے۔ اگر معرفت ہو گئی تو ایمانِ بالغیب کہاں رہا جیسے باپ کے باپ ہونے کی معرفت تسلیمی ہے۔ صرف ماں کی شہادت ہے مگر وہ سچ کہتی ہے یا جھوٹ معلوم نہیں۔

۴۷ ۔ فرمایا ایک صاحب تازہ امریکہ سے آئے ہوئے تھے میں نے نماز کیلئے کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں پہلے DISCOVER کر لوں پھر پڑھوں گا میں نے کہا کہ پہلے اپنے باپ کو تو DISCOVER کر لو پھر نماز کو کرنا جب باپ کو سن کر تسلیم کیا ہے تو نماز کو بھی سن کر تسلیم کرو۔ جگر نے خوب کہا ہے۔

اے از لب صادقت شنیدہ
نادیدہ خدا خدائے دیدہ

یعنی ہمارے دیکھنے میں غلطی ہو سکتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے میں نہیں۔

۴۸ ۔ فرمایا کہ جیسے دیا سلائی جلایئے تو آگ لگ جائے گی۔ پانی ڈالئے تو آگ بجھ جائے گی۔ اسی طرح گناہ کا بھی ایک لازمی نتیجہ ہے کہ دوزخ میں جانا پڑے گا مغفرت کے یہ معنی ہیں کہ جنت کے راستے میں گناہ کی جو رکاوٹ ہے

وہ دور ہو جائے کیونکہ پاسپورٹ ایمان کا تو ہمارے پاس ہے ہی مگر گناہ کی ناپاکی کی وجہ سے ہم اندر نہیں جا سکتے۔ ارے بھائی گناہ ہو یا ثواب۔ اللہ میاں کے سامنے جائیں گے۔ انہیں دیکھ تو لیں گے، باقی سب دیکھا جائیگا جب اللہ میاں موجود ہیں تو کاہے کا غم۔

مجھے اس کریم مطلق کے کرم کا آسرا ہے
ارے اوگن کے پیچھے مجھے کیا ڈرا رہا ہے

۴۹۔ فرمایا ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہیں دیہات میں تھے۔ انہیں نہانے کی حاجت ہو گئی۔ یہ خیال نہ رہا کہ گھر میں پانی ہی موجود نہیں ہے چیخ اُٹھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ دریافت فرمایا بھائی کیا ہوا۔ عرض کیا تباہ ہو گیا۔ فرمایا وہ کیسے۔ عرض کیا پانی موجود نہیں ہے اور نہانے کی حاجت ہو گئی ہے۔ فرمایا مسلمان کہاں ناپاک ہوتا ہے۔ تیمم کر لو۔ چلو جھگڑا پاک۔ اللہ اللہ کیا محبت تھی۔ جا کر صاف کہدیا۔

فرمایا محبت پر یاد آیا۔ ایک صحابی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے یہاں تشریف لے گئے، وہ بہت خوش ہو گئے۔ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے تھے۔ کبھی یہ چیز لاتے، کبھی وہ چیز لاتے۔ آتے جاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر نظر پڑی تو کچھ غم کے آثار معلوم ہوئے۔ عرض کیا۔ کیا کوئی بات مزاجِ مبارک کے خلاف ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا جبرئیل آئے تھے اور کہہ گئے تمہارے متعلق کہ تم قطعی دوزخی ہو۔ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ہرگز غم نہ کریں۔ مجھے آپ کا غم برداشت نہیں۔ رہا میرا میں دوزخ میں جل لوں گا۔ مگر حضورؐ کو مغموم نہیں دیکھ سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر جو نظر پڑی تو چہرۂ مبارک پر بالکل غم کے آثار نہیں تھے۔ یہ بہت خوش ہوئے

عرض کیا یارسول اللہ اب الحمد للہ آپ کے چہرہ مبارک پر غم کے آثار نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے فرمایا کہ ابھی جبرئیل پھر آئے تھے کہہ گئے کہ تم قطعی جنتی ہو۔ یہ تو امتحانِ محبت تھا۔ یہ تھے مومن ہم کیا مومن ہیں۔

۵۰۔ فرمایا جب یہ آیت اتری اِن تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ الخ کہ تمہارے دلوں میں جو بات آوے گی وہ چاہے ظاہر ہو یا چھپی ہو اللہ سب کا حساب کرے گا۔ جس کو چاہے گا سزا دے گا جس کو چاہے گا معاف کرے گا۔ تو حضرت ابوبکرؓ اور دیگر صحابہ گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل پر ہمارا اختیار ہے۔ مگر خیالات پر اختیار نہیں۔ فرمایا مالک کا حکم یہی ہے مان جاؤ۔ عرض کیا ہم راضی ہیں۔ اس کے بعد ہی یہ آیت اتری۔ لَا یُکَلِّفُ اللہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا الخ کہ اعمال پر پرسش ہے خیالات پر نہیں۔ دیکھئے اصل میں مقام محبت تک پہونچانا مقصود تھا۔ پہونچا دیا۔ ان کے صدقے میں ہمیں بھی محبت کا مزہ مل گیا۔

۵۱۔ فرمایا کہ اپنے گناہوں کے باوجود جب میں اللہ کی یاد کرتا ہوں تو مست ہو جاتا ہوں۔ لفظ اللہ زبان سے نہیں دل سے نکلتا ہے۔

مجھ کو دنیا بھر کی کیا پرواہ[1] ہے ناصر دیا در میرا اللہ ہے
ساری دنیا ہے مرے اللہ کی اور میرے واسطے اللہ ہے
کافر و مومن سب ہی کا رب ہے وہ اللہ اللہ کیا مرا اللہ ہے

۵۲۔ کاتب الحروف نے عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ حضرت مولانا تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آخری مجدد ہیں اور قیامت تک دوسرا مجدد پیدا نہ ہوگا۔ اگر مہدی علیہ السلام کو مجدد مان لیا جائے تو پھر آخری وہ ہوں گے، فرمایا

---

[1] پرواکی بجائے پرواہ حضرت باباصاحب کا تصرف ہے۔ مرتب

کہاں غالباً ہمارے حضرت آخری مجدد تھے۔ محسن کاکوروی لغت گو شاعر کے صاحبزادے نے مدینہ کے قیام میں خواب دیکھا حضور اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم بیمار ہیں۔ اور ہمارے حضرت تیمارداری فرمارہے ہیں۔ ایک اور شخص بھی ہیں جو دور بیٹھے ہیں۔ انھوں نے وہیں سے تھانہ بھون خط لکھا۔ ہمارے حضرتؒ نے جواب میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا بیمار ہیں بلکہ حضورؐ کا لایا ہوا دین بگڑ رہا ہے۔ اور اللہ کو مجھ سے اس سلسلے میں کام لینا ہے۔ دور پر جو ایک صاحب بیٹھے نظر آئے وہ غالباً امام مہدی ہیں۔ چونکہ زماناً دور ہیں لہٰذا مکاناً دور دکھائے گئے ہیں۔

۵۳۔ فرمایا یہ بزرگان دین جو محنت کراتے ہیں مجاہدات کراتے ہیں تو آخر کس غرض سے۔ کیا ہم نبی ہو جائیں گے۔ کیا صحابی بن جائیں گے۔ کیا اللہ میاں کو عرش پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیں گے، تو ظاہر ہے یہ کوئی بھی کام ممکن نہیں میری سمجھ میں ایک بات آئی وہ یہ کہ مقصد صرف یہ ہے کہ بندگی اور عبودیت ہمارا مزاج بن جائے۔ جیسے آنکھ کا مزاج ہے دیکھنا۔ کان کا مزاج ہے سننا۔ اس کے خلاف وہ کرہی نہیں سکتے۔ اسی طرح ہمارا مزاج بندگی بن جائے کہ خلاف اوامر نواہی کوئی بات ذہن میں ہی نہ آئے۔

۵۴۔ فرمایا میں اپنے بچوں سے کہا کرتا ہوں کہ دیکھو پانچ وقت کی نمازوں میں سے ایک وقت کی بھی چھوٹی تو بچ نہ سکو گے۔ جیسے پانچ پرچوں میں سے ایک میں فیل تو سب میں فیل۔ ہاں اگر کسی وقت کی قضا ہو جائے تو بعد میں قضا پڑھ لو۔ جیسے ایک مضمون میں رہ جاؤ تو سپلی منٹری میں بیٹھ جاتے ہو۔

۵۵۔ فرمایا کہ جب میں مدینہ شریف گیا تھا تو بے ادبی کے خیال سے اس سرزمین پر پاؤں رکھنا مشکل تھا۔ میں نے کئی شعر کہے تھے صرف ایک یاد ہے۔

جہاں پھول ہوں تیرے نقش قدم کے
میری جان قربان اس گل زمیں پہ

۵۶ ۔ فرمایا جب حرم میں بیٹھتا تھا تو مجھے کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ جب نظر اٹھائی تو دیکھا کسی کو ورنہ سوائے خانہ کعبہ کے کچھ نہیں۔

زباں خوش خرد گم دل ونظر حیراں
کہوں تو کیسے کہوں لا جمیل الا اللہ (احسن)

۵۷ ۔ فرمایا اہلِ قبور سے فیضان روحانی ہوسکتا ہے وہ بھی ان کے تقرب کی وجہ سے ۔ نہ کہ تصرف کی وجہ سے ۔

۵۸ ۔ فرمایا کہ جب میں ذکر کرنے بیٹھتا تھا تو بعد ذکر مقررہ کچھ دیر اللہ سے اپنی زبان میں باتیں کرلیتا تھا۔ اکثر اشعار میں نیز اپنے یا کسی کے کلمات موزوں بھی زبان سے نکلتے اور میں مست ہو جاتا تھا۔

۵۹ ۔ فرمایا حضرت نے ایک صاحب کو اجازت دیتے وقت فرمایا کہ گو ان کو مجھ سے مناسبت نہیں ہے مگر دین سمجھ گئے ہیں امید ہے کہ کام کریں گے اس سے پتہ چلا کہ ہمارے حضرت نے دین کو اپنی طبیعت پر غالب کرلیا تھا۔

۶۰ ۔ فرمایا کہ خواجہ صاحب کے چند اشعار یاد آئے جو مقام حیرت کے ہیں ۔

لڑکپن میں ہم عشق کا کھیل کھیلے — وہ تتلا کے کہنا الے لے الے لے
ارے کل اچانک چلے آنے والے — بہت آج گھبرا رہے ہیں اکیلے
پڑے تو ہیں پہلو میں ہم پا کے موقعہ — کہیں سوتے سوتے وہ کروٹ نہ لے لے
حسینو چلو کردیا مال سستا — جو پہلو میں آجائے وہ دل کو لے لے

۶۱ ۔ فرمایا کہ یہاں ضرورت ہے فنا کی۔

حضرتِ منصور انا بھی کہہ رہے ہیں حق کیساتھ
دار تک تکلیف فرمائیں جو اتنا ہوش ہے
(اکبر الہ آبادی)

۶۲۔ فرمایا میرا ایک شعر ہے۔

کلفتِ بُعد ہے لیکن گلۂ بُعد نہیں
اللہ اللہ یہ کیا عالمِ مجبوری ہے

دیکھئے گلے لگانے کے وقت ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ دیکھنے کے لئے دور ہونا ضروری ہوا۔ اسی طرح آئینہ میں خود کو نہیں دیکھ سکتے تا وقتیکہ دوری نہ ہو۔ لہذا ہر دوری موجب ناراضگی نہیں۔

تو مجھے چھوڑ دے تری مرضی — میں تجھے چھوڑ دوں خدا نہ کرے
تجھ کو ہے دشمنی وفا سے تو ہو — مجھ کو اللہ بے وفا نہ کرے
نہ کرے وہ کبھی وفا نہ کرے — میں وفا چھوڑ دوں خدا نہ کرے

۶۳۔ فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ نے نبوت کا ذکر سنتے ہی ایسی سرعت کے ساتھ فوراً تسلیم فرمالیا۔ گویا منتظر بیٹھے تھے کہ کب دعوے نبوت فرمائیں اور کب تصدیق کروں معلوم نہیں حضرت ابوبکر پر کیا گذر جاتی اگر دعوئ نبوت میں دیر لگ جاتی۔

نہ جانے تشنہ کامانِ وفا پر کیا گذر جاتی
جو اس کا حسن بھی شامل نہ ہوجاتا نبوتؐ میں

۶۴۔ فرمایا کہ پہلے زمانہ میں عموماً لوگوں کے اخلاق اچھے ہوتے تھے لہذا ان کو اذکار اور اشغال کے ذریعے یکسوئی پیدا کر کے توجہ الی اللہ پیدا کیجاتی تھی تاکہ اعمال تعبدی میں ان کو سہولت ہو جائے۔ اس زمانے میں یہ ہوا کہ یار لوگ اذکار تو کرنے لگے اشغال تو کرنے لگے مگر جناب اخلاق غائب معیشت

غائب، معاشرت غائب۔ تو ہمارے حضرت نے فرمایا بھائی یہ تو ٹھیک نہیں واجبات تو تم کرہی لوگے مگر یہ جو اخلاق ہیں ۔ معاملات ہیں ۔ معاشرت کے فرائض ہیں ان کی طرف توجہ کی ضرورت ہے ۔

بھائی عجیب بات ہے ۔ شاہ صاحب بنے ہیں تسبیح گلے میں ہے ۔ مگر نماز باجماعت غائب جس کا چاہا مال غصب کر لیا ۔ جدھر چاہا بدنگاہی کر لی جس کو چاہا برا کہہ دیا جس سے چاہی بدگمانی کر لی جس کی چاہی غیبت کر لی ۔

۶۵۔ تبلیغی جماعت والوں کے لئے ہمارے حضرت فرماتے تھے یہ لوگ اصلاح اعمال کرتے ہیں ۔ اور ہم تہذیب اخلاق کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا ہر رخ قرآن کی تعلیم کے مطابق ہو۔

۶۶ ۔ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں رسی سے ناپ ناپ کے صفیں درست کرتے تھے قسویہ کا یہ اہتمام تھا اور اس امر میں ہماری غفلت کی انتہا نہیں ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

۶۷۔ فرمایا ہمارے حضرت اپنے لئے ہمیشہ بڑے انکسار کے الفاظ استعمال فرماتے تھے ۔ ایک دن فرمایا ایسا لگتا ہے کہ سارا دین سمٹ کر دیوبند میں آگیا ہے ۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا بلکہ سارا دین سمٹ کر تھانہ بھون میں آگیا ہے ۔ فرمایا ہاں ہے تو غالباً ایسا ہی

۶۸ ۔ فرمایا مزاجاً مجھ کو پیوند لگا کپڑا پسند ہے ۔

۶۹ ۔ فرمایا میں اس پر آجکل برابر بحث کر رہا ہوں کہ یہ عذاب نہیں ہے جو اس وقت پاکستان میں آیا ہوا ہے ۔ بلکہ عذاب کی ایک صورت ہے ۔ عذاب ہو تو کوئی رہ نہیں سکتا ۔ عذاب کیوں ہو جبکہ تین استغفار کرنے والے موجود ہوں، چاہے کوئی صاحب کچھ کہیں میں نہیں مانتا ۔ مگر دیکھو بھائی فتویٰ شرعی اس پر نہیں ہو سکتا ۔ مَاکَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمْ الخ صیغہ جمع کا ہے ۔ اس کے لئے

تین عدد کافی ہیں۔

اس کا ایک پہلو اور بھی ہے چلئے ہم مانے لیتے ہیں کہ یہ عذاب ہے تو اس میں دقت یہ ہے کہ سب مسلمان بے دین ہو جائیں گے کہ اب تو عذاب آ ہی گیا۔ فائدہ ہی کیا توبہ کرنے سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ گناہوں پر شیر ہوں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ناامیدی نہ ہو۔

سنبھلنے دے ارے او ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے (غالب)

۷۰۔ فرمایا حاجات پیدا ہونا بہت بڑی نعمت ہے (کہ بندہ متوجہ الی اللہ رہتا ہے۔ گویا ضروریاتِ زندگی بہانہ ہیں اللہ سے وابستہ رہنے کا) فارسی کا ایک شاعر بیمار تھا اتفاق سے جو طبیب دیکھنے آیا وہ بڑا خوبصورت تھا۔ نظر پڑتے ہی شاعر بولا خوش طبیبے ست۔ بیا تا ہمہ بیمار شویم۔ (اگر ایسا حسین طبیب ہو تو میں دعا کروں گا کہ سب ہی بیمار پڑ جائیں کہ بار بار اس طبیب کو دیکھنے کا بہانہ ملے)

ان سے کرم کی التجا کرنے کا اک بہانہ ہو
چارہ گرو دعا کرو اب تو مجھے شفا نہ ہو

۷۱۔ فرمایا کہو اللہ سے میں تیرا در چھوڑ کر ہرگز نہ جاؤں گا اور اگر آپ ہنکاتے ہیں تو ہم جائیں کہاں کوئی اور جگہ ہو تو آپ ہی بتلا دیجئے۔

تجھے چھوڑ کر اب نہ جاؤں گا میں　　سوا تیرے مالک میں پاؤں کہاں
تجھے چھوڑ کر اب نہ جاؤں گا میں　　کہیں ٹھوکریں اب نہ کھاؤں گا میں
ترا نام پاک اور میری زبان　　کرم ہے نہیں تو یہ قسمت کہاں

۷۲۔ فرمایا دیکھئے بچے کھلونا سے کھیلتے رہتے ہیں۔ اگر کسی بچے کے پاس کھلونا نہیں ہے کوئی دوسرا بچہ اس کو دیتا بھی نہیں تو وہ کہتا ہے اچھا ہم اپنے ابا سے

منگوالیں گے۔ تو بھائی ہم بھی اپنے ربّا سے کہہ کر اپنی حاجات پوری کروائیں گے۔

۷۳۔ فرمایا میں کہتا ہو جبرئیل آئیں۔ میکائیل آئیں۔ حاملانِ عرش آئیں تو ہم کسی کی طرف متوجہ نہ ہوں ہم تو اپنے اللہ ہی سے کہیں گے۔

۷۴۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذوقِ عرفان اور احساس توحید تقریباً غیر متناہی ہے ہر وقت بڑھتا رہتا ہے۔ ہر عمل عبدیت میں اس کا پرتو پڑتا رہتا ہے ہم سمجھ نہیں سکتے۔

۷۵۔ فرمایا کسی کا شعر ہے۔

اگر‌ئی[۵۱] کا ہے گماں۔ شک ہے ملاگیری[۵۲] کا
رنگ لایا ہے دوپٹہ ترا میلا ہوکر

لکھنؤ میں جب میں نے اس کا مطلب بتلایا تھا تو وہ سب سے علیحدہ تھا۔ (وجد آفریں تھا) وہ یہ کہ مظاہر کیف و رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں یہی ہے میلا ہونا۔

۷۶۔ فرمایا آج کل لوگ خواہ عالم ہوں یا درویش۔ سب آئینہ خانہ میں رہتے ہیں ان کو اپنی ہی صورت نظر آتی ہے اور وہ اس حد تک کہ معیوب ہو جائے حالانکہ صرف ایک پتھر مارا جائے تو آئینہ ٹوٹ جائے۔

۷۷۔ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ

راہِ حق تجھ کو اگر مطلوب ہے
دوڑ کر تھانہ بھون کی راہ لے

یہ چیز اپنے جمال و کمال کو پہنچ گئی حضرت کے زمانہ میں۔ اس طرح کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشادِ بشارتی اپنے ظہور میں آ گیا۔

۷۸۔ ایک صاحب اپنے بیٹے مسمی محمد مظہر کے عقد میں شرکت کی درخواست

---

۵۱ ایک طرح کا رنگ۔ ۵۲ سادھوؤں کا سا رنگ۔

کرنے حاضر ہوئے عرض مدعا کر چکے تو بابا صاحب نے فرمایا مومن خاں نے ایک شخص مسمی محمد مکھن کا سجع لکھا تھا۔ عالم ہمہ دوغ[1] ست محمد مکھن مجھ سے سجع سن لو عالم ہمہ غیب است محمد مظہر۔

۷۹ - فرمایا لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ میاں کو اپنا محکوم بنالیں۔

دل خوں شدو شرطِ جاں گدازی این است   درحضرتِ او کمینہ بازی این ست

با ایں ہمہ ہم ہیچ نہ توانم گفت   شاید کہ مگر بندہ نوازی این ست

ان کا ہر تصرف ایک کرم ہے جو سمجھ میں نہیں آسکتا صرف تسلیم کیا جائے گا۔

۸۰ - فرمایا لوگ کسی نہ کسی وجہ سے پریشان ہیں میں کہتا ہوں سے

کیا شکوۂ مجبوری کیسا گلۂ دوری   الفت کی اجازت بھی کیا کم کوئی احساں ہے

۸۱ - فرمایا کہ ایک بیوقوف (کافر) صاحب نے فرمایا تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا نہ فرمایا تھا اس وقت تک تو اللہ تعالیٰ کا جی گھبراتا ہوگا۔ ارے بیوقوف یہ اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے جس کے سامنے ماضی، حال مستقبل میں فرق ہو مگر اللہ کے لئے سب برابر ہے۔ اس کے سامنے تو مخلوق کا عدم بھی وجود ہی ہے۔ پھر اللہ کوئی انسان تو ہے نہیں جس کو دل بہلانے کی ضرورت ہو اس کی کسی آن یا شان کو اپنے اوپر نہیں قیاس کیا جا سکتا۔ لقولہ تعالےٰ۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔

۸۲ - فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ الخ

(تو پھر نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ کوئی بے حکمی ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے) (بقرہ رکوع ۲۴)

تو سوال یہ ہے کہ فسوق کہہ دیتا تو کافی تھا۔ پھر جدال بھی کیوں فرمایا۔ بات یہ سمجھ میں آئی کہ حج میں لڑائی جھگڑا نہ کرنا کافروں تک کو مسلم تھا تو اللہ تعالےٰ نے جدال کا استعمال فرما کر گویا یہ بتلا دیا کہ ایام حج اتنے متبرک ہیں کہ جس میں

---

[1] دوغ: دودھ۔

اس درجے متوجہ الی اللہ رہنے کی ضرورت ہے کہ اگر جائز انتقام لینے کا بھی وقت آپڑے تو ہمت سے کام لے کر ترکِ انتقام کر دو۔

۸۳۔ فرمایا قرآن کی اُن آیتوں کو چھوڑ کر جو احکامات پر مشتمل ہیں باقی جو آیات عقائد اور مغیبات کے متعلق ہیں ان کا جو مطلب دنیا میں ہم لوگ سمجھے ہیں یہ کامل مطلب نہیں ہے۔ آخرت میں اس کا مطلب خوب سمجھ میں آئے گا جو دنیا کے مطلب سے عجیب تر ہوگا۔ گو کامل انکشاف وہاں بھی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کی وسعت تک رسائی ممکن ہی نہیں۔

۸۴۔ ذکر یہ تھا کہ گو طالبِ حق اپنے اعمال کی تحسین میں پوری کوشش کرتا ہے مگر پھر بھی اس کو اپنے اعمال میں کوتاہیاں نظر آتی ہیں۔ اس پر فرمایا کہ بات یہ ہے کہ طالب کی معرفت میں ہمہ وقت ترقی ہوتی رہتی ہے گو اس کے احساس میں نہ آئے۔ ترقی کا ہر اگلا درجہ جب نظر آتا ہے تو موجودہ درجہ پُر نقص نظر آنے لگتا ہے اور معرفت حق کی کوئی غایت ہی نہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسی عورت کی محرم۔ ایک دفعہ چھاتی کی ناپ کی سی کر دی گئی مگر چند روز میں وہ تنگ اور پُر نقص معلوم ہونے لگی۔ بات کیا ہوئی کیا محرم تنگ سی گئی نہیں بلکہ اس کی چھاتی ہمہ وقت بڑھ رہی ہے۔ ہندی کے اس شعر کا یہی مطلب ہے۔

بار بار درجن گھر جھگرت ٹھاڑ
سوئی سوئی انگیا سیوت جوئی باڑ

(عبدالرحیم خانِ خانان)

عبدالرحیم خانِ خانان[۱] کا ایک اور بھی دوہا یاد آیا۔

۱۔ مسودے کی سماعت فرماتے ہوئے جب یہاں پر پہونچے تو مکرمی حضرت سوز صاحب (بقیہ صفحہ آئندہ)

آج چندر ما دوج ہے جگ چتوت چھوں اور

(آج چاند نکلنے والا ہے دنیا اس کو چاروں طرف سے دیکھ رہی ہے)

ہمرے اور وا مترکے نین بھئے اک ٹھور

(یعنی ہماری اور اس محبوب کی نگاہیں اکٹھا ہو گئی ہیں)

مجاز میں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ کہیں سے محبوب چاند دیکھ رہا ہے ادھر سے میں بھی دیکھ رہا ہوں تو دونوں کی نگاہیں ایک جگہ اکٹھا ہو گئیں۔ مگر میری سمجھ میں تو اس کا ایک عجیب مطلب آیا ہے کہ اس چاند کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دیکھا تھا اور آپؐ کی نگاہِ مبارک کے انوار اس سے مس ہوئے تھے۔ اب ہماری یہ سعادت ہے کہ اسی چاند کو ہم بھی دیکھ رہے ہیں اور ہماری نگاہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ جہاں نور نگاہِ مبارک پڑا تھا وہاں پہنچ رہی ہیں۔ سبحان اللہ

۸۵۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ مولانا زکریا صاحب نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ دعا کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور کچھ درود شریف پڑھنا چاہیئے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) شاہجہانپوری نے فرمایا کہ اصل میں یہ ایک جو بولا ہے عبدالرحیم خان خاناں کا جسکے بول یہ ہیں۔

اُن گن دریا بن گھنے کہ بیچ بیچ پڑت پہاڑ

اے ری سکھی میں تو سے پوچھوں کاہے کیو سنگھار

آج چندر ما دوج ہے چتوت ہیں اُس اور

ہم رے اور درگپال کے نین بھئے اک ٹھور

(ایک ہندی نار (عورت) جس کا پتی (شوہر) بدیس گیا ہوا ہے اس نار نے خلافِ عادت سولہ سنگھار کئے اور چاند کے انتظار میں کوٹھے پر جا کر کھڑی ہوئی تو اسکی سکھی (سہیلی) نے اس سے سوال کیا یہ سوال پہلے دو مصرعے ہیں اور جو اس نے جواب دیا یہ آخر کے دو مصرعے ہیں)

اس پر فرمایا کہ وظیفوں کے متعلق لوگوں کے عقائد بڑے گڑ بڑ ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ دعا کا تو اللہ میاں پر کچھ اثر ہوتا نہیں البتہ وظیفے سے اللہ میاں کو دبا لیں گے ارے وظیفہ تو اس لئے پڑھتے ہیں کہ ہماری زبان پاک ہو جائے۔ ہمارا دل پاک ہو جائے۔ ہمارا یہ ایک نیک عمل بن جائے۔ یہ نہیں کہ ہم اللہ میاں کو مجبور کر دیں گے دیکھو جب چوٹ لگتی ہے تو ہائے اللہ کہتے ہیں کہ نہیں پھر ہائے اللہ سے پہلے کونسا وظیفہ پڑھتے ہیں یا ذکر اللہ کرتے ہیں۔ رہی فضیلت ذکر اللہ کی یا وظیفے کی تو اس سے انکار نہیں ہے عقیدہ تو درست رکھنا چاہیئے۔ اور مولانا محمد زکریا صاحب نے جو فرمایا وہ بالکل صحیح ہے۔ عالمانہ اور عابدانہ طریقہ دعا یہی ہے۔ لیکن بھائی فریادی اور مستغیث کو شدت اضطراب میں پورے آداب کا کہاں یارا۔

۸۶۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ کل رمضان کی شب قدر تھی میں نے اللہ سے بہت دعائیں مانگی ہیں۔ دیکھئے قبول ہوتی ہیں یا نہیں۔ اس پر فرمایا کہ مانگنا خود عبادت ہے اور عبادت بہر حال مقبول ہے مطلوبہ نتائج چاہے تاخیر سے ہوں چاہے نہ ہوں اس عالم میں۔

۸۷۔ مرتب نے عرض کیا کہ جب آپ کی مفارقت کا خیال آتا ہے تو جان پر بن جاتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ تعلق باللہ نہ ہو تو برداشت مشکل ہو ساتھ ہی یہ خیال بھی آتا ہے کہ اگر صحابہ کرام کو تعلق مع اللہ کی دولت میسر نہ ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے پر نہ جانے کتنے لوگ جان دے دیتے نہ جانے کتنے دل دھڑکنے سے رک جاتے گو یہ سب معذور ہوتے۔ اس پر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ میری موت تمہارے لئے بہت بڑی آفت ہے اس ارشاد سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری مفارقت کے بعد ہر مصیبت اور ہر قسم کی مصیبت کا تحمل اس مصیبت عظمیٰ کے مقابلے

میں پہنچ تھا ۔ خواجہ عزیز الحسن صاحب نے اس بات کو ایک خاص انداز میں ذرا صاف کر کے کہا ہے کہ جب تک ہمارے حضرت زندہ تھے ہمارا تعلق باللہ بواسطہ تھا اب بلا واسطہ ہو گیا۔ جیسے کہ حجاب درمیان سے اٹھ گیا۔ (اسی سلسلہ میں باباصاحب نے فرمایا کہ) مگر غالباً اس حجاب کے ساتھ جن تجلیات تکوینی تشریعی وکیفی کا تحمل وتجلی ہو سکتا تھا وہ اب کہاں۔

۸۸ ۔ فرمایا۔ کہ میں حضرت کے قیام لکھنؤ کے زمانے میں جلد جلد تھوڑے تھوڑے وقفہ کے لئے جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ گیا تو خواجہ صاحب حضرت کے ملفوظات ضبط کر کے دوسروں سے لکھوا کے تصحیح اور تصویب کے لئے حضرت کی خدمت میں پیش کر رہے تھے۔ شاید اس زمانے میں جن صاحب سے ملفوظات لکھوا کے حضرت کی خدمت میں پیش کئے وہ خوشخط نہ تھے۔ میں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ دو ایک روز تو میں ہوں میں لکھ دیا کروں گا۔ دوسرے دن علی الصباح جب میں پہنچا تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے تمہارا نام لیکے حضرت اقدس سے عرض کر دیا۔ کہ آج اُن سے لکھواؤں گا تو حضرت نے فرمایا کہ ان کا خط تو بہت اچھا ہے اس کے بعد دوسرے دن خواجہ صاحب نے مبارکباد دی کہ حضرت نے فرمایا کہ آج تو بڑی راحت پہنچی۔

۸۹ ۔ فرمایا کہ ایسا شیخ جو قرآن کا بھی جامع ہو اور ادیب بھی ہو بس حضرت ہی کو دیکھا۔ یعنی شربت تو بہت ملتا ہے مگر ایسا شربت جس میں کیوڑا بھی پڑا ہو بس ایک ہی ہے کسی کی تنقیص مقصود نہیں ہے ہوں گی ان میں بھی خوبیاں مگر ہم کو معلوم نہیں۔

۹۰ ۔ فرمایا کہ خبر آئی ہے کہ ہندوستان میں قیدیوں[1] کو ایک ایک کمبل میں

---

[1] قیدیوں سے مراد دسمبر ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کے بعد جو تقریباً ایک لاکھ فوجی اور سول سرکاری ملازمین پاکستان کے ہندوستان کے قبضہ میں چلے گئے تھے جو الحمد للہ کہ اکتوبر ۱۹۷۳ء میں واپس آگئے۔

دو دو آدمیوں کو سونا پڑتا ہے۔ اس پر شعر یاد آیا حسرت موہانی کا ؎

کٹ گیا۔ قید میں ماہ رمضاں بھی حسرت
گرچہ سامان سحر کا تھا نہ افطاری کا

۹۱ - فرمایا کہ اوروں سے متعلق تو میں کچھ نہیں کہتا مگر خواجہ صاحب کے متعلق صاف کہتا ہوں کہ ان میں کلام اور کمال دونوں میں انا نہیں تھی یہ صفت اوروں میں بھی ہوگی مگر زیادہ بے تکلفی اور قربت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا اندازہ نہیں ہے۔

۹۲ - فرمایا کہ اکبر الہ آبادی کے اشعار ہیں۔

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکہ تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے

ناتجربہ کاری سے واعظ کی ہیں یہ باتیں
اس رنگ کو کیا جانے پوچھو تو کبھی پی ہے

اُس مے سے نہیں مطلب دل جس سے ہو بیگانہ
مقصود ہے اس مے سے دل ہی میں جو کھنچی ہے

آخری شعر میں مے سے کیا مراد ہے خود ہی بیان کر دیا۔

۹۳ - فرمایا کہ غالباً آج سے ساٹھ پینسٹھ سال پہلے ڈاکٹر بوس نے جو ایک بڑا ماہر سائنسداں تھا یہ تحقیق کی کہ نباتات میں بھی حیات ہے اس پر اہل ہندوستان بالخصوص ہندو بہت شاد اور نازاں تھے۔ اب سنئے ہمارے اللہ میاں ہر چیز کی حقیقت بیان فرما دیتے ہیں۔ اس ارشاد سے اِن مِّن شَیءٍ اِلا یسبح بحمدہ - الخ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ شے جو مخلوق ہے یہاں تک کہ نباتات، جمادات، حیوانات کے علاوہ غیر مادی ذہنی اور فطری مخلوق جو خواہ ذات میں ہو خواہ صفت میں۔ عرض ہو یا جوہر ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ آگے فرمایا لیکن اس تسبیح کو تم سمجھتے نہیں۔ اسی سلسلہ میں بوس کی تحقیق سے پہلے ہی نباتات کے متعلق

اکبر الہ آبادی نے ایک شعر کہا تھا۔

اکبر اس فطرتِ خاموش کو بے حس نہ سمجھ
ہاں یہ چشمِ نگراں ہے اسے نرگس نہ سمجھ

کیا حقیقت بھرا شعر ہے۔ اس شعر سے بھی نباتات میں حیات کی تائید ہوتی ہے۔ اور اللہ کا ارشاد تو اللہ کا ارشاد ہے۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْط۔

۹۴۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھے یہ خیال آیا کہ اگر میرے حضرت مجھ سے ناراض ہو گئے تو میں کیا کروں گا، اسی چکر میں ایک سال رہا کہ ایک دن دل میں یہ جواب وارد ہوا کہ اللہ تو موجود ہے وہ حضرت کو بھی مجھ پر مہربان کر سکتا ہے میں نے حضرت کو عریضے میں پوری بات لکھی جواب میں ارشاد فرمایا کہ بالکل صحیح ہے۔ اس بات سے جو میرے دل میں وارد ہوئی حضرت کی تصویب کے بعد میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ الحمد للہ میرا تعلق حضرت سے بواسطۂ حضرتِ حق ہے۔ تعالیٰ شانہٗ والحمدُ للہ۔

۹۵۔ فرمایا۔ ایک زمانہ وہ ہوا کہ میں بہت دنوں تک (ہو سکتا ہے کہ ایک سال سے اوپر) حضرت کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا کچھ مجبوریاں تھیں اور رہی ہوں گی جو یاد نہیں بہر صورت میں نے بہت حسرت کا عریضہ لکھا۔ ہائے قربان ایسے اپنے شیخ کے۔ جواب میں رقم فرمایا کہ اگر کوئی وقت ہو پیسے کی تنگی ہو تو کسی سے قرض لے کر چلے آیئے اور مجھ سے بتا دیجئے گا۔ چپکے سے دیدوں گا کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ جب یہ ارشاد جوابی میرے پاس آیا تو میں مست ہو گیا۔ اور میں نے جواب میں یہ عرض کیا کہ حضرت میرا سب انتظام ہے اور جلد حاضر ہو رہا ہوں مگر میری یہ گذارش ہے کہ میرا یہ حق محفوظ رہے جب میں چاہوں حضرت سے عرض کر کے مانگ لوں۔ پھر جواب

یں حضرت نے رقم فرمایا کہ بہت مناسب ہے اس خط وکتابت کے بعد جلد ہی مجھے حاضری کا موقعہ ملا۔ اور اس حاضری میں وہ توجہات تھیں وہ توجہات تھیں کہ ہائے میرے اللہ۔ کاش وہ لمحات پھر واپس آجائیں (مرتب سے فرمایا کہ) اپنا بھید بتایا تو یہ حال ہے کہ دل لذتوں سے معمور ہے۔ اپنا شعر یاد آگیا ؎

یادِ اُس گلِ رعنا کی دل میں چمن آرا ہے
آغوشِ تمنا میں مقصودِ تمنا ہے

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحٰنَ اللهِ الْعَظِيْمِ

۹۶۔ مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کے نواسے حکیم مشرف صاحب لاہور سے آئے روح الذہب کی معرکۃ الآرا مقوی گولیاں بنا کر لائے اور حضرت کو پیش کرتے ہوئے ان گولیوں کی بہت تعریف کی کہ اعضائے رئیسہ کو اتنی اتنی قوت پہنچاتی ہیں۔ اس پر فرمایا کہ قوت تو اصل میں ذکر اللہ اور تعلق مع اللہ میں ہی ہوتی ہے۔

۹۷۔ ذکر یہ تھا کہ جس گھر میں تصویر ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے اس پر فرمایا کہ میرا عمل تو یہ ہے کہ میں سوتے وقت نوٹوں کو جس میں تصویر بنی ہوتی ہے سر کے نیچے سے جہاں میں دن میں رکھتا ہوں ہٹا دیتا ہوں۔ اسی طرح نماز پڑھتے وقت جیب خالی کر دیتا ہوں اور یہ کوئی تقویٰ کی وجہ سے نہیں بلکہ خوف کی وجہ سے کہ نہیں معلوم رات ہی کے وقت میرا انتقال ہو جائے گو یہ معلوم ہے کہ فقہا نے اجازت دی ہے کہ نماز میں اگر تصویر والا نوٹ جیب میں ہو تو نماز ہو جاتی ہے۔ مگر خوف معلوم ہوتا ہے (آگے فرمایا کہ) ایک بات اور سمجھ میں آئی فقہا نے اجازت دی ہے تو فرشتے ضرور رحم کریں گے۔ (آگے فرمایا کہ) ایک بات اور سمجھ میں آئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ سے

پہلے جو عمرہ کیا تھا طواف جس کا رکن اعظم ہے اس وقت کعبہ کے اندر ۳۶۰ بت موجود تھے پھر آخر عمرہ مکمل ہوگیا یا نہیں (پھر فرمایا) یہ عمرہ والی بات سمجھ میں آکر گویا دماغ پر سے ایک بوجھ اتر گیا اور دل کا کانٹا نکل گیا۔ طبیعت سکون پذیر ہوگئی۔ میرے مالک کا کیسا کرم ہے۔ اے میرے اللہ تو کتنا پیارا اللہ ہے۔

۹۸ ۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اوّابین کی کتنی رکعتیں ہیں فرمایا چھ رکعات ہیں مگر یہ بھی مشائخ کا معمول رہی ہیں محدثین آ۔ اسے مانتے ہی نہیں وہ تو اوابین اشراق اور چاشت کے وقت کو کہتے ہیں ۔

۹۹ ۔ فرمایا مجھے مزاجاً ہاتھ گھڑی اور ٹیلیفون وغیرہ پسند نہیں گو یہ گناہ نہیں ہیں مگر پچھلے بزرگوں کا طریق نہیں رہا ہے اور پچھلے بزرگوں کے طریق کو زمانہ نبوی سے قرب حاصل ہے اس لئے مجھے اپنی اس مزاجی کیفیت پر اعتماد ہے

۱۰۰ ۔ فرمایا کہ ایک ہندو مہاجن کا لڑکا موہن لال تھا وہ ایک طوائف پر عاشق ہوگیا۔ مگر عشق اس کا سچا تھا اس کے مکان کا چکر لگاتا رہتا اور اُسے تکا کرتا۔ دن بدن سوکھ کر کانٹا ہوتا جا رہا تھا لوگوں کو اس پر ترس آیا اور باہم یہ مشورہ کیا کہ اس کے ماں باپ سے مل کر یہ کہنا چاہیئے کہ بھائی لڑکے کی جان جانے والی ہے ایسا کیوں نہ کرو کہ اس کو کچھ پیسے دے کر کہدو کہ جا کر طوائف سے تعلق پیدا کر لے تاکہ لڑکے کی جان تو بچے۔ چنانچہ لوگ اس کے پاس گئے اور اپنی تجویز پر عمل کرنے کے لئے کہا۔ لڑکے نے جواب دیا کہ میں آپ کی تجویز پر ہرگز عمل نہ کروں گا اگر میں ایسا کروں تو جل جاؤں۔ غرضیکہ وہ یوں ہی طوائف کو دیکھتا رہتا تھا حتیٰ کہ اسی غم میں گھل گھل کر مرگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت کی ایک کیفیت غیر شہوانی بھی ہوتی ہے اور وہ اس غیر مسلم کے حصے میں بھی آگئی۔

۱۰۱۔ فرمایا کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کے ایک خلیفہ تھے مولانا تجمل حسین صاحب۔ جب یہ حج کو گئے تو پہلے سال تو حج کر لیا پھر مکہ ہی میں مقیم تھے اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے پہلے سال کے بعد کسی سال (وقت معلوم نہیں) مولانا تجمل حسین صاحب حج کے لئے (یعنی عرفات) نہیں گئے کیونکہ حضرت حاجی صاحب بھی تشریف نہیں لے گئے تھے اور بیٹھے ہوئے حضرت حاجی صاحبؒ سے باتیں کر رہے تھے کسی نے پوچھا کہ اس سال حج کو نہیں گئے، فرمایا حج فرض تو ادا ہی کر چکا ہوں۔ اب تو ہم ان کی (حضرت حاجی صاحبؒ کی) صحبت میں بیٹھیں گے۔ یہ نہیں گئے تو ہم بھی نہیں گئے (پھر بابا صاحب نے فرمایا) اپنی اصلاح کرنا ہر شخص پر فرض ہے تو اصلاح کے لئے صحبت میں بیٹھنا اولیٰ ہے حج نفل سے

۱۰۲۔ حضرت حافظ عبداللہ[1] ولی صاحب نے فرمایا کہ ایک صاحب ہمارے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست پیش کی حضرتؒ نے دریافت فرمایا کہ آپ کا کیا نام ہے کہاں سے تشریف لائے ہیں ان صاحب نے اپنا نام بتایا۔ چرتھاول مقام بتایا اور حضرت بڑی پیرانی صاحبہ سے اپنا رشتہ بھی ظاہر کیا۔ حضرت نے بلا پس و پیش بیعت کر لیا۔ اس پر بابا صاحب نے فرمایا کہ اس واقعہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرتؒ اپنی اہلیہ صاحبہ سے رشتہ ہونے کی وجہ سے مروت میں آگئے اور اپنے اصول کو توڑ کر بیعت کر لیا بلکہ بات یہ ہے کہ حضرتؒ نے اپنی بصیرت کاملہ سے ان کی حسن استعداد معلوم کر لی جس سے انہیں اصول پر پورا ہوتا ہوا پایا۔ جیسا کہ ایک واقعہ ہے کہ ایک طالب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچا اور بیعت

---

[1] حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے مجاز صحبت)

کی درخواست کی آپ نے انکار فرمادیا اور فرمایا تمہارے چہرے سے شقاوت نمایاں ہے میں بیعت نہ کروں گا وہ شخص وہاں سے اٹھ کر حضرت سید احمد صاحب رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور اپنا مدعا عرض کیا۔ نیز حضرت شیخ صاحبؒ کا انکاری جواب بھی نقل کردیا۔ حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا آبھائی تو بھی شقی ہیں بھی، گھبرانے کی کیا بات ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اور بیعت کرلیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب یہ طالب حضرت شیخ صاحبؒ کی خدمت میں پھر حاضر ہوا اور حضرت سید احمد صاحب رفاعی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کا حال بھی عرض کیا تو حضرت شیخ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی سید احمد رفاعی کا ہی کام ہے۔ آگے بابا صاحب فرماتے ہیں کہ بات یہ تھی کہ ہر انسان میں کچھ اچھائی کچھ برائی ہوتی ہے۔ جب یہ طالب حضرت شیخ صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت شیخ پر اس کی برائیاں منکشف ہوئیں اور جب یہ حضرت سید صاحب کی خدمت میں پہنچا تو ان پر اچھائیاں منکشف ہوئیں۔ اور یہ میں اپنے دل سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ہمارے حضرت نے یوں ہی فرمایا ہے۔

۱۰۳۔ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں سنا ہے کہ ہر شخص کے متعلق ایک شیطان ہوتا ہے اور ایک اسی جنس کا میرا بھی ہے (عموماً جسے لوگ ہمزاد کہتے ہیں) حسب ارشاد حضورؐ اس جنس کی جس ہستی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق تھا وہ مسلمان اور حضورؐ کے تابع فرمان تھی یہ ایک بات اور سمجھنے کی ہے کہ ہر شے ایک وجود رکھتی ہے اور اس وجود کے لئے سمجھ میں یوں آتا ہے کہ چاہے ہمیں نظر سے دکھائی نہ دے۔ اس کی کوئی شکل ہوتی ہے اور وہ شکل متعین اور محدود ہوتی ہے اور اسی حیثیت سے وہ احکام حق سنتی اور بجالاتی ہے۔ ایک مرتبہ مدینہ شریف میں بخار وبائی شکل میں پھیلا تھا۔ بخار کی وبا دفع ہونے سے پہلے

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میں جو وبا پھیلی تھی اب وہ جُحفہ چلی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیکری کیفیت بھی بیان فرمائی کہ اس شکل کی تھی اب معلوم ہوا کہ ہر وہ شے جو شے ہے وجود رکھتی ہے۔ وجود کے لئے اس کے حدود مقرر ہیں ایسے ہی ہو سکتا ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ یہ جو شیطان ہے اس کی بھی شکل ہو اور اندرونِ پیکرِ بشری اس سے جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں وہ نفس بالخصوص نفس امارہ کے تحت میں ہوں اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ شیطان ہمارا وہ نفس ہی ہو جس کو امارہ کہتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ نفس امارہ کیلئے بھی دو سپاہی ہیں ایک لوّامہ دوسرا مطمئنہ اور یقیناً تینوں نفس شے ہیں اور ذی وجود ہیں تو ان کا قانونِ الٰہی میں کوئی پیکر ہوگا ایک دوسرے سے الگ الگ۔

۱۰۴۔ فرمایا کسی چیز کو جاننا کہ یہ کیا ہے مگر باوجود اس کے نہ ماننا سب سے بڑی خطا ہے۔ معرفت بے عبدیت بیکار ہے۔ اصل معرفت حقیقتاً عبدیت ہی ہے یعنی یہ کہ احکام کو ماننا اور ان کی تعمیل کرنا۔ قرآن شریف میں آیا ہے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰا الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ۔ یعنی جو اہلِ کتاب ہیں وہ رسولؐ کو ویسے ہی یقینی طور پر پہچانتے ہیں۔ جیسے کوئی اپنے بیٹے کو پہچانے کہ یہ میرا بیٹا ہے لیکن باوجود اس پہچاننے کے جب وہ ایمان نہیں لاتے اور اطاعت واتباع سے انکار کردیا تو وہ کافر ہی رہے۔ دوسرے الفاظ میں معرفت بے تسلیم و بے اطاعت و بے اتباع کفر ہی کے برابر ہے۔ یعنی اصل چیز خوب ہے وہ تسلیم۔ اطاعت اور اتباع ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۝ اور اس یعبدون کی ایک تشریح حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے کی ہے لِیَعْرِفُوْن جس سے اور بھی صاف ہوگیا کہ اصل یعرفون۔ یعبدون سے یعبدون

کے معنیٰ عموماً لوگ لیتے ہیں عبادت کرنے کے اور زیادہ صحیح مفہوم یہ ہے کہ بندگی کی زندگی بسر کرنا یعنی ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے قول کے مطابق غلامی کی زندگی بسر کرنا۔ کیونکہ غلام کی نہ کوئی اپنی شخصیت ہے نہ رائے نہ پسند ہے نہ مرضی ہے جو مالک چاہے اور جو مالک کہے وہی سب کچھ ہے۔

۱۰۵۔ فرمایا کل میں نے اپنی نواسی و پوتی سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ذکر کیا اور یہ بھی انھیں بتایا کہ حضرات صحابہؓ جب ان سے سوال کرنے گئے تو آڑ اور حجاب سے گفتگو ہوئی۔

ماں جو دنیا کے لحاظ سے بھی ماں کہلاتی ہے محرماتِ ابدیہ میں سے ہے۔ ایسے ہی اور رشتہ دار نانی، دادی، پھوپی، بیٹی، بہن ہیں۔ ان محرماتِ ابدیہ سے عام طور پر حجاب کی ضرورت نہیں علاوہ مواقع خلوت کے یہ عجیب بات ہے کہ جس کو ہم ماں جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اس کا امکان ہے کہ در اصل وہ ماں نہ ہو اور چپکے سے ہمیں کہیں سے لے کے پال لیا ہو اور اس کے سوا کسی اور کو اس بات کی خبر نہ ہو مگر وہ بہر حال محرمات میں سے ہے۔ لیکن امت کی مائیں جو اللہ کے نزدیک ہماری مائیں ہیں اُن سے بہر حال پردہ ہے۔ بلکہ ان کو یہاں تک حکم ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھی رہو۔ بلند آواز یا بے تکلفی سے باتیں مت کرو۔ امت کی مائیں محرمات ابدیہ بھی ہیں لیکن بہر حال ان سے پردہ ہے۔ اپنے حکم کی اصلی حکمت تو اللہ جانے مگر ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُس قرب خاص کی بدولت جس سے وہ ہماری ماں۔ قانوناً ہماری ماں کر دی گئیں انھیں بلکہ ان کی بشریت کو بھی وہ نفاست و لطافت وہ نزاکت اور وہ نورانیت عطا

فرما دی گئی کہ عام امتی کی نگاہیں اگر ان پر پڑ جائیں تو گویا آئینہ پر گرد و غبار پڑ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس امکانِ کثافت سے محفوظ رکھا۔ سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ

۱۰۶۔ فرمایا کہ اس کی کیا پہچان ہے کہ اللہ ہم سے راضی ہے۔ اس کی یہ پہچان ہے کہ یہ دیکھ لے کہ ہم اللہ سے راضی ہیں یا نہیں (یعنی اس کے قانون کو دل سے ماننا اور اس پر چلنے کی کوشش کرنا اور اس کے تصرفات اور مشیات پر راضی رہنا)۔

۱۰۷۔ فرمایا کہ میں نے تین حضرات کے لئے تین مصرعے منتخب کئے ہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب کے لئے .. .. نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں ..

مولوی محمد احمد صاحب کے لئے .. .. .. کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب کے لئے .. .. .. یارِ من ایں دارد و آں نیز ہم۔

ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب دامت برکاتہم تشریف فرما تھے انھوں نے اپنے متعلق مصرعہ سنکر فرمایا کہ آپ جو چاہیں کہیں بابا صاحب نے فرمایا کہ ارے میں اللہ میاں کے سامنے بھی یہی کہوں گا۔ تھوڑے سکوت کے بعد پھر فرمایا اور میں اپنے لئے یہ کہتا ہوں۔ دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد۔

ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ آپ کے لئے تو میں اپنا یہ شعر سناتا ہوں ؎

اے عارفی کچھ حد بھی ہے وارفتہ مزاجی کی
خود اپنی نظر میں ہوں اک ہستیٔ بیگانہ

۱۰۸۔ فرمایا انسان دنیا میں عموماً راحت، مسرت اور اطمینان کا طالب ہے

ؔ افسوس کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا ۱۱ر شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۷ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو انتقال ہوگیا۔

اور سچ پوچھئے تو کوئی چیز اختیاری نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ حاصل کیونکر ہو جس نے زندگی دی ہے ہماری ساری ہستی ہمارا سارا وجود۔ سارا ماضی و حال و استقبال جس کے اختیار میں ہے۔ قربان جائیے اس کے۔ اس نے خود فرمایا ہے

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

(سن لو اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے) نتیجہ یہ ہے کہ اللہ سے صحیح تعلق حاصل ہونے اور صحیح طور پر اس کی یاد کرنے ہی سے وہ کیفیت قلبی حاصل ہوتی ہے جس کا لقب طمانیت ہے راحت اور مسرت اسی طمانیت کی ذیلیات اور ضمنیات میں سے ہیں۔

اللہ کون ہے۔ نہ ہم جانتے ہیں نہ جان سکتے ہیں۔ اللہ کو مان سکنا ہی ممکن ہے اور اسی مان سکنے کی معراج یہ ہے کہ اللہ وہ اللہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اللہ ہے یعنی جس نے ایسی بے نظیر عدیم المثال حسین و جمیل سے بھی بڑھ کر حسین و جمیل ہستی پیدا کی ہے جس کا اسم گرامی محمد ہے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بس ہم اسی اللہ کو اللہ مانیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کو مانیں تو مگر کیا صرف مان لینا کافی ہے۔ نہیں۔ بلکہ اس کو راضی کرنا۔ اس کو راضی رکھنا اور اس سے راضی رہنا یہی ہماری کائنات کا مقصد۔ ہماری کائنات کی راحت اور ہماری کائنات کی معراج ہے۔ چونکہ اللہ براہ راست اپنی رضا کے اسباب و طرق ہمکو بتاتا نہیں یہ اسباب و طرق صرف محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بتائے ہیں اور انھیں کو معلوم ہیں اور وہی بتا سکتے ہیں۔ حکم ہوا اعلان کردو۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو

خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے) آل عمران رکوع ۳)

معلوم یہ ہوا راحت۔ مسرت اور طمانیت تو ایک طرف مقصود حیات صرف اتباعِ نبویؐ ہے۔ ایک چیز تو اطاعت ہوتی ہے کہ جو کہا گیا مان لیا مگر اطاعت ہو کیونکہ وہ صرف اتباع سے حاصل ہوتی ہے اور اتباع کا آسان اور صحیح مفہوم ہے نقل کرنا یعنی قول فعل عمل۔ ذہنیت۔ فکر تخیل تصور اعتماد انقیاد وایقان سب میں صرف اور صرف نقل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاضتیں، مجاہدے، مشقتیں بزرگوں نے اس لئے سکھائی ہیں کہ دولت اتباع کامل و احسن طور پر حاصل ہو جائے۔ یہ اسبابِ تحصیل یعنی ریاضتیں مجاہدے مشقتیں۔ اسباب اور ذرائع ہیں مقصود نہیں چنانچہ سکون خاطر اور مقاصد دینوی کے حصول میں بہت سے طرق ایجاد اور رائج ہوئے جو منصوص نہیں ہیں یعنی ثابت نہیں ہیں۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا خیر القرون سے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُن طریقوں سے کچھ تعلق تو ہو سکتا ہے کچھ فوائد تو ہو سکتے ہیں مگر وہ نعمت نہیں حاصل ہو سکتی جو اَلَابِذِکرِاللہ الخ اور قل ان کنتم الخ سے حاصل ہوتی ہے ان غیر منصوص طرق میں گویا حرکت ہے برکت نہیں ہے۔ ہمارے حضرت نے قربانش شوم اعزازی اعجازی اور تفصیلی طور پر یہ تجدد اختیار کیا کہ غیر منصوص طرق کی تحقیر تنقیص یا تردید تو نہیں فرمائی مگر ان کو آثار قدیمہ کی چیزوں کی طرح صندوق متروکات میں بند کر دیا اور سیدھے سیدھے طریقے سے نیت ارادہ اختیار اور تسویق وتشویق برائے عمل کی تعلیم و ترویج فرمائی۔ حضرت کے طریقے پر چلنے سے ہم کمزوروں کے لئے راہ سہل ہو گئی۔ اور ایہام ابہام اور اوہام سے اللہ نے نجات دی۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

۱۰۹۔ فرمایا کہ اصل چیز جو ہے وہ شریعت ہے جس کے معنیٰ ہیں اللہ کا قانون

اور شروع زمانے میں یہی لفظ رائج تھا اور علمی و عملی دونوں پہلوؤں پر حاوی تھا۔ خیر القرون کے بعد غالباً یہ اصطلاح یعنی طریقت ظہور میں آئی۔ یہ چیز شریعت سے علٰحدہ کوئی چیز نہ تھی نہ ہے اور یہ ہے شریعت ہی مگر اس کے ایک رخ کی تفصیل کا نام طریقت رکھدیا گیا۔

عام طور پر نااہلی کی وجہ سے عملی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی طور پر جو نقائص اور کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں ان کی اصلاح کرنے اور دور کرنے کے لئے اس اصطلاح یعنی طریقت کے نام سے تفصیلی طور پر وہ طریقے اختیار کئے گئے اور وہ تدبیریں عمل میں لائی گئیں جن سے ظاہر اور باطن کی حجابی اور موانعی مشکلات کے باوجود دین پر عمل تعلق مع اللہ کے احساس کے ساتھ آسان ہو جائے۔

۱۱۰- فرمایا ایک مرتبہ صحابہ آپس میں بیٹھے ہوئے غالباً اللہ تعالیٰ کے متعلق کچھ باتیں کر رہے تھے اور کچھ سوچ سمجھ رہے تھے۔ حضورؐ تشریف لائے اور جب یہ معلوم ہوا کہ کیا سوچ رہے تھے تو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق۔ آپؐ نے جو ہدایت فرمائی وہ یہ تھی۔ "اللہ تعالیٰ کی شانِ خلق کے متعلق تفکر کرو لیکن اللہ کے متعلق سوچنے کی فکر میں نہ پڑو"۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق جبکہ وہ

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

ہیں۔ بالکل بیکار ہے۔ صفات وابستۂ ذات ہیں۔ صفات و ذات دونوں کا فہم میں آنا ناممکن ہے صرف تسلیم کیا جانا ممکن ہے اور وہی ضروری ہے۔ بزبانِ فیضی ؎

ذاتت صفتِ صفت گرفتہ　　　حیرت رہِ معرفت گرفتہ

اور بالفاظ حسرت موہانی ؎

لاؤں کہاں سے حوصلہ آرزوئے سپاس کا
جب کہ سپاس یار میں دخل نہ ہو قیاس کا

فی زماننا ساری دنیا تحقیق کے پیچھے پڑی ہے۔ نئی دنیا تلاش کی۔ بزعم خود چاند پر کمندیں ڈالیں۔ نئی ایجادات۔ نئی قوتیں۔ نئے تجربے بس یہی دھن ہے۔ یعنی شان خلق کے مظاہر کے جاننے اور ان کی تہہ کو پہنچنے کی فکر تو کا فر و مومن سبھی کو ہے مگر خود اللہ سے سب غافل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تفکروفی خلق اللہ تو تفکر فی الخلق تو ہے مگر اللہ کی طرف کسی کی بھی نظر نہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۱۱۱۔ فرمایا کہ مالکِ مطلق۔ خالقِ مطلق۔ آمرِ مطلق۔ فاعلِ مطلق۔ کارگر، کارساز کارفرما کوئی ہے ہی نہیں۔ سوائے اللہ کے۔ دیکھتے ہیں کہ کوئی کام بغیر کئے نہیں ہوتا۔ ہر کام کرنے کا کوئی مطلب اور نتیجہ ہوتا ہے۔ کوئی کام بغیر کئے ہو ہی نہیں سکتا خواہ وہ کرنے والی ذات یا کرنے والا ہاتھ دکھائی دے یا نہ دے۔ اللہ اس کے صفات اس کی ذات۔ اس کی پسند۔ شان خلق۔ منشاءِ خلق۔ مخلوق میں کسی کا مکلف ہونا کسی کا مکلف نہ ہونا (یعنی کسی کو اختیار دیا جانا اور یہ حکم ہونا کہ اختیار کو ہماری مرضی کے مطابق استعمال کرو) اور اس کے بعد زندگی کے نتائج کیا ہوں گے۔ اس کا مقصود کیا ہے یہ کوئی جان نہیں سکتا بغیر بتائے ہوئے۔ مختصر یہ ہے کہ یہ سب صرف اللہ کے حکم سے معلوم ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے اور حقیقتاً یہی ایمان بالغیب ہے، سب مراحل بتا دینے کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی اور آوے گی جو ابدی ہے اور ختم نہ ہونے والی ہے اس زندگی میں ایک مقام راحت کا ہے، ایک مقام بے راحتی کا ہے۔ مثلاً یوں یوں

کروگے تو راحت کے مقام میں جاؤ گے جس کا نام جنت ہے اور یوں یوں کروگے تو بے راحتی کے مقام میں جاؤ گے جس کا نام دوزخ ہے۔ یہ مسائل انسان خود نہیں دریافت کر سکتا مالک نے انبیاء کے ذریعہ خود ہی بتلائے اور مقصد حیات اور تفصیل کار انبیاء کے ذریعہ بتائی اور سکھائی جو چیز اپنی اصل۔ ابتداء اور سند میں انبیاء تک نہیں پہونچتی وہ اس حیات میں کام نہ آئے گی۔ ہمارے لئے بڑے پتے کی بات کہی ہے اللہ اس کو نوازے۔ مرحوم اقبال نے ؎

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

وحدۃ الوجود۔ وحدۃ الشہود سب بیکار ہیں اصل چیز تو یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی

۱۱۲۔ کاتب الحروف نے عرض کیا کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت کو دیکھئے کہ جنت ہے، حور ہے، قصور ہے، دیدار ہے وغیرہ اور دوسری طرف ہماری طرف سے ان کاموں کی قلت کو دیکھئے کہ چند نمازیں چند روزے اور بس گویا ان کی نعمتیں اور ہماری خدمت میں ذرہ اور آسمان کا بھی تناسب نہیں اس پر فرمایا کہ ضرورت اس کی بھی نہ تھی وہ یوں ہی دیتے ہیں۔ مگر شیطان ہیں مفت خورے کہتا۔

۱۱۳۔ فرمایا ہمارے یہاں طاعت پر نظر زیادہ نہیں ہے اطاعت پر زیادہ ہے۔

۱۱۴۔ فرمایا جب تک عزرائیل پر نظر رہتی ہے موت کا خوف رہتا ہے جہاں اپنے اللہ پر نظر گئی بس فوراً موت کا خوف غائب اور بندہ محبت کے ساتھ لبیک کہتا ہوا آگے بڑھا۔

۱۱۵۔ فرمایا یہ نہ دیکھو میں کیسا ہوں یہ دیکھو کہ وہ کیسا ہے۔ ہمارے حضرت

فرماتے کہ شیطان صاحب معرفت تو تھا مگر صاحب محبت نہیں تھا۔ لہذا اللہ سے خوب دعا کرنا چاہیئے۔ میں تو ہین سمجھتا ہوں گناہوں پر نظر کرنے کو ؎

جنتیں مل گئی ہیں آہوں کی
ایسی تیسی مرے گناہوں کی

۱۱۶۔ فرمایا کہ میرے ایک استاد تھے مولانا فضل الرحمٰن صاحب جن کے مورث تھے مولانا عبدالرحمٰن صاحب میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے گھر میں گیا ہوں۔ یہ سندھی تھے۔ ان کے گھر کی مستورات کا لباس وغیرہ سارے معاشرت لکھنؤ سے مختلف تھی۔ کیونکہ لکھنؤ میں تو وہی غرارہ۔ چست پائجامہ وغیرہ پہنا جاتا تھا جیسا کہ ظریف نے نقشہ کھینچا ہے ؎

اِدھر منہار بیٹھے ہیں اُدھر منہار بیٹھے ہیں
گھٹنا بیچ میں پہنے وہ چوڑیدار بیٹھے ہیں (ظریف)

مولانا عبدالرحمٰن صاحب لکھنؤ میں کسی بزرگ سے بیعت ہو گئے تھے اور وہیں بس گئے تھے۔ وہیں انتقال بھی کیا۔ ان کا مقبرہ لکھنؤ ڈیوڑھی آغا میر میں ہے ان کی تاریخ وفات پر کسی نے چند اشعار لکھے ہیں۔ ایک شعر یہ ہے ؎

صوفی صاف دل خدا آگاہ
عبدالرحمٰن عاشق باللہ

۱۱۷۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

(تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے مغفرت کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے)

تو استغفار کے کیا معنی۔ استغفار کے یہ معنی کہ جو تجلی حق توابیت اور غفوریت سے متعلق ہے اس سے محرومی ہو جاتی۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استغفار

نہ کرتے۔ حالانکہ آپؐ معصوم ہیں اور ذنوب یا غفلت سے استغفار کا آپ کیلئے کوئی سوال ہی نہیں۔ اس استغفار میں ایک بڑا لطیف نکتہ ہے یعنی حمد کرتے کرتے جب دیکھا کہ کسیطرح حمد کا حق ہی ادا نہ ہوسکا تو کہا ہائے تو یہی ہائے گویا یہ استغفار ہوا۔ مثال کے طور پر جیسے ہم کو کسی سے محبت ہوگئی اور وہ ہم کو مل گیا اب ہم اس کو بار بار پیار کر رہے ہیں مگر تسلی نہیں ہوتی تھک گئے مگر دل نہیں بھرا تو کہہ اٹھے ہائے تو گویا استغفار اسی ہائے کا قائم مقام ہوا جو ظاہر کرتا ہے کہ ہم سے حمد کا حق ادا نہ ہوسکا یعنی اگر ہم ہائے نہ کرتے تو یہ معنی نکلتے کہ بار بار پیار کرنے سے تسلی ہوگئی اور محبت کا حق ادا ہوگیا اسی طرح استغفار نہ کرتے تو یہ سمجھا جاتا کہ حمد کا حق ادا ہوگیا۔

سجدۂ آستانِ یار سے سیری نہیں ہوتی — کئے جاتے جبیں سائی اگر باقی جبیں ہوتی

غضب ہوتا تری صورت جو بے پردہ دکھیں ہوتی — کہ تجھ پر جونگہ پڑتی نگاہ واپس ہوتی

(جلیل)

۱۱۸۔ فرمایا کہ بعض اوقات غیر مقبول کی دعا مقبول کے مقابلے میں سُن لی جاتی ہے۔ اس پر ایک واقعہ یاد آیا۔ کلب علی خاں رامپور کے نواب تھے۔ یہ پہلے رئیسوں میں تھے جوج کو گئے۔ خیر کسی وجہ سے یوسف علی خاں کو انھوں نے پھانسی کا حکم دیدیا۔ پھانسی سے پہلے نواب کلب علی خاں نے انھیں بلوایا تو وہ ہتھکڑی بیڑی کے ساتھ حاضر ہوئے۔ یوسف علی خاں شعر و شاعری بھی کرتے تھے، کسی نے کہا کہ اس وقت تو کچھ سُنا ہی دیجئے۔ بولے یہ کوئی وقت ہے شعر و شاعری کا۔ ان صاحب نے جب کافی اصرار کیا تو برجستہ دو شعر کہے

یوسفِ مصری چو زیں دنیا بمرد — حسنِ یوسف را بہ ایں یوسف سپرد

ہر دو یوسف را عجب کارے فتاد — آں یکے را گرگ وایں را کلب برد

لفظ کلب کہتے وقت نواب صاحب کی طرف انگلی سے اشارہ بھی کیا۔ ان اشعار پر نواب کلب علی خاں اتنا خوش ہوئے کہ پھانسی کی سزا معاف کر کے رہائی کا حکم دے دیا۔ دیکھئے شعر میں ایسی بات تھی جس پر نواب صاحب کو غصہ آنا چاہیئے تھا نہ کہ اُلٹا خوش ہو گئے۔ اور پھانسی سے نجات مِل گئی۔

۱۱۹۔ فرمایا کہ ایک زمانہ میں میں حقہ پیتا تھا مگر ایک بات تھی حقہ میرا خاص تھا۔ ہر حقہ میں نہیں پیتا تھا۔ پینے کے فوراً بعد کلی کر لیتا تھا۔ اور پان کھا لیتا تھا تاکہ مُنہ صاف ہو جائے۔

۱۲۰۔ فرمایا کہ دین میں کچھ گھٹاؤ بڑھاؤ کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ دین تمام غیب ہے اور جو کچھ ہم جوڑیں وہ عیب ہے۔

۱۲۱۔ کاتب الحروف نے عرض کیا کہ قرآن عالم ہو کر سمجھ میں نہیں آتا عاشق ہو کے سمجھ میں آتا ہے۔ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا اس کو لکھ لو پھر فرمایا عالم ہو کے لفظاً سمجھ میں آتا ہے اور عاشقی نصیب ہو کے کیفاً۔

۱۲۲۔ فرمایا کہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ شاہجہاں بادشاہ کی ایک بیٹی غالباً جہاں آرا بیگم پائیں باغ میں سیر کے لئے آئی نقاب ڈالے ہوئے تھی۔ اس پر صیدی طہرانی نے (چاہے دیکھا نہ ہو سنا ہی ہو) شعر کہا تھا ؎

برقعہ برخ افگندہ بُرد ناز بہ باغش
تانکہتِ گل بیختہ آید بہ دماغش

پھر فرمایا کہ دیکھئے کہ اپنے خصوصی باغ میں سیر کے لئے آئیں تھیں پھر بھی پردے کا اتنا اہتمام تھا۔

۱۲۳۔ فرمایا جو شائستگی زبان کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے وہ کتاب سے نہیں ایسے ایسے ان پڑھ دہلی اور لکھنؤ میں ملتے ہیں۔ اور میں نے خود دیکھے ہیں۔

اب تو نہیں پہلے جو ایک لفظ پڑھے نہیں مگر وہ شائستہ اور مستند بولی بولتے ہیں جس کی حد نہیں۔ لکھنؤ میں ایک شاعر تھے نہو صاحب شفیق ان پڑھ تھے شعر ایسا کہتے تھے کہ سبحان اللہ ان کا ایک شعر مجھے یاد آیا ؎

کیا شانِ عدالت ہے کہ بخشا نہیں مجھ کو
جب تک کہ گناہوں پہ پشیماں نہیں دیکھا

دنیا میں بہت سے شعراء گذرے ہیں بہت سے پیشہ ور لوگ۔ نداف۔ پارچہ باف نان بائی قصاب اور عطار وغیرہ ایک سے ایک بزرگ گذرے ہیں۔ دیکھئے حضرت فریدالدین بھی عطار تھے۔ ہمارے یہاں عطار کے معنی ہیں دوا فروش کے۔ ان کا عطر اور روغنیات کا کارخانہ تھا۔ اس لئے عطار کہلاتے تھے۔ ایک صاحب نے پوچھا کیا گھسیارے بھی بزرگ ہوئے ہیں فرمایا جی ہاں (آگے فرمایا) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آئے گھاس کا بڑا گٹھا پیٹھ پر تھا۔ دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے حلقے میں بیٹھے ارشاد فرما رہے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہوا بیٹھ جاؤ وہ سنتے ہی وہیں کے وہیں بیٹھ گئے مع گٹھے کے۔

۱۲۴۔ فرمایا کہ آج نماز عصر کے اندر دو باتیں دل میں آئی ہیں۔

ایک تو یہ کہ عرب ممالک آجکل کیوں اس قدر رسوائی اور ذلت میں گھرے ہیں حالانکہ ان کے پاس وسائل و دولت کی بڑی فراوانی ہے سمجھ میں بات یہ آئی کہ اس کا سبب ایک یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے سنّت کو بالکلیہ ترک کر دیا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک قسم کی بے تعلقی اختیار کر لی ہے اس کی یہ سب بے برکتی ہے کہ فرض تو پڑھتے ہیں سنّت پڑھتے ہی نہیں۔ بظاہر دیکھئے تو حرم کعبہ اور حرم نبوی دونوں جگہ توسیع پر توسیع ہو رہی ہے مگر اس کا سبب دین سے تعلق نہیں بلکہ اندیشہ ہے کہ تجارت و شہرت اور

وجاہت کے لئے ہو۔ اللہ اعلم۔

اسی طرح ایک دوسری بات دل میں یہ آئی کہ یہ جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کو اس تصور سے گھبراہٹ ہوتی ہے کہ کل کو کسی کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا اور ہر ہر بات کا حساب اور احتساب ہوگا بس اس خیال سے ان کی من مانی آزادی سلب ہوتی ہے لہٰذا وہ خدا کا انکار کر دیتے ہیں۔

۱۲۵۔ فرمایا کہ اگر انسان کے پاس ذوق سلیم ہو تو اس کو دنیا کی ہر شئے میں تجلیات حق نظر آسکتی ہیں جیسا کہ قرآن شریف کی اس آیت سے اسکی تائید بھی ہوتی ہے۔ جاء بقلب سلیم صحابۂ کرام نے اپنے ذوق سلیم کو ذوق تسلیم کے ماتحت کر لیا تھا اس وجہ سے ان میں کیفیات احوال سر جوشیاں نظر نہیں آتیں (آگے فرمایا) سارا دین نام ہے۔ ما نُزِّلَ علیٰ محمد پر بے چون چرا سچے دل سے اور پورے یقین سے تسلیم کر کے عمل کرنے کا اور تعمیل کرنا دراصل تسلیم کرنے کا جزو اعظم ہے۔ اصل میں یہ ہے دین۔ نہ کہ انا الحق اور ما اعظم شانی وغیرہ۔ امیر مینائی نے کہا ہے ؎

دی گئی منصور کو سولی ادب کے ترک پر
تھا انا الحق حق مگر اک حرفِ گستاخانہ تھا

اب اگر کہا جائے کہ منصور پر حقیقت کا انکشاف ہو گیا تھا تو میں کہوں گا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نازل ہوا وہ غیر حقیقت تھا حالانکہ حقیقت تو وہی اور صرف وہی ہے یہ عجیب بات ہے کہ منصور پر تو انا الحق نازل ہوا اور محمدؐ پر نازل نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ذات بحت نے بلا قول کے۔ بلا تلفظ کے۔ بلا آواز کے بلکہ صفات کے بھی انفکاک کے ساتھ منصور کے متخیلہ میں انا الحق کہا اور وہی گونج ان کے متخیلہ میں پڑی رہ گئی اور انا الحق کے الفاظ میں ان سے نکل گئی جس میں ان کے اختیار اور ہوش کو بھی دخل

نہیں تھا ورنہ انا الحق نہ کہتے انا العبد کہتے۔

۱۲۶۔ فرمایا دین ہی ساری زندگی ہے باقی سب گندگی ہے۔

۱۲۷۔ فرمایا کہ آج کل ایسی اولاد ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے۔ دل چاہتا ہے کہ دعا کروں کہ مسلمانوں کے یہاں اولاد پیدا ہونا بند ہو جائے۔ شیخ سعدی کا قطعہ ہے ؎

زنانِ باردار اے مردِ ہشیار　　اگر وقتِ ولادت مار زایند

ازاں بہتر بہ نزدیک خردمند　　کہ فرزندانِ ناہنجار زایند

۱۲۸۔ فرمایا کہ ایک ہندو وکیل تھا اس نے کسی اخبار میں یہ خبر پڑھی کہ فلاں ہندو کے گھر میں ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ جو اب بالغ ہے وہ کہتی ہے کہ میں پیدا ہونے سے پہلے فلاں شخص کے یہاں پیدا ہو چکی ہوں۔ اس پر ایک ظالم شیعی وکیل نے آواگون کی تائید میں اس ہندو وکیل سے کہا کہ مولانا روم نے بھی یہی کہا ہے ؎

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام

ہم چوں سبزہ بارہا روئیدہ ام

میں نے کہا کہ یہ مولانا روم کا شعر نہیں ہے بلکہ یہ مثنوی نان و حلوہ کا ہے۔ جو ایک شیعی کی تصنیف ہے جو مولانا روم ہی کی بحر میں لکھی گئی ہے (آگے فرمایا) کہ یہ شعر بھی نان و حلوہ ہی کا ہے ؎

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر

ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

یہ سب میں نے اپنے حضرت سے سُنا ہے (آگے فرمایا) میں نے کہا اگر اس کو مولانا روم کا مان بھی لیا جائے تو بھی اس کا وہ مطلب ہی نہیں جو آپ نے سمجھا ہے انھوں نے کہا اچھا آپ ہی اس کا مطلب بتلایئے میں نے کہا گھر پر آیئے

تو بتلاؤں (آگے فرمایا) بارہا دیدہ ام کے یہ معنی ہیں کہ سالک کے اوپر ہر وقت مختلف کیفیات واحوال کی آمدورفت رہتی ہے۔ کبھی قبض کبھی بسط کبھی غم کبھی خوشی یہی مختلف احوال ہوتے ہیں کبھی فنا، کبھی بقار۔

۱۲۹۔ فرمایا کہ اکبرالہ آبادی نے جب یہ سنا کہ ڈاکٹر اقبال نے حافظ شیرازی کے کلام کو گوسفندانہ کلام کہا ہے تو اکبرالہ آبادی نے مجھ سے خود فرمایا کہ میں نے تو ان کو یہ لکھ دیا ہے کہ ؎

تمہاری شاعری کیا یہ پھلجھڑی ہے یا پٹاخہ ہے
یہ حافظ ہی ہے جس کے ہاتھ میں کا سادھا قا ہے

چنانچہ اسرار خودی کا جب دوسرا ایڈیشن چھپا تو ڈاکٹر اقبال نے یہ ظاہر کرکے کہ اگرچہ میری رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے مگر میں نے بزرگوں کی رائے کے احترام میں اس رائے کے متعلق جو اشعار تھے وہ اصل متن سے نکال دیئے ہیں باوجود اتنی بڑی شخصیت کے نیز صائب الرائے اور صاحب الرائے ہونے کے ڈاکٹر اقبال کی یہ مسلمانہ روش کس درجہ قابلِ قدر اور قابلِ اتباع ہے۔ اللہ جزا دے اقبال کو۔

۱۳۰۔ فرمایا کہ ابتدائے بلوغ میں جذبات کا مرکز شے غیر متعین ہوتی ہے مگر جب مرکز متعین ہو جاتا ہے تو سارے جذبات اُسی کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں مبارک ہیں وہ لوگ جن کا مرکز ذات بحت بن جائے۔

۱۳۱۔ فرمایا کہ سارے انبیار علیہم السلام میں سے کسی کی بھی کتاب اِس وقت تک دنیا میں موجود نہیں ہے۔ "توریت وانجیل" بھی اصلیت کھو چکی ہیں علاوہ اس کے کسی بھی نبی کی عملی زندگی کا کوئی نمونہ مدون اور موجود نہیں۔ حالانکہ نہ صرف قرآن اپنی اصلی حالت میں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تفصیلات

بھی مہد سے لحد تک کی موجود ہیں. جس سے عمل کرنے والا پوری رہبری حاصل کر سکتا ہے اسی طرح پچھلے انبیار کی کتابوں نیز معمولات اور عملی زندگی کے نمونے کا موجود نہ ہونا اور اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے ہر جزو کا بالکمل الوجوہ موجود ہونا پتہ دیتا ہے کہ اللہ کو اس کو قیامت تک باقی رکھنا پسند ہے اور یہ بھی ایک ثبوت ہے خاتمیت دین اور خاتمیت نبوت کا۔

۱۳۲۔ فرمایا جیسے کوئی ماہر باورچی کھانے کو لذیذ بنانے کے لئے نئی نئی ترکیبیں نکالتا ہے اسی طرح کاملین دین پر عمل کرنا سہل بنانے کے لئے طریق نکالا کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں سے جو دین ملتا ہے وہ لذیذ بن کر ملتا ہے۔ جیسے چاول وہی۔ گوشت وہی۔ مصالحہ وہی۔ مگر ماہر باورچی کے ہاتھوں سے جو پلاؤ پکتا ہے تو لذیذ بن جاتا ہے۔

۱۳۳۔ فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا۔ اعتراضاً نہیں بلکہ تحقیقاً کہ انسان گناہوں کا ذمہ دار کیوں ہے، تو میں نے کہا کہ اگر انسان گناہوں کا ذمہ دار نہیں ہے تو ثواب کا مستحق بھی نہیں چلو چھٹی ہوئی بس مشین کی طرح چلتے رہیئے۔

۱۳۴۔ فرمایا کہ ایک صحابی جنگ صفین میں موجود تھے جب جنگ رکتی تھی تو شام کے وقت تو کھانا حضرت معاویہؓ کے ساتھ کھاتے اور نماز حضرت علیؓ کے پیچھے آکر پڑھتے۔ کسی نے پوچھا تو اس کا سبب یہ بتلایا کہ کھانا وہاں اچھا ملتا ہے اور نماز یہاں اچھی ملتی ہے۔

۱۳۵۔ فرمایا آجکل ایسی پریشانی کا دور ہے کہ کوئی معجزانہ طور پر تو بچ جائے ورنہ بچ نہیں سکتا جیسے زور کی بارش ہو رہی ہو تو ہر چلنے والا کچھ نہ کچھ بھیگتا ہے۔ اور معجزانہ طور پر بچ جانا انسان کے بس کا نہیں۔ میں

(وکالت کرنے کے زمانے میں) ایک مرتبہ ایک مقدمہ میں مدعی کا وکیل تھا اور ایک دوسرے صاحب مدعا علیہ کے وکیل تھے۔ مدعا علیہ ایک بڑا ہندو ٹھاکر رئیس تھا۔ اسی کی بیوی سے بیان لینا تھا۔ چنانچہ وہاں پہنچے۔ رئیس نے کھانا بھی پیش کیا۔ مجھے بھی کھانا پڑا۔ اور نہ کھاتے تو برا مانتا تھا۔ خیر کھا پی کر چلے تو راستہ میں نماز کا وقت آگیا۔ میں ٹانگے سے اتر کر ذرا دور ہٹ کر شیروانی بچھا کر نماز پڑھنے لگا۔ قریب ہی کچھ اونٹ چر رہے تھے۔ جب میں سجدہ میں گیا تو ایک شور سنائی دیا ارے غضب ہو گیا، غضب ہو گیا۔ میں نے نماز میں سن تو لیا مگر سمجھ میں نہ آیا اور نہ آواز ہی پہچان سکا کہ کن لوگوں کی ہے (کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ آواز انھیں لوگوں کی تو تھی ہی جو ٹانگے پر انتظار کر رہے تھے اور ان کی آواز جانی پہچانی تھی غالباً بابا صاحب بوجہ توجہ الی الصلوٰۃ کے اس آواز کو پہچان نہ سکے۔

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں

کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی — اصغر)

معاً محسوس ہوا کہ ایک اونٹ میری پیٹھ پر سے چھلانگ مار کر گذر گیا۔ میں ذرا سا سہما پھر کچھ نہیں نماز کے بعد لوگوں نے بتلایا کہ جس وقت اونٹ کا پیر آپ کے سر پر پڑنے والا تھا تو اونٹ نے فوراً اپنے پیر کو موڑ لیا اور اپنی بقیہ تین ٹانگوں پر خود کو سنبھالتا ہوا کود گیا۔ میرے دونوں ہندو ساتھیوں نے کہا کہ جس کی آپ نماز پڑھتے ہیں اسی نے آپ کو بچا لیا، بس اسی طرح معجزانہ طور پر کوئی پریشانی سے بچ جائے تو بات دیگر ہے۔

۱۳۶۔ فرمایا کہ ڈاکٹر اقبال کے متعلق انگریزی اور اردو رسالوں اور مضمون میں تبصرے اور COMMENTS چھپے تھے مجھے سب سے زیادہ صحیح

اور پسندیدہ تعریف جو نظر آئی وہ غالباً لندن ٹائمز کی تھی۔ اس میں کسی نے لکھا تھا۔ اقبال کا سارا نظریہ اور نظریہ تعلیم یہ تھا کہ بیک ٹو قرآن (BACK TO QURAN) یعنی بس قرآن ہی کو مستند مانو۔ یہ کتنی صحیح بات ہے اس شخص کے لئے جس کا قول یہ تھا ؎

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست (اقبال)

یا تو میرا قیاس ہے یا کسی نے بتایا ہے یا دونوں باتیں ہیں کہ غالباً لندن ٹائمز میں یہ چھوٹا سا مضمون سر عبدالقادر مرحوم کا تھا۔ سر عبدالقادر علاوہ بیرسٹر اور جج ہونے کے مذہبی آدمی تھے، اعلیٰ درجے کے ادیب بھی تھے۔ کیونکہ مشہور رسالہ مخزن انھیں کی ایڈیٹری میں پھولا پھلا پروان چڑھا اور جب وہ ہٹ گئے تو چند روز کے بعد ختم ہو گیا۔

۱۳۷۔ فرمایا کہ جیسے گلاب کے پیڑ میں پتی ہے، ڈنٹھل ہے، کانٹے ہیں کہیں خوشبو کا نام نہیں مگر پھول ہے کہ خوشبو میں نہایا ہوا ہے اور خوشبو صرف اس کو دی گئی ہے معلوم ہوا کہ پہلے محبت کی اہلیت عطا فرماتے ہیں اس کے بعد محبت عطا فرماتے ہیں ارشاد ہے "والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ" پہلے نعمت ایمان عطا فرمائی پھر نکہت عطا فرمائی اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہ کی۔ بس ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اسے بھی آپ کی مرضی پہ سونپتا ہوں میں دیا ہے آپ نے جو کچھ بھی اختیار مجھے

یعنی اختیار بھی مختار مطلق کی مرضی اور پسند کے تابع ہے (کاتب الحروف نے عرض کیا کہ یہی مقصود سلوک ہے) فرمایا کہ سلوک کیا چیز ہے سب کچھ ہی دین ہے اور مجھے تو لفظ سلوک دین کے مقابلہ میں غیر معلوم ہوتا ہے۔

۱۳۸۔ فرمایا ڈاکٹر اقبال کے انتقال کے بعد نہ معلوم کتنے مضامین ان کی

نسیت شائع ہوئے اپریل میں ان کا انتقال ہوا اور مئی یا جون کے ساقی دہلی میں "اسلامیت شعری" کے عنوان سے میرا بھی ایک طویل مضمون شائع ہوا۔ اسی زمانے میں میں نے کسی بڑے معتبر پرچے میں دیکھا تھا کہ اقبال کی قابلیت شہرت، مقبولیت اور شخصیت کی ہمہ داری کی بنا پر جنوبی افریقہ میں ہند کی سرکار کی طرف سے انھیں گورنر جنرل کا ایجنٹ مقرر کرنے کی تجویز کی گئی۔ اقبال میں کسی قسم کی کمی تو تھی نہیں۔ ان سے کہا گیا کہ صرف ایک مطالبہ آپ سے ہے کہ آپ کی بیوی جتنے سرکاری جلسے ہوں ان میں سرکاری تہذیب کی روش کے مطابق شامل ہوں اور مہمانوں کی پذیرائی اور مہمانداری کریں۔ اللہ اکبر۔ اقبال کی شان مسلمانہ دیکھئے۔ جواب دیا کہ میں چند ٹکوں کے لئے آیات حجاب سے روگردانی اور بے پردگی پر ہرگز راضی نہیں۔ پھر وہ نہیں گئے اور غالباً اس جگہ پر سر رضا علی کا تقرر ہوا۔ مذہبی غیرت اور علم دین سب ہی چیزیں اقبال میں تھیں۔ یہ پس منظر اب آسکتا ہے نہ اقبال جیسا دوسرا پیدا ہو سکتا ہے۔

۱۳۹ - فرمایا کہ ایک ضعیف حدیث میں حضرت عائشہؓ کا ایک خواب آیا ہے جس میں انھوں نے دیکھا کہ میرے حجرے میں تین چاند آکر گرے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے ان کے حجرے میں کون کون مدفون ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ۔ آگے فرمایا دلائل الخیرات والے نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

۱۴۰ - فرمایا تقدیر کی مثال یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس کا ظہور کامل اولاً تکوین سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کا ایک اندازہ کار دیدیا۔ ابھی تک ہر شے صرف تکویناً وجود میں آئی جس میں حسن و قبح خیر و شر کفر و اسلام شرک و توحید کی تجلیات ظاہر نہیں ہوئیں۔ جب تکوین پر تشریع کا پرتو ڈالدیا گیا تو اب ظہور کامل ہو گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے بچہ پیدا ہوا تو جبتک

بڑھے نہیں تب تک اس کا مزاج معلوم نہیں ہو سکتا۔ صاحب اختیار اور مکلف ہوا اور اس استعمال اختیار سے وہ خیر و شر حسن و قبح کفر و اسلام شرک و توحید کے عالم میں آ گیا اور بوجہ اختیار اور استعمال اختیار وہ اپنے افعال و اعمال کے نتائج کا ذمہ دار ہو گیا یعنی جنت کا کام کیا تو جنت گیا اور دوزخ کا کام کیا تو دوزخ گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ ہم سمجھ سکتے ہیں نہ کچھ کہہ سکتے ہیں ہمیں صرف حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا اور جو کچھ کہا سنا وہ اپنے ذہنی تاثرات و کیفیات ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۴۱- فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب اپنی بہن حضرت حفصہؓ کے یہاں جاتے تھے تو کبھی ادھر کھڑے ہو جاتے کبھی اُدھر کھڑے ہو جاتے۔ کبھی ایک طرف کھڑے ہو کر مسکرائے۔ پھر پوچھنے پر بتلاتے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں ہی کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اللہ اللہ ان حضرات کو حضورؐ سے کیسی محبت تھی

۱۴۲- (ایک صاحب نے کہا کہ تقدیر کا معاملہ بھی عجیب فلسفہ ہے سمجھ میں نہیں آتا اس پر) فرمایا کہ بھائی سمجھ میں کیا آئے بس یوں سمجھو کہ جیسے میرے اس چھوٹے کمرے میں یہ فرش بچھایا گیا ہے۔ اور اس بڑے کمرے میں دوسرے قسم کا فرش بچھایا گیا ہے تو فرش بیچارے کو یہ کیا معلوم کہ میں یہاں کیوں بچھایا گیا وہاں کیوں نہیں بچھایا گیا۔ یہ تو صرف بچھانے والا جانے (سامنے دو لوٹے چھوٹے بڑے رکھے تھے دیکھ کر فرمایا) یہ لوٹا چھوٹا کیوں بنا' وہ بڑا کیوں بنا یہ تو بنانے والا ہی جانے۔

۱۴۳- فرمایا کہ ۱۹۱۲ء میں میں بی۔اے کا امتحان دینے الہ آباد گیا۔ جمعہ کا دن تھا۔ قریب ہی محمدی شاہ کے دائرے والی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کیلئے

گیا مسجد سے متصل حضرت محمدی شاہ صاحب کا مزار تھا جس پر ایک گنبد والی عمارت بھی ہے میں وہاں بھی چلا گیا اور جلدی سے ایصال ثواب کر کے ایک طرف کو ہٹ گیا چونکہ ایصال ثواب کے وقت میری پیٹھ صاحب مزار کی طرف ہو گئی تھی تو میرے ایک دوست کو یہ ناگوار گذرا جو پہلے ہی سے قبر پر دیر سے کچھ پڑھ پڑھا رہے تھے، انھوں نے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ اُن سے مانگئے میں نے کہا کہ میں ان سے کیوں مانگوں میرا دینے والا تو اللہ ہے۔ اس پر انھوں نے مجھے باہر نکال دیا اور خود بڑی دیر تک بلکہ ساری رات عجیب عجیب انداز سے پڑھتے رہے۔

خیر جب امتحان کا نتیجہ نکلا تو میں پاس وہ فیل۔

۱۴۴۔ فرمایا کہ بزرگوں کے پاس ہم لوگ کس لئے جائیں اس لئے کہ اللہ کا ذکر ہم کیسے کریں۔ اور اللہ کا ذکر ہمارے دل میں کیسے بسے نیز اس لئے کہ دین کا شوق پیدا ہو جائے اور وہ ہمارا ذوق بن جائے نہ کہ اس لئے کہ ہماری تجارت میں ترقی ہو جائے، ہمارے مقدمے میں کامیابی ہو جائے۔

۱۴۵۔ فرمایا یہ جو بزرگوں کو مکاشفات ہوتے ہیں کہ یہ دیکھا وہ دیکھا یہاں گئے وہاں گئے یہ سب یا اعمال کی تجلیات ہیں یا مقبولیت کے آثار ضروری طور پر دلیل بزرگی نہیں۔

۱۴۶۔ فرمایا کہ ساری بندگی صرف اتنی ہے کہ مشیت اور شریعت پر راضی ہو جانا اور راضی رہنا۔ شریعت پر راضی رہنا تو یہ ہے کہ ایمان لا کر عمل کی کوشش کرتے رہنا اور مشیت پر راضی رہنا یہ ہے کہ جو کچھ حالات آئیں اپنی مرضی کے موافق یا مخالف اس پر راضی رہنا۔

۱۴۷۔ فرمایا کہ اس زمانہ میں اشغال سے یا وظائف سے اصلاح نہیں ہو سکتی صرف مراقبہ موت سے کام بنے گا۔ عاقبت کا اگر تصور کامل ہو گا تب تو قلب کا تزکیہ ہو گا ورنہ نہیں اس کے علاوہ کسی اور تصور سے فائدہ نہیں لا الٰہ الا اللہ اھ۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ وغیرہ سے سرور تو پیدا ہوسکتا ہے مگر اصلاح مشکل ہے گو سرور کی مدد سے اپنی اصلاح کرسکتا ہے مگر ایسا ہوتا مشکل سے ہے بلکہ بالعموم سرور سے غرور پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

۱۴۸۔ فرمایا کہ ہمارے لئے بڑا شکر کا مقام ہے کہ حق جل وعلیٰ نے ہمیں اپنی عبادت کی اجازت دیدی ورنہ ہماری دنائت اور اُس کی عظمت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ ہمیں اپنی شان کے لائق نہ پاکر کسی پہاڑ دہاڑ پتھر وتھر کی طرف متوجہ کردیتے کہ جا اس کے سامنے جُھک۔ اس کی عبادت کر۔ اور اس میں اثر ڈالدیتے ہماری اغراض پوری کرنے کا جیسے ہماری پیدائش اور پرورش کے لئے ہمارے ماں باپ بنادیئے۔

۱۴۹۔ فرمایا کہ جب ہم لوگ میلے کچیلے شخص کو اپنی مجلس میں بیٹھنا گوارا نہیں کرتے اسی طرح اللہ میاں جو کہ کامل حسن والے ہیں اپنی مجالست کے لئے کسی غیر حسین کو پسند نہیں کرتے تاوقتیکہ وہ اپنے رذائل کو دھوکر اور حسن سے اپنے کو حسین نہ کرلے۔ میرے اس شعر میں اسی طرف اشارہ ہے ؎

ان کا سا کچھ ہوئے بغیر ان کا ہو ہمنشین کیوں
اے میرے عشق فتنہ گر تو بھی نہیں حسین کیوں

فرمایا کہ ہمارا عشق اگر حسن بن جائے تو مزہ ہی کیا۔ بس فنا ہو کر رہ جائیں گے اور اگر عشق قائم ہے تو عبدیت قائم ہے اور ترقی عبدیت ہی سے ہوتی ہے ؎

ہو جائے مرا عشق اگر حسن تو کیا ہو
کرنا ہو عطا حسن تو دشمن کو عطا ہو

۱۵۰۔ فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا۔ اختیار دیا۔ استعداد دی اور اختیار اور استعداد پر عمل کرنے کا اذن دیا اب انسان جو کچھ کرے گا وہ سب اللہ کے علم میں پہلے ہی سے ہے وہی اس نے لکھدیا وہی تقدیر ہے چاہے اس کی قدرت

جو فوق زمان و مکان ہے۔ استقبال کو تفصیلی طور پر ملاحظہ فرما کے یا بغیر اس کے۔ محض قدرتِ علمی سے۔ بہر حال سارا کارنامہ انسان کا اللہ پر واضح تھا۔ وہی کائنات قضا و قدر سے لکھوا دیا بس یہی تقدیر ہے۔ اختیار اور استعداد کے تفصیلی استعمال میں انسان اللہ کی قدرتِ اختیاریہ سے الگ یا دور نہیں ہوا۔ قدرت کی دی ہوئی قدرت اس کے ساتھ رہی ورنہ جہاں یہ قدرتِ عطائی روک دی جاتی انسان کلیتاً معطل ہو جاتا۔

۱۵۱۔ فرمایا کہ اکبر نے کہا ہے ؎

وہی زندہ ہیں قوت سے جو صرفِ عقل کرتے ہیں
ہماری زندگی کیا زندگی کی نقل کرتے ہیں

فرمایا کہ میں نے تو اس کو یوں کر دیا ہے ؎

وہی زندہ ہیں طاعت سے جو صرف عقل کرتے ہیں
نہیں تو زندگی کیا زندگی کی نقل کرتے ہیں

۱۵۲۔ فرمایا بعض لوگوں نے کتابوں میں صحابہ کی غلطیاں بیان کی ہیں۔ انھوں نے یہ بڑی جسارت کی ہے۔ صحابہ کی عالی مقامی کا اندازہ اس سے لگانا چاہیئے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے قبولیت کا پیشگی وعدہ فرما لیا ہے۔ وعد اللہ الذین آمنوا الخ میں نیز لقد رضی اللہ تحت شجرۃ الخ ان کی شان میں اترا۔ تو چاہے ان کی نیکیاں نقص رکھتی ہوں مگر نفاق سے پاک تھیں۔ اس کے برعکس ہماری نیکیاں پر نقص اور پر نفاق ہیں اور ان کا قابلِ قبول ہونا یقینی نہیں ہے۔

۱۵۳۔ فرمایا کہ انسانی عقل کے دو کام ہیں ایک مخلوق کو تحقیق یعنی DISCOVER کرنا دوسرا خالق کو تسلیم کرنا (جب خالق کو DISCOVER نہ کر سکے تو بس تسلیم ہی تو کریں گے۔)

۱۵۴۔ فرمایا حضرت یوسف بن الحسینؒ ایک بزرگ تھے۔ ایک لڑکی ان پر مفتوں ہوگئی اور طرح طرح کی کوششوں سے انھیں اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر یہ ہر طرح سے اپنے کو بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ اب سنئے جب بوڑھے ہوئے تو دل میں خیال آیا کہ میں نے خوامخواہ اس لڑکی کا دل توڑا۔ مجھے چاہیئے تھا کہ بعد میں توبہ کرلیتا۔ یہ خیال آنا تھا کہ بہت گھبرا گئے۔ شیخ کے پاس پہنچے انھوں نے کچھ کہہ سُن کرکہ یہ وسوسہ ہے نہ اس پر مواخذہ ہے نہ غم کرنا چاہیئے وغیرہ۔ تسلی کردی جو کچھ بھی کہا ہو اب یاد نہیں۔ مگر میری سمجھ میں ابھی ہی ایک بات آئی وہ یہ کہ اس وسوسہ کے آنے سے محافظت ہوگئی اس غرور سے جو اپنے کمال پر نظر ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا۔ اس وسوسے کے ذریعہ اللہ نے انھیں غرور سے بچالیا۔

۱۵۵۔ فرمایا کہ لوگ اللہ کی محبت میں ذری سی تکلیف برداشت نہیں کرسکتے حالانکہ اس سے کہیں زیادہ تکلیف دنیوی محبت میں برداشت کرلینے کے واقعات موجود ہیں۔ مولوی محمد احمد صاحب بیان فرماتے تھے کہ کوئی مزدور طبقہ کا آدمی اپنی بیوی کو بری طرح پیٹ رہا تھا۔ پیٹتے پیٹتے جب اس کو اور زیادہ غصہ چڑھا تو وہ طلاق دینے جا ہی رہا تھا کہ اس کی بیوی نے فوراً اس کے مُنہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا کہ چاہے مار ڈالو مگر طلاق نہ دو بچے مرجائیں گے۔ دیکھئے وہ کون سی چیز ہے جس نے اتنی مار پر بھی طلاق لیکر ساتھ چھوڑنا پسند نہ کیا۔ وہ صرف محبت ہی تو ہے۔ اسی طرح دوسرا واقعہ ہے کہ کوئی غریب درجے کا شخص تھا وہ کسی بات پر خفا ہوکر اپنی بیوی کو خوب پیٹ رہا تھا۔ اہلِ محلہ کو ترس آگیا اور آکر چھڑا دیا۔ خیر لوگ چھڑا کر اس کے شوہر کو باہر لے گئے۔ عورت کہنے لگی تم لوگ جاؤ تم سے کیا مطلب۔ میں جانوں میرا شوہر جانے۔ دیکھئے یہاں بھی محبت ہی کے تعلق نے اس کی مار کو آسان کردیا۔

۱۵۶۔ فرمایا کہ لوگوں کو آج کل دین کے ساتھ اتنا بھی تعلق نہیں ہے جتنا ایک ماں کو اپنے بچے کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ اس کو اپنے سینے سے لگائے رہتی ہے۔ چاہے کتنی آندھی آئے۔ پانی برسے۔ پتھر پڑے جب تک اس کی جان رہتی ہے بچے پر خطرہ نہیں آنے دیتی۔

۱۵۷۔ فرمایا کہ حروف مقطعات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بچہ آم چوسے تو اس کو مزہ آئے گا مگر اس کو کچھ خبر نہیں کہ یہ آم کہاں سے آیا کس باغ میں پھلا مولانا روم نے کہا ہے ؎

یا خدا بنما تو جاں را آں مقام
کاندرو بے حرف می روید کلام

یعنی اے خدا مجھے ایک ایسے مقام پر پہنچا دے جہاں کلام بے آواز ہو۔ دیکھئے اس کی ایسی مثال ہے جیسے اس کمرے کے چاروں کونوں میں دور دور ہم لوگ کھڑے ہو کر اشاروں سے بات کریں تو کلام بلا آواز ہوگا۔

۱۵۸۔ فرمایا کہ آج نمازِ تراویح میں جس وقت حافظ نے وہ آیت تلاوت کی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہے یعنی عصا ر کا ید بیضا وغیرہ کا۔ تو اس وقت میرے ذہن میں ایک عجیب نکتہ سمجھ میں آیا اور اس میں ایسا لطف آیا کہ باقی تراویح میں نے کیا بتاؤں کیسی کیفیت کے ساتھ پڑھی۔ بات یہ سمجھ میں آئی کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو ایسے معجزات بھی دلیل نبوت میں عطا فرمائے گئے ہیں جن کی کوئی نہ کوئی نظیر ناقص ہو سکتی ہے جادو وغیرہ کے ذریعہ۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزہ یعنی قرآن دلیل نبوت میں عطا فرمایا گیا ہے اس کی کوئی نظیر ہی نہیں۔ ایک بات اور ہے جیسے اللہ کی مثال نہیں، جیسے محمدیت کی مثال نہیں اسی طرح قرآن کی قرآنیت کی مثال نہیں۔ کیونکہ اس کے لئے اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن

کہا گیا ہے۔

۱۵۹- فرمایا کہ ایک بزرگ کا واقعہ آیا ہے کہ جب وہ حرم کعبہ پہنچے تو دیکھا کہ کعبہ غائب ہے معلوم ہوا کہ حضرت رابعہ بصریؒ کے استقبال کو گیا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ کیا کعبہ کی در و دیوار غائب تھیں۔ کیا چھت غائب تھی۔ کیا رکن یمانی غائب تھا کیا حجر اسود غائب تھا۔ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جو انوار و تجلیات خاصہ۔ کعبہ پر ہوا کرتی ہیں وہ نظر نہیں آئیں اور وہ بھی ان بزرگ کے ادراک و استعداد کی نسبت سے[1]۔

۱۶۰- فرمایا کہ ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ "مجھے اپنی نظر پر اطمینان نہیں" اللہ اکبر اتنا عالی مقام شخص اور اطمینان کا نہ ہونا۔ کیا عجب بات ہے۔ میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ - اس بات کی دلیل ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارے حضرت کا اس سنت انبیاءؑ پر عمل تھا۔

۱۶۱- باباصاحب نے پہلے تو اپنا یہ شعر پڑھا ؎

ستم ہی جب نہیں تیرا ستم۔ اے جانِ جاں مجھ کو
تمنائے کرم کیوں ہو نصیبِ دشمناں۔ مجھ کو

اس کے بعد اس کا مطلب بتلایا کہ اے مولا جب تیرا ستم بھی میرے لئے تیرا کرم ہی ہے تو پھر بھلا مجھ کو تیرے کرم کی فکر کیوں ہو۔ (آگے فرمایا) حدیث میں آیا ہے کہ ایک

---

[1] کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ ان بزرگ نے یہی فرمایا ہو کہ آج تجلیات کعبہ جو کہ روح کعبہ ہیں نظر نہیں آئیں پھر کثرت نقل ارشاد سے وہ روح کعبہ کی بجائے کعبہ رہ گیا۔

صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو آپ سے بڑی محبت ہے۔ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ بلاؤں کے لئے تیار رہو جاؤ یعنی یہی گال کٹوانے کے لئے (شدّت پیار میں)۔

۱۶۲ - آج (یعنی ۲۴ - جنوری ۱۹۸۴ء) جب کاتب الحروف بابا صاحب کی خدمت میں پہونچا تو راستہ میں ایک خاتون طالبہ کے بس سے گر کر مرجانے کا حادثہ بیان کیا۔ بابا صاحب نے سن کر فرمایا کہ ایک رئیس کا واقعہ سنا ہے کہ اس کو چینی کے برتن کے ٹوٹنے کی آواز میں لطف آتا تھا چنانچہ بکثرت برتن توڑے جاتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو حادثات کے ہونے سے کوئی تاثر یا غم نہیں ہوتا فرق یہ ہے کہ برتنوں کا توڑنا بلا مصلحت تھا اور حادثات کا ہونا با مصلحت ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق بھی ہیں۔

۱۶۳ - فرمایا کہ ولی کسے کہتے ہیں۔ ولی اُسے نہیں کہتے جو ہر وقت محویت کے عالم میں ہو۔ اپنے پرائے کی خبر نہ ہو۔ بلکہ ولی اُسے کہتے ہیں جس کا مزاج ایسا ہو جائے کہ اس کے لئے اوامر و نواہی۔ پر عمل کرنا معمولاً عادت بن جائے۔ اوامر طبیعت کو اسی طرح اچھا لگنے لگیں جس طرح پھول اور پھل اچھا لگتا ہے اور نواہی طبیعت کو اُسی طرح بُرا لگنے لگیں جس طرح پیشاب پاخانہ بُرا لگتا ہے۔ اور کبھی کبھار کا گناہ ہو جانا اس ولی ہونے کے خلاف نہیں جیسے شدّت پیاس میں پانی دستیاب نہ ہونے پر گندہ پانی پی لیا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ولی گناہ ہونے پر مغموم ہوتا ہے اور توبہ سے اس کی تلافی بھی کرتا ہے۔

۱۶۴ - فرمایا کہ بڑوں کے لئے فرائض عبدیت ادا نہ ہونا ہی گناہ ہے۔ حضور ؐ کا ارشاد ہے لا اُحصی ثناءً علیك الخ

۱۶۵ - فرمایا کہ مُردے سے اصلاح کا کام ممکن ہوتا تو صرف ایک ہی نبی کافی تھا۔

۱۶۶۔ فرمایا کہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اخیر میں جہنم ختم کر دی جائے گی۔ پھر علماء نے اس کے بڑے معقول جوابات بھی دیئے ہیں ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیر محدود کی توحید کا انکار کیا لہذا غیر محدود سزا کے مستحق ہوئے مثلاً کوئی نالائق بیٹا اپنے باپ کے باپ ہونے کا انکار کر دے اور باپ کا انتقال ہو جائے تو وہ بیٹا باپ کی جائداد کے حصے میں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیگا

۱۶۷۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے قانون بنائے۔ ایک کو منفی قرار دیا۔ دوسرے کو مثبت۔ ہم کو عقل دے کر حکم دیا کہ منفی سے بچو ورنہ نقصان ہوگا اور مثبت کی طرف متوجہ رہو فائدہ پہنچے گا۔ فعالیت کے اعتبار سے نقصان پہونچنے اور فائدہ پہنچنے دونوں میں تکویناً ذاتِ واحد ہی کارفرما ہے گو ہماری سمجھ میں نہ آئے اور ہماری سمجھ میں ہر بات کا آجانا ضروری تو نہیں۔ غرض کہ اس فعالیت میں عددی طور پر اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ اصل میں توحید وہ نہیں ہے جو ہم اپنے ذہن سے تراشیں یا جو لغوی معنی کے طور پر ہو یا جو محاورۃً بولی جائے یا جو مشاہدہ سے معلوم ہو بلکہ توحید صرف وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے اور یہی مقصود ہے اسی طرح وہ چیزیں توحید نہیں جو کشفاً نظر آتی ہیں بلکہ وہ مخلوق ہیں جن کو تجلیاتِ حق کہہ سکتے ہیں۔

۱۶۸۔ فرمایا کہ ایک بزرگ تھے محمد شیر میاں پیلی بھیت والے۔ کنگھی بنایا کرتے تھے۔ غالباً صرف قرآن شریف پڑھے تھے مگر صحیح العقیدہ تھے۔ مولانا تھانوی صاحبؒ ان سے ملنے گئے تو پوچھا کہ اللہ کی محبت کیسے پیدا ہو۔ ان بزرگ نے جواب دیا اپنی دونوں ہتھیلیوں کو رگڑو۔ حضرتؒ نے دل میں سوچا سوال کچھ جواب کچھ۔ مگر تعمیل ارشاد میں ہتھیلیاں رگڑیں تو ان بزرگ نے پوچھا کچھ

گرمی پیدا ہوئی۔ جواب دیا کہ ہاں۔ انھوں نے فرمایا کہ بس یوں ہی کام میں لگے رہو محبت پیدا ہو جائے گی۔ (بابا صاحب نے فرمایا) اللہ تک تو سب پہنچ سکتے ہیں بس طلب شرط ہے اور طلب میں اپنی پسند کی نفی کرنی پڑتی ہے۔

۱۶۹۔ فرمایا کہ ایک طرف تو مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کو اطلاع پہنچی کہ ان کے بڑے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا دوسری طرف مفتی صاحب کا دیرینہ درد عرق النساء وغیرہ شدّت اختیار کر گیا کہ شدّتِ درد میں کراہ رہے تھے۔ اسی کا ذکر ہو رہا تھا اس پر بابا صاحب نے فرمایا کہ اللہ نے مفتی صاحب کو جسمانی غم میں اس لئے مبتلا کر دیا کہ بیٹے کے انتقال کا روحانی غم ہلکا ہو جائے۔

۱۷۰۔ مکرمی ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب دامت برکاتہم نے بابا صاحب سے کسی کا قول نقل کیا کہ فلاں صاحب کا ارادہ ہے کہ مکہ جاکر غارِ حرا میں اعتکاف کریں بابا صاحب نے فرمایا کہ یہ اتباعِ سنت محمد الرسول اللہ نہ ہوگا بلکہ اتباعِ عادت محمد بن عبداللہ ہوگا (صلی اللہ علیہ وسلم) دلیل اس کی یہ ہے کہ صحابہ سے ایسا کرنا ثابت نہیں۔

۱۷۱۔ فرمایا کہ ہم اللہ سے مانگتے تو یہ ہیں کہ جوانی دے۔ بادشاہت دے زندگی دے مگر راضی اس پر ہیں کہ جوانی نہ ملے بڑھاپا ملے۔ بادشاہت نہ ملے فقیری ملے اور زندگی نہ ملے موت ملے۔

۱۷۲۔ فرمایا کہ ایک صاحب آئے تھے پوچھنے لگے کہ پاس انفاس کسے کہتے ہیں میں نے کہا کہ پہلے صورت مسلمانوں کی سی بنائیے شریعت کا علم حاصل کیجئے فرائض و واجبات کی پابندی کیجئے اس کے بعد پاس انفاس معلوم ہوگا کہ کیا چیز ہے پھر فرمایا افسوس ہے لوگ بزرگوں یا صوفیاء کے اصطلاحات کی پرستش میں لگے ہیں۔ اللہ کی پرستش سے غافل ہیں۔

۱۷۳۔ فرمایا کہ زندہ بزرگ متصرف ہوتے ہیں مگر بالمعنی الاصطلاحی نہیں بلکہ

اس طرح کہ ان بزرگ نے کسی بندۂ خدا کے لئے کوئی دعا کی یا تمنا کی اور حق تعالےٰ نے اسے قبول کر لیا ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں
می دہد یزداں مراد متقیں

اصل میں تو حق تعالیٰ ہی متصرف ہیں اور بواسطۂ حق یہ بزرگ بھی متصرف ہوئے

۱۷۴۔ فرمایا کہ یہ اہل ہوا ہم لوگوں کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ درود شریف سے منع کرتے ہیں۔ بھلا یہ بھی ممکن ہے۔ درود شریف تو ہر نماز میں پڑھنا ہوتا ہے۔ اور ایک عجیب بات ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تو فرمایا ہے کہ درود شریف بیٹھ کر پڑھو اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پڑھو۔

۱۷۵۔ فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے۔ جانتے ہو کہ طریقت کیا ہے۔ سن لیجئے۔ طریقت بجز خدمت خلق نیست۔ خدمتِ خلق کیا ہے۔ یہ تھوڑا ہی ہے کہ ان کو کھانا کھلا دیا۔ ان کو پانی پلا دیا بلکہ طریقت کے معنی ہیں ادائیگی حقوق العباد۔

۱۷۶۔ فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ ایک انگریز نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ یہ تعریف لکھی ہے ایک دوسرے نے یہ لکھی ہے۔ میں نے کہا یہ سب تعریف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہوئی بلکہ محمد ابن عبد اللہ کی ہوئی (صلی اللہ علیہ وسلم) لہٰذا معتبر نہیں ہوئی اور پھر اگر ایسے ہی بہت تعریف کرنے والے ہیں تو اسلام کیوں نہیں لے آتے۔

۱۷۷۔ فرمایا تصوف کیا ہے امکاناتِ گناہ کے میلان کو کمزور کرنا ہی تصوف ہے۔ اور کچھ نہیں۔

۱۷۸۔ فرمایا کہ کشف دو طرح کا ہوتا ہے ایک غیر اختیاری طور پر کہ

بلاارادہ کچھ مشاہدہ ہو جائے تو یہ تو کمال ہی نہیں ہو سکتا کہ غیر اختیاری ہے ہاں محمود ہو سکتا ہے بشرائط ۔ دوسرا کشف اختیاری طور پر کہ بالقصد ہو کہ قبر وغیرہ پر مراقب ہو کر کچھ مشاہدہ کر لے تو یہ کمال تو کیا ہوتا اگر مؤاخذہ سے بچ جائے تو بڑی بات ہے کیونکہ کشف بالقصد تو مشابہ ہے اس کے کہ کسی خلوت نشیں کے مکان میں جھانک لے ۔

باب ۲۰

تصانیف

حضرت بابا صاحب کی دقتِ نظر، رسائیٔ فہم، احاطۂ علوم، وسعتِ خیال بیداریٔ مغز، عمقِ مضمون جیسی اشعار میں نظر آتی ہیں ویسی ہی نثر میں بھی پائی جاتی ہیں کیا مجال کہ مضمون کا کوئی دبا ہوا پہلو واضح ہونے سے رہ تو جائے، مضمون کے دقیق سے دقیق اور پوشیدہ نکتہ کو بھی قلم برداشتہ ابھارتے چلے جاتے ہیں بیچ بیچ میں اپنے مخصوص انداز میں عشقِ الٰہی کی چنگاریاں بھی چھوڑتے جاتے ہیں جو مضمون کے اندر جان ڈالتی چلی جاتی ہیں اور پڑھنے والوں کو بھی باکیف بنائے بغیر نہیں چھوڑتیں۔

حضرت بابا صاحب کے علمی مضامین بڑے بڑے رسالوں میں چھپ چکے ہیں جن کے پڑھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت اردو فارسی کے بہت بڑے مضمون نگار اور انشا پرداز ہیں اور تحریر پر کامل عبور حاصل ہے، حضرت کے نثر کے مضامین میں بڑا تنوع ملتا ہے، مزاحیہ بھی ہیں طنزیہ بھی ہیں۔ ان میں افسانہ بھی شامل ہے اور افسانہ بھی ایک نئے اندازِ تکلم پر جو اپنے نوع کا پہلا نمونہ تھا۔ مگر افسوس کہ یہ

ہندوستان ہی میں چھوٹ گئے اگرچہ یہ سارے مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں مگر اِس وقت ایک بھی موجود نہیں۔

حضرت نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

۱۔ دنیا کے بہترین تریسٹھ سال۔ اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندگی کے واقعات لکھے ہیں اس میں آخری باب میں تعددِ ازواج پر ایک بصیرت افروز بحث ہے۔

۲۔ پنج گنج۔ اس کتاب میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ نیز صاحبزادیوں کے حالات ہیں۔

۳۔ ذوالنورین۔ اس کتاب میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات زندگی ہیں۔

۴۔ نوادر اشرفیہ۔ یہ حضرت بابا صاحب کی آخری تالیف ہے۔

بابا صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت کی اجازت سے ایک مضمون اشغال اور حضرت کی تعلیمات اور تربیت کے تجدد کے متعلق لکھا تھا۔ خواجہ صاحب کا خط آیا۔ لکھا کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ کا مضمون حضرت نے دیکھ لیا۔ یہ مضمون شذرات السوانح میں چھپنے والے تھے مگر ناگزیر حالات کی بنا پر چھپ نہ سکے۔

بابا صاحب نے حیوٰۃ المسلمین کا ایک معرکۃ الارا مقدمہ "تعارف" کے نام سے تحریر فرمایا ہے جس کے متعلق بابا صاحب نے فرمایا کہ "ہمارے حضرت مولنٰنا تھانوی نے حیوٰۃ المسلمین کے متعلق فرمایا تھا کہ "شاید اس کی وجہ سے میری مغفرت ہو جائے" اور "میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کے اس مقدمہ کی وجہ سے میں بھی شامل ہو جاؤں"۔ بابا صاحب کا تعارف اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

حیوۃ المسلمین کے مقدمہ معروف بہ "تعارف" کا اقتباس

حیوۃ المسلمین حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز کے رشحات فکر و قلم میں سے وہ شہد مصفّٰی ہے جسے بلا مبالغہ فیہ شفاء للناس[1] اور ماھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین[2] کی آن اور شان کا حامل و امین کہا جا سکتا ہے۔ سید انس و جن رؤف و رحیم نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی شفقت امت پر زیادہ ہی نہیں بلکہ اس درجہ زیادہ تھی کہ شاید اس کیفیت کو اعتدال میں لانے اور تحمل و برداشت کی حدود میں رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں آپ اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تبلیغ دین اور اصلاح امت کا کام علماء امت سے مقدر فرمایا اور عام جماعت علماء کے ساتھ ہر ضرورت کے وقت ایسے صاحبِ ذوق و بصیرت علماء اور بزرگ پیدا فرمائے جن سے توفیقِ الٰہی اور منشاء ربانی نے اصلاح کا کام بحد مطلوب پورے طور پر لیا۔

جس دور کے کنارے ہم اپنے آپ کو بھی کھڑا پاتے ہیں اس دور میں تو عجیب عجیب قسم کی تاریک زلزلہ انگیز۔ طوفان تخریب دا کتنا اندازکی آندھیاں آنا شروع ہوگئیں۔ تفرج۔ الحاد۔ زندقہ۔ ریب و شک۔ تفسیر بالرائے انکارِ حدیث۔ سنت نبویہ سے اعراض۔ شریعت کی توہین و تضحیک۔ علمی و عملی و اعتقادی ارتداد۔ مغرب زدگی۔ مادیت۔ دعویداری نبوت کوئی فتنہ نہیں جو پیدا ہو کر حشرات الارض کی طرح اچھلنے کودنے نہ لگا ہو۔

---

[1] اس میں انسانوں کے لئے شفا ہے۔ [2] اس میں مومنوں کے لئے شفا۔

داخل میں شرک۔ قبروں کی پوجا۔ پیروں کی پرستش ھوشفعاءنا عند اللہ (یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی اور شفیع ہیں) کی حد تک اور خارج میں غالبانہ اور حاکمانہ طرز کے دین کش حملے غرضیکہ امتِ مرحومہ ہر ممکن ضغطہ اور بلا میں مبتلا ہو گئی بزعم خود مصلحین پیدا ہوئے تو صریحًا دعویٰ اجتہاد کی جرأت کے فقدان کے باوجود دین میں کتر بیونت کرنے لگے اور ایسے بھی کام کرنے والے میدان میں آئے جن کے دل میں صحیح درد تھا مگر علاج اور طریقِ کار اتنا غلط تھا کہ بہ زبانِ حال دین کا یہ عالم تھا کہ گفت ہر داروکہ ایشاں کردہ اند

آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

مختصر یہ کہ ہماری حالت بری طرح مجروح اور مجذوم نظر آنے لگی اور ہر نفس حیات حاجت مندی، تدبیر اور ضرورت مندی دوا کے لئے فریاد اور الغیاث کی پکار کرنے لگا۔ اپنے اپنے انداز اور رنگ میں بڑے جلیل القدر علما اور مصلحین امت منظرِ عمل پر آئے اور بالآخر ہوئی غیرتِ حق کو حرکت اور رحمتِ الٰہی اور فضلِ ربانی نے حضرت اشرف علی تھانوی کو پیدا فرمایا اور ان سے مسلمانوں کی زندگی کے ہر رخ اور ہر شعبہ میں بہ اندازِ تجدید احیائے دین اور اصلاحِ امت کا کام لیا ہر طرف سے مخالف ہواؤں۔ آندھیوں۔ طوفانوں اور مصیبتوں کا ہجوم اور سید المرسلین رحمۃ اللعالمین اور ان کی امت کی محبت اور بہی خواہی میں جان توڑ کوشش کرنے والا خیر المرسلین کا یہ جانثار اشرف و مشرف امت کی حفاظت میں سینہ سپر۔ چونکہ حضرت اشرف تھانوی سے اِس دورِ فتن میں ہجوم و دفاع OFFENCE - DEFENCE دونوں طریقوں سے کام لینا تھا اسی غرض سے اللہ معطی مطلق نے حضرت اشرف تھانوی کے سینۂ مبارک میں وہ دل عطا فرمایا جو علم کے اعتبار سے سفینہ، معموریت اور جامعیت کی شان میں کمالِ تدبر اور جمالِ تجدد کا

خزینہ اور دفینہ اور امت کی دلسوزی ہمدردی اور بہی خواہی کے لحاظ سے اتھاہ سمندر کی کیفیت اپنے اندر رکھتا تھا۔ بالآخر اللہ نے اعانت فرمائی اور یہ معانی الفاظ حضرت والا۔

"لطف الٰہی نے میری دستگیری فرمائی اور ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ کو نمازِ فجر میں میرے دل میں یہ ڈالا کہ جن مصیبتوں کے برداشت کرنے کی لوگوں میں طاقت نہیں ہے بعض اعمال کو بعض ایسی مصیبتوں کے دور کرنے میں خاص دخل ہے ان میں سے بعض اعمال سے تو جہل رفع ہوتا ہے بعض سے افلاس اور بعض سے تشویش و پریشانی اور یہی تینوں جہل و افلاس و پریشانی تمام بلاؤں اور مصیبتوں کی جڑ ہیں پس ان تینوں کی اصلاح سے اور تمام باتوں کی بھی اصلاح ہو جائے گی اور من جانب اللہ اسی وقت یہ بات دل میں آئی کہ ان اعمال میں سے کچھ لکھو اور مسلمانوں کو پہنچاؤ۔ اور دلائل لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ عام لوگوں کے لئے نافع اور مقصود مسائل ہیں نہ کہ انکی دلیلیں اور خدا نے مجھے امید بھی دلائی کہ اس سے یہ بلا ٹل بھی جائیگی اور لوگوں کو نفع ہوگا پس خدا سے نفع کی امید کر کے میں نے اس کو شروع کر دیا۔ اور وہی بلند کر دینے والا اور پست کر دینے والا ہے۔"

ساری دنیا کا اس وقت یہ عالم ہے کہ خدا کی اطاعت و معرفت اور بندگی کی لذت و راحت سے یکسر محروم یک قلم بیگانہ اور بالکل ناآشنا ہے۔ زندگی گرفتار ہے بے اطمینانی اور بے سکونی کی الجھنوں اور مصیبتوں میں اور کشمکش پیکار تنازع حرص حُبِ جاہ اور حصولِ اقتدار کی دنائتوں میں انسانیت لفظ بے معنی اور دنیا سے ناپید۔ عبدیت خدا سے تعلق۔ اعمال و اخلاق و افکار و کردار کی تہذیب

عاقبت اور انجام ۔ یہ سارے تصورات اور تخیلات اگر کبھی بھول کر آتے بھی ہیں تو حرف بے تلفظ بن جاتے ہیں اور بے التفاتی اور واہمہ کی زنبیل میں ڈالدیئے جاتے ہیں۔

دنیوی امور کے ہر رخ میں ایسے نظریات ایسے اشخاص اور ایسے حالات کارفرما غالب اور حکمراں ہیں کہ غیروں کا تو ذکر ہی کیا مسلم بیچارہ بھی۔ جو خدا کی بندگی عاقبت اور اتباع رسول ہر چیز کا اعتقاد رکھتا ہے پھر بھی ان چیزوں کی طرف توجہ سے محروم ہے یہاں تک کہ خود مسلمانوں میں بھی جو افراد یا جماعتیں اصلاح کار میں لگی ہیں - مغرب زدگی نے بعض پر یہ زہریلا اثر ڈالا ہے کہ وہ بھی معاش ہی کو مقصود سمجھنے پر عمل پیرا ہیں کم از کم عملاً اور بہرحال معاد کی طرف سے بالکل بے پرواہ -

اِنَّا لِلّٰہِ ہم مسلمان اگر چاہیں کہ دین سے بے رخی کر کے اللہ سے منہ موڑ کر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ توڑ کے اپنی دنیا بھلی اور پھولتی پھلتی کر لیں تو یہ ناممکن ہے اللہ رسول کے بتائے ہوئے طریقوں کو ہم نے کیا چھوڑا دنیا بھی برباد کی اور عاقبت بھی تباہ کی کیا قرونِ اولیٰ کی ترقیاں بے دینی کے سبب ہوئی تھیں غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ سے وہ قرب و قبول حاصل تھا کہ اللہ نے ان سے استخلاف فی الارض کا وعدہ کیا اور فوراً پورا کر کے دکھا دیا اور ان راشدون بندوں نے بھی استخلاف کا پورا پورا حق ادا کر کے دنیا کو نور سے معمور کر دیا۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں دنیا طلبی میں سگانِ دنیا کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے بیتاب ۔ بزعم خود خدا پرستی کی ٹھانیں تو سادھو اور راہب ہو جائیں ۔ دین پر عمل ہے اور بدعات ہمیں گھیرے ہیں غیر مقصود کو مقصود بنانے پر ہمیں اصرار ہے اور بڑی دینداری اور خدا طلبی کی شان دکھائی تو اعمالِ تعبدی نماز روزہ ۔ اور نوافل ۔ پر اکتفا کر کے بیٹھ رہے ۔ اعتقادات ہمارے گڑبڑ ا ور ضعیف اخلاق ہمارے رذیل اور ذلیل معاملات ہمارے

ابتری بے دیانت اور معاشرت ہماری گندی۔ نتیجہ اس ساری زبوں حالی کا ذلت ورسوائی تباہی و بربادی۔ نہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ خدا کے سامنے حاضری کے۔ یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ جن لوگوں کی روش ہمارے پیشِ نظر ہے جو دنیا پر اس وقت چھائے ہوئے ہیں اور تہذیب و ترقی کے دعویدار ہیں کیا واقعی ان کو اپنی موجودہ روش سے راحت وسکون کا کوئی درجہ بھی نصیب ہے محض سامانِ راحت کا اکٹھا ہوجانا تو راحت نہیں ہے۔ ممتاز محل کا دنیا میں یادگار اور بے مثال تاج محل بن گیا تو نہ ممتاز زندہ ہوگئی نہ اس کی بدولت اس کو کوئی راحت ملی نہ زندگی دائمی اسی طرح اگر کسی بیمار دکھی اور تڑپتے ہوئے شخص کے پاس سامانِ راحت ودولت سب کچھ اکٹھا ہو تو اسے کیا حاصل کیا دنیا میں کہیں امن چین سکون ایک دوسرے پر اعتماد بے غرضانہ ہمدردی بے طمعی حیا۔ غیرت کا پتہ ہے۔ ترقی اگر موٹاپے کی جگہ سوجن کا نام ہے تو ترقی ضرور ہوئی دنیا کو تباہ کردینے والے آلات خوب بن گئے اور بن رہے ہیں اور اس قسم کی ہر ترقی کرنے والا دوسرے ہم جنس کی تاک میں ہے کہ اسے ہرادوں مجھ سے بازی لیجائے۔

باب ۲۱

پاکستان میں آمد و قیام

بابا صاحب نے یکے بعد دیگرے دو عقد کئے مگر اولاد کسی سے کبھی نہیں ہوئی ساری زندگی اپنے برادرِ حقیقی جناب محمد امین احسن صاحب مرحوم کے بچوں ہی کو اپنے جگر گوشوں کی طرح سمجھا۔

جناب مولوی محمد اسحاق صاحب الٰہ آبادی سے بابا صاحب کے گہرے تعلقات تھے مولوی صاحب موصوف پرتاپ گڈھ میں وکالت کرتے تھے۔ شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ بابا صاحب کے ساتھ رات گئے تک شعر و سخن کی مجالس رہا کرتی تھیں مولوی محمد اسحٰق صاحب کے انتقال کے بعد ان کے صاحب زادگان جناب محمد ایوب صاحب وغیرہ نے بھی بابا صاحب کے تعلقات کو اسی طرح برقرار رکھا۔ چونکہ بابا صاحب کے بہت سے اعزا، برادر زادگان و ہمشیرگان پہلے ہی پاکستان آچکے تھے گو اس وقت تک کراچی میں قیام نہ رکھتے تھے انھوں نے بابا صاحب کو پاکستان بلانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ بابا صاحب اول اول تو پاکستان تشریف لانا اس لئے نظر انداز فرماتے رہے کہ ایک طرف تو مولوی محمد احمد صاحب دامت برکاتہم بابا صاحب کو چھوڑنا گوارا نہ فرماتے تھے۔ دوسری طرف خود بابا صاحب کو بھی ان کی مفارقت پسند نہ تھی مگر جب ۱۹۵۳ء میں بابا صاحب کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا تو پھر بابا صاحب بالکل تن تنہا رہ گئے۔ اب مولوی محمد احمد صاحب ممدوح کو بھی بابا صاحب کی تنہائی اور خانگی تکالیف کی وجہ سے خاموش ہونا پڑا تو پھر بابا صاحب ۱۹۵۵ء میں پاکستان تشریف لے آئے

اول راولپنڈی میں اپنی ہمشیرہ صاحبہ کے یہاں قیام رکھا پھر کچھ عرصہ بعد کراچی تشریف لے آئے اور مسلم لیگ کواٹر میں اپنی بھتیجی کے یہاں قیام پذیر ہوئے، مگر چند سال کے بعد جب میزبان بسلسلۂ ملازمت ملک سے باہر چلے گئے تو پھر بابا صاحب جناب محمد ایوب صاحب کے یہاں ناظم آباد مستقلاً چلے آئے۔ دورانِ قیام مسلم لیگ کواٹر بھی گاہے بگاہے بابا صاحب محمد ایوب صاحب کے یہاں آیا کرتے بلکہ رات کو بھی کبھی کبھار ٹھہر جایا کرتے تھے جب بابا صاحب کے اعزا کراچی آئے اور یہاں مستقل رہائش اختیار کی تو انھوں نے بابا صاحب کو اپنے یہاں لیجانے کی بہت کوششیں کیں مگر نہ صرف محمد ایوب صاحب ہی نے بابا صاحب کی مفارقت گوارا نہیں کی بلکہ بابا صاحب نے بھی یہاں سے جانا کسی طرح پسند نہ فرمایا حتیٰ کہ بقیہ زندگی یہیں پر گذار دی اور مخلوق خدا کو اپنے فیوض وارشادات سے مستفید فرماتے رہے۔

مجلس میں ہر طبقہ اور ہر مسلک کے لوگ آتے اور حسب استعداد استفادہ کرتے بابا صاحب ہر ایک سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے اور ایسے تلطف کے ساتھ گفتگو فرماتے کہ آنے والے کا دل کھنچا جاتا اور وہ ذوقیًا انس وانشراح محسوس کرتا۔

ناظم آباد کے دورانِ قیام دور و نزدیک رہنے والے اعزا نے جو خدمات بابا صاحب کی انجام دیں وہ تو قابلِ تحسین ہیں ہی مگر جس مکان میں بابا صاحب قیام پذیر تھے اس کے تمام مکین بھی جس محبت سے بابا صاحب کو اپنے یہاں لائے تھے اس محبت کا حق ادا کرتے رہے اور اپنے رات و دن کے آرام کو بابا صاحب پر قربان کر دیا۔ اور اپنے آپ کو بابا صاحب کے قدموں پر ایسا نیازمندانہ ڈال دیا تھا کہ بہتوں کو یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ یہ لوگ غیر اعزا ہیں اور کیوں نہ ہو یہ تمام حضرات ہمہ خانہ آفتاب است کی سی شان رکھتے ہیں بابا صاحب کو یہاں

باصرار لانے والے جناب محمد ایوب صاحب اور ان کے متعلقین تھے،
حالانکہ ایوب صاحب کی اولاد سے بظاہر دہ حسنِ سلوک مشکل ہی تھا
مگر ان کی ساری اولاد نہ صرف ذکور بلکہ اناث نے بھی وہ مثالی خدمات انجام دیں
جو اُن ہی کا حق ہے اسی طرح باباصاحب کے ایک جواں عمر مخلص خادم جناب سید قاسم علی صاحب نے
بھی محبت، رفاقت اور خدمت کا حق ادا کر دیا ان کے ذمہ نہ صرف گھر کے اندر کی خدمات مثل
اگال دان صاف کرنا وغیرہ ہی تھیں بلکہ گھر کے باہر کی خدمات مثل کنوئیں سے پانی لانا وغیرہ بھی سپرد تھیں۔
فجزاہم اللہ تعالیٰ۔

باب ۲۲

وفات حسرت آیات

رمضان سے چند ماہ قبل ہی سے طبیعت ناساز رہا کرتی تھی، کبھی سینے میں
درد ہو جاتا اور کبھی دست آجاتے اور کبھی سر میں چکر۔ نقاہت اتنی بڑھ گئی تھی کہ
رمضان آیا تو روزے رکھنا مشکل تھا۔ باباصاحب کے خصوصی معالج کے علاوہ
دوسرے ڈاکٹروں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ روزہ نہ رکھا جائے۔ مگر باباصاحب
کا دل رمضان المبارک کی کسی نوع کی برکت سے بھی محروم ہونا گوارا نہ کرتا تھا
غرضنکہ باباصاحب نے روزے رکھنے شروع کئے۔ چند ہی روزے رکھے تھے
کہ طبیعت بگڑنا شروع ہو گئی اور مجبوراً روزے چھوڑنے پڑے ذرا طبیعت
سنبھلی تو ایک روزہ پھر رکھا مگر اب نقاہت اتنی بڑھ چکی تھی کہ روزہ چل
نہ سکا اور سینے کا درد بے چینی کی حد تک بڑھ گیا۔

اِدھر معظمی ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب مدظلہٗ نے بھی بڑے تلطف کے انداز
میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے عزائم کے ساتھ اپنے رخص بھی پسند ہیں۔
(اِنّ اللہ یحب ان یوتی رخصہٗ کما یحب ان یوتی عزائمہٗ۔ "جامع صغیر")

غرضنکہ باباصاحب نے روزے ترک کردیئے۔ اس کے بعد مختلف موقعوں پر کئی بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ ہم تمہیں بیمار ڈال رہے ہیں اور تم اکڑ رہے ہو ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ میں نے اس کے کفارے میں پینتالیس منٹ تک استغفار کیا ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ ہم تو بیمار ڈالے جاتے ہیں آپ اکڑے ہی جاتے ہیں اچھا لو اب اکڑو۔

سینے کا درد برابر قائم رہا آخر اٹھارہواں روزہ آیا جیسے تیسے دن گذرا۔ رات آئی۔ استنجے کے لیے گئے۔ واپسی پر جناب کلیم صاحب یعنی صاحب خانہ کے صاحبزادے اور باباصاحب کے خادم سہارا دیکر استنجا خانہ سے کمرے میں لارہے تھے کہ فرمایا اب میرا آخری وقت آگیا ہے۔

انیسواں روزہ آیا علی الصبح کوئی تین بجے مسلسل دو دست آئے نقاہت بڑھ گئی چارپائی پر آکر لیٹ گئے۔ چار بجے کے قریب پھر اُٹھے۔ بیت الخلاء گئے پھر دست آیا اس کے بعد ایک بے چینی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اور سینے کو مسلسل سہلائے جانے کی تاکید فرماتے رہے۔ پھر سلیمان صاحب یعنی صاحب خانہ کے چھوٹے صاحبزادے اور باباصاحب کے کمسن خدمت گذار۔ سے فرمایا کہ گھر میں سے سب لوگوں کو بلا لاؤ۔ چنانچہ فوراً جناب محمد ایوب صاحب اور ان کے صاحبزادگان جناب محمد ابراہیم صاحب، محمد یحییٰ صاحب، محمد ہارون صاحب اور محمد کلیم صاحب آگئے۔
اسی دوران محمد کلیم صاحب سے باباصاحب نے کئی بار بڑے یقین کے ساتھ فرمایا کہ مجھے ادریس نظر آرہے ہیں وہ کھڑے ہیں۔ ادریس صاحب جناب صاحب خانہ کے ایک نوجوان صالح صاحبزادے تھے اور باباصاحب کے بڑے اطاعت و خدمت گذار تھے جن کا سنہ ۱۹۶۰ء میں جوانی ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔ پھر سلیمان صاحب سے فرمایا کہ وہ ٹیلیفون پر ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کو یہ پیغام

دیں کہ ڈاکٹر صاحب آج فجر کی نماز میرے ساتھ ہی پڑھ لیں۔ پونے پانچ بجے ڈاکٹر محمد الیاس صاحب تشریف لے آئے۔ دیکھ کر فرمایا۔ آپ نے بہت دیر کر دی نماز کا وقت نکلا جارہا ہے اور میری حالت بگڑتی جارہی ہے مجھے اب آپ جلدی سے نماز پڑھا دیجئے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑھتی ہوئی بے چینی کی حالت کو دیکھ کر فوراً دو چار گولیاں کھلائیں اور محمد کلیم صاحب نے بابا صاحب کا تہمد بدلا تیمم کرایا۔ اور اسی بے چینی کی حالت میں بابا صاحب نے چارپائی پر پیر لٹکا کر بیٹھے بیٹھے آواز کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی۔

بے چینی بڑھتی گئی اور اب سانس کی بندش کی سی آوازیں آنے لگیں تھوڑی دیر کے بعد کوئی پانچ بجے جناب یحییٰ صاحب نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ بابا صاحب نے آنکھ کھول کر ان کی طرف دیکھا اور وعلیکم السلام کہا۔ یحییٰ صاحب کہتے ہیں کہ بابا صاحب کی آنکھوں میں اس شدت کی روشنی اور چمک تھی کہ میں آنکھ ملانے کی تاب نہ لا سکا۔ اور ایک طرف کو ہٹ گیا۔ بگڑتی ہوئی حالت کو دیکھ کر ڈاکٹر محمد الیاس صاحب نے دوبارہ مناسب انجکشن دیئے کچھ گولیاں کھلائیں لیکن بمصداق "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" حالت بگڑتی گئی بے چینی یہاں تک بڑھی کہ نہ لیٹ سکتے تھے نہ بیٹھ سکتے تھے اب سانس اکھڑنا شروع ہو گیا۔ ۶ بجے کے قریب ڈاکٹر کیپٹن جمیل صاحب کو بھی بلا لیا گیا۔ انھوں نے بھی ایک انجکشن دیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ رائے یہ ہوئی کہ کسی ماہر امراض قلب ڈاکٹر کو بھی بلا لیا جائے۔ ٹیلیفون پر باوجود کوشش کے رابطہ قائم نہ ہو سکا تو محمد کلیم صاحب ڈاکٹر . . . . . . کو لینے کے لئے خود ہی چلے گئے۔ مگر ڈاکٹر . . . صاحب وقت پر پہونچ نہ سکے۔ اس اثنا میں بابا صاحب نے ڈاکٹر الیاس صاحب سے فرمایا کہ مجھے اس وقت بہت تکلیف ہے۔ کوئی

بیہوشی کی دوا دے دیجئے۔ بیہوشی کی دوا مناسب نہ سمجھی گئی۔ چند لمحات کے بعد قدرے سکون ہوا۔ بقول شخصے ؎

بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

آنکھ کھولی۔ فرمایا سُنو۔ صاحب خانہ جناب محمد ایوب صاحب ان کے صاحبزادگان نیز بابا صاحب کے بھتیجے جناب صغیر احسن صاحب و دیگر حاضرین۔ جھک کر سننے لگے۔ بابا صاحب نے بہت پست آواز میں فرمایا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اس کے بعد کوئی بات زبان فیض ترجمان سے نہ نکلی اور وہ چھیاسی سال کا بیتاب اور نرالا عاشق صبح ۷ بجے اپنے محبوب سے جا ملا۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون

صد شکر کہ آ پہونچا لبِ گور جنازہ ؎
وہ بحرِ محبت کا کنارا نظر آیا

(مجذوبؒ)

یہ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ کی انیسویں اور ستمبر ۱۹۷۶ء کی پندرھویں تاریخ تھی اور بدھ کا دن تھا۔ نماز ظہر کے بعد مسجد اقصیٰ ناظم آباد میں سینکڑوں عقیدتمندوں نے نماز جنازہ پڑھی اور مقام سخی حسن کے قبرستان میں . . . اشک بار آنکھوں کے ساتھ سپرد خاک کیا۔ اس طرح وہ ایک معرفت حق کی بولتی ہوئی کتاب ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی ؎

مہر و وفا اجی بس مجذوب اب کہاں
یہ خوبیاں تو تھیں اسی خانہ خراب میں

(مجذوبؒ)

سعدیا مردِ نکو نام نمیرد ہرگز — مردہ آنست کہ نامش بنکوئی نبرند

مرثیہ

(از مولانا لطافت علی صاحب ہما صدیقی للت پوری)

بے نور سی ہے نرگسِ شہلا ترے بغیر — ہم رنگِ شامِ غم ہے سویرا ترے بغیر

ہنگامے سرد ہو گئے اصلاحِ قلب کے — ہل چل نہیں اے رشکِ مسیحا ترے بغیر

جس میں رچے ہوئے ہیں مقالاتِ آگہی — خالی پڑا ہے آج وہ حجرہ ترے بغیر

وہ مخلصانہ رنگ میں تبلیغ دینِ حق — شاید کہ ہو سکے گی نہ بابا ترے بغیر

کیوں سب اصاغر اور اکابر نہ ہوں اداس — ان کی تو لٹ کے رہ گئی دنیا ترے بغیر

ذرّے اسی کراچی کے کل تک تھے ضوفشاں — چھایا ہے اُن پہ آج اندھیرا ترے بغیر

گونجے ہوئے فضاؤں میں ہیں لاکھ زمزمے — سنسان ہے غریبوں کی دنیا ترے بغیر

دیکھیں شبِ فراق کی ہوتی ہے کب سحر — فی الحال تھم گیا ہے زمانہ ترے بغیر

حرمان و یاس و حسرت و اندوہ دیے کسی — مجمع میں ان کے دل ہے اکیلا ترے بغیر

آنکھوں میں سیلِ اشک نہ دل میں کوئی سکوں — ہم بن کے رہ گئے ہیں تماشا ترے بغیر

اے وائے بیخودی کہ نہ سوچا تھا ایک دن — دشوار ہو گا سانس بھی لینا ترے بغیر

جس دردِ دل کو وجہ سکوں جانتے تھے ہم — غم یہ ہے اب وہ غم ہے ادھورا ترے بغیر

راہِ طلب میں پہلے ہی لرزیدہ پاؤں تھے — دشوار تر ہے ان کا سنبھلنا ترے بغیر

گل ہو چکے ہیں پہلے ہی روشن کئی چراغ — اب اور بڑھ گیا ہے اندھیرا ترے بغیر

جن کے سروں پہ کل تری شفقت کا ہاتھ تھا — وہ آج بے سہارا ہیں بابا ترے بغیر

نفسِ لعیں ہے مائل بدعات و معصیت — فیصل ہوں کس طرح یہ قضایا ترے بغیر

پندار و عُجب و ناز کے محمودِ بُت شکن — نرغہ میں ہوں بتوں کے میں تنہا ترے بغیر

آباد کر سکیں گے نہ اس کو قرابہ نوش — خالی ہے میکدہ کا جو گوشہ ترے بغیر

اتنا تو مُڑ کے دیکھ لے مستِ مئے الست | کس حال میں ہیں ساغر و مینا ترے بغیر
تلقین صبر کرتے ہیں آپس میں ہم مگر | ہوتا نہیں ہے دل ہی شکیبا ترے بغیر
خاموش و دل گرفتہ ہیں اہلِ زباں سبھی | طاری ہے خوش بیانوں پہ سکتہ ترے بغیر

احسن اگر ہما یہ کہے تو غلط نہیں
بے نور سی ہے رونقِ دنیا ترے بغیر

قطعہ تاریخ وفات

(از مولانا لطافت علی صاحب ہما صدیقی للت پوری)

حال عقبیٰ پوچھ ان سے ہم نشیں | جو کہ ہیں محبوب رب العالمیں
یا پھر اُن خدام سے جیسے کہ ہیں | نجم احسن محرم خلد بریں

۱۳۹۶ھ

تاریخِ وفات

(از مولانا لطافت علی صاحب ہما صدیقی للت پوری)

فریاد و شیونِ ایوب بجا در فراقِ احسن

۱۳۹۶ھ

تاریخ وفات

(از مولانا محمد احمد صاحب تھانوی)

حاجی نجم احسن از خلفاء حکیم الامت تھانوی

۱۳۹۶ھ

تاریخ ہائے وفات الحاج بابا نجم احسن

فَادْخُلِ الْخُلْدَ اَبَدًا اَبَدًا ۱۹۷۶ء

۱۳۹۶ھ

قطعہ

(از جناب سوز شاہجہانپوری)

ان کمالاتِ مختشم کا امیں	شہر خوباں میں دوسرا نہ ہوا
ایسی باغ و بہار ہستی کا	"حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

دیگر

(از جناب سوز شاہجہانپوری)

اے چراغِ محفلِ علم و عمل روحِ ادب	صورت ماتم کدہ یہ تا یہ کے بزم طرب
اے سراجِ علم و دانش اے رشیدِ باکمال	ہمنشینی تیری کردیتی تھی تسکینِ خیال
وہ امامِ دل وہ اقلیمِ سخن کا تاجدار	گلشنِ علم و ادب میں جس کے دم سے تھی بہار
یاد ایامے کہ جب روشن تھی شمعِ انجمن	کیف میں ڈوبا ہوا رہتا تھا جب صحنِ چمن
اس کی پروازِ خرد میں شکلِ ہست و بود تھی	اس کے ہر جملے میں گویا عقلِ کل محدود تھی
وہ زمانہ اب کہاں وہ لطفِ صحبت اب کہاں	اِک فسانہ ہی فسانہ ہے حقیقت اب کہاں
بزم سے اٹھتے ہی اس کے آتشِ دل بجھ گئی	صبح ہونے بھی نہ پائی شمع محفل بجھ گئی
کیا سکوں ہو روح کو اب دل کا وہ عالم نہیں	بربطِ عیش و طرب بھی سازِ غم سے کم نہیں
یادگارِ شب نگاہِ لطفِ ساقی رہ گئی	اک فسانہ رہ گیا اِک یاد باقی رہ گئی

"تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را"

باب ۲۳

تاثرات

۱۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء کی شب میں محترمی حضرت سوز صاحب شاہجہانپوری ایک نامعلوم کرب و بے چینی کی وجہ سے رات بھر سو نہ سکے۔ گاہ اٹھتے تھے گاہ لیٹتے تھے بہرحال کوئی چار بجے ان کی آنکھ لگ گئی اور ایک حیرت انگیز خواب دیکھا کہ ایک لق ودق میدان ہے۔ اسمیں ایک کثیر مجمع ہے مجمع میں سب ہی اچھے لوگ معلوم ہو رہے ہیں۔ مجمع کے وسط میں دو صاحبان آپس میں داؤ پیچ کر رہے ہیں۔ ان میں کے ایک صاحب کوئی ۱۴-۱۵ فٹ لمبے ہیں لباس ان کا چو گوشیہ ٹوپی، سفید کرتا اور سفید پائجامہ ہے۔ نیک اور صالح بھی معلوم ہو رہے ہیں۔ دوسرے صاحب بالکل بابا صاحب ہیں وہی قد وہی وضع وہی چہرہ۔ داؤ پیچ کرتے کرتے کبھی کسی وقت وہ لمبے صاحب جھک کر کمان کی شکل میں ہو جاتے ہیں اور بابا صاحب اس کمان میں جکڑ جاتے ہیں مگر جلد ہی داؤ پیچ لگا کر نکل جاتے ہیں۔ ادھر مجمع میں یہ شور ہو رہا ہے کہ ابھی قابو نہیں پا سکا۔ ابھی قابو میں نہیں آئے۔ آنکھ کھلی تو ۴ بجکر ۲۵ منٹ ہوئے تھے یہ وہ وقت تھا جبکہ بابا صاحب کی روح مبارک موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی جو آخر کار سات بجے صبح اس عالم فانی سے پرواز کر گئی۔

محترمی حضرت سوز صاحب نے اس کی تعبیر یہ دی اور خوب دی کہ یہ بابا صاحب کی جانکنی کا منظر تھا جو مجھے عالم رویا میں دکھایا گیا۔

۲۔ بابا صاحب کے مکان کے سامنے والے پڑوسی نے بتایا کہ بابا صاحب کے آخری لمحات کے وقت میں بھی بابا صاحب کی چارپائی کے پائینتی کی جانب کھڑا ہوا تھا اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ بابا صاحب کے چہرہ کے گرد ایک روشن حلقہ بنا ہوا ہے جیسے چاند کے گرد ہالہ ہوتا ہے جتنی دیر میں اسکو دیکھتا رہا اور دوسرے حضرات جو چارپائی کے اطراف کھڑے ہوئے تھے مجھے نظر آ رہے تھے مگر صرف اسی قدر کہ کوئی کھڑا ہے چہرہ مہرہ وغیرہ دھندلا معلوم ہو رہا تھا۔ البتہ جب وہ ہالہ غائب ہو گیا تو سارے حاضرین صاف نظر آنے لگے۔

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی سندیلوی نے تحریر فرمایا۔

حضرت بابا نجم احسن صاحب کا مقام بہت بلند اور رفیع تھا میرے ایسے پستی میں پڑے ہوئے اس درجہ رفیعہ کی توضیح کیسے کر سکتے ہیں تاہم موصوف کے بعض محاسن کمالات جو مشاہدے میں آئے مختصراً درج ذیل ہیں

۱۔ حضرت بابا صاحب میں جو چیز سب سے زیادہ پرکشش اور نمایاں تھی وہ تھی دنیا سے بے تعلقی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دنیا ان کے قلب سے کترا کر نکل جاتی تھی اس کے پاس آنے کی جرأت نہیں کرتی تھی۔ کہنے کو تو یہ معمولی بات ہے مگر عملی زندگی میں اسکی مثالیں نایاب نہیں تو کمیاب یقیناً ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑا کمال ہے۔

۲۔ حضرت بابا صاحب کا توحیدی مذاق اور سنت کیساتھ شغف انکے ساتھ میری عقیدت و گرویدگی کا اہم سبب ہے جس چیز میں شرک سے مشابہت کی بو بھی محسوس ہوتی تھی اس سے بابا صاحب کو سخت نفرت ہو جاتی تھی۔ بلند پایہ صوفی ہونے کے باوجود تصوف کی راہ سے آنیوالے بدعات سے سخت متنفر تھے۔ اس بارے میں ان کی شدت میرے مذاق کے مطابق ہونے کی وجہ سے مجھے بہت محبوب تھی۔ یہ کمالات معمولی نہیں کتاب و سنت کی روشنی میں عام مشائخ کی روش دیکھنے کے بعد ان کی صحیح قدر و قیمت سمجھ میں آسکتی ہے۔

۳۔ ان کے کریمانہ اخلاق اور اپنے خوردوں پر انکی شفقت بھی قابل ذکر چیز ہے ان میں جو خلوص تھا اور وہ جیسی محبت فرماتے تھے اس کی مثال بھی بہت نادر ہے ان کے وصال کے بعد مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا احساس ہوا وہ ان کی محبت اور شفقت سے محرومی ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ والسلام

مولانا محمد عُزیر صاحب نے فرمایا

مولانا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نیاز کی سعادت مجھے آٹھ نو سال قبل حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت سے مرحوم کے انتقال سے تین چار روز قبل تک میں آٹھویں دسویں حاضر خدمت ہوا کرتا تھا چونکہ کالج میں وہ میرے ماموں زاد بھائی شاہ فخر عالم صاحب مرحوم کے ہم جماعت رہ چکے تھے نیز ان کے نہایت قریب عزیز مولانا محمد ادریس صاحب نگرامی مرحوم کا میرا ساتھ دار المصنفین اعظم گڑھ میں چند سال رہا تھا اور مجھے ان کی دوستی کا فخر حاصل تھا اس لئے مولانا مجھ پر خاص شفقت فرماتے اور جب بھی میں موصوف کی خدمت میں حاضر ہوتا یہ محسوس کرتا کہ ایک نہایت شفیق بزرگ کی

محبت سے مستفیض ہو رہا ہوں میں نے ایک مرتبہ اپنی ایک خانگی دشواری کا ذکر اُن سے کیا انھوں نے میری پریشانی دور کرنے میں جیسی کوشش فرمائی اس کا اثر میرے دل سے کبھی مٹ نہیں سکتا۔ اللہ تعالےٰ ان کو جنت الفردوس میں اپنی بہترین نعمتوں سے شاد کام فرمائے۔

مولانا مرحوم کی روحانی عظمت کا اندازہ تو وہ بزرگ کر سکتے ہیں جنکو خود کسی قدر یہ فضیلت حاصل ہے لیکن ایک عامی کی حیثیت سے میں بھی اتنا کہہ سکتا ہوں کہ انکے پاس بیٹھکر یہ محسوس ہوتا تھا کہ دینداری اور تقویٰ کی شان کیا ہے مرحوم کی مجلس میں ہر طرح کے لوگ آتے تھے ہر ایک سے انکے مذاق کے مطابق باتیں کرتے مگر گفتگو میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ربوبیت کا ذکر ضرور ہوتا۔ جو لوگ دعا یا تعویذ کے لئے آتے ان سے دریافت کرتے کہ نماز پڑھتے ہو یا نہیں۔ اور فرماتے کہ نماز کے بغیر دعا یا تعویذ اثر نہ کریگی۔ لوگ ادھر ادھر کی باتیں کرتے۔ مولانا بھی ان میں شریک ہوتے مگر میں نے کبھی ان کی زبان سے کسی کی غیبت نہیں سنی اول تو اس کا اتفاق ہی بہت کم ہوتا تھا لیکن اگر کبھی کوئی کسی کی برائی کرتا تو چہرے سے صاف ظاہر ہو جاتا کہ اس بات کو ناپسند فرما رہے ہیں سائل بھی آتے رہتے تھے کئی مرتبہ میرے سامنے بھی آئے۔ مولانا کسی کو ایک کسی کو دو کسی کو پانچ روپے دیتے۔ پیسے کبھی نہیں دئے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب آئے اور کہا میں یوپی کا رہنے والا ہوں اور پھر اپنی پریشانی بیان کرنی شروع کی۔ انکا لہجہ تمامتر پنجابی تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ غلط بیانی کر رہے ہیں۔ مولانا نے بھی ضرور محسوس کیا ہوگا مگر اٹھے اور پانچ روپے لاکر اس معذرت کے ساتھ دیئے کہ اس وقت یہی ممکن ہے۔

مدتوں شاعری کی اب ترک کر دی تھی۔ بلکہ مجلس میں اگر کوئی کسی موقع پر اچھا شعر پڑھ دیتا تو بہت محظوظ ہوتے اور پھر خود بھی اپنے اور کبھی دوسروں کے اچھے اچھے شعر سناتے، اور فضا کچھ دیر کے لئے شعر و سخن کے زمزموں سے معمور ہو جاتی۔ ایک مرتبہ میں نے یہ شعر پڑھا ؎

تماشائے گلشن، تمنائے چیدن
بہار آفرینا، گنہگار ہیں ہم

بہت پسند کیا۔ بار بار پڑھوایا۔ پوچھا کس کا شعر ہے۔ میں نے عرض کیا غالب کا۔ فرمایا غالب کے دیوان میں تو نہیں ہے۔ میں نے کہا "نسخہ حمیدیہ"

میں ہے۔ ایک صاحب پاس بیٹھے تھے۔ ان سے فرمایا کہ یہ شعر لکھ لیجئے۔

کراچی کے بے پناہ ہجوم میں میری زندگی بالکل تنہائی کی ہے۔ کہیں آتا جاتا نہیں۔ بس ایک مولانا کا در تھا جہاں پہنچکر ہفتے عشرے کی بے کیفی دور ہو جاتی تھی اب وہ سلسلہ بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

رہے نام اللہ کا۔

جناب عبداللطیف صاحب سیلز افسر۔ پاک کیمیکل

لمیٹڈ۔ کراچی ـــــــ تحریر فرماتے ہیں۔

میرا تعلق بابا صاحب سے ۱۹۵۹ء سے شروع ہوا۔ یہ برتاؤ بابا صاحب کا میرے ساتھ بالکل باپ بیٹے جیسا تھا۔ دوست تو در اصل وہ میرے والد کے تھے۔ میرے والد وقت کا بیشتر حصہ بابا صاحب کی خدمت ہی میں گذارا کرتے۔ ہم لوگوں کو بھی تاکید کرتے کہ بابا صاحب کی صحبت سے فیضیاب ہوا کرو۔ مگر لاعلمی کی وجہ سے میں سنی ان سنی کر دیتا تھا۔ میرے بچوں کو ایک قاری محمود الحسن صاحب اس زمانے میں قرآن پاک پڑھانے آتے تھے۔ وہ بھی مجھے بابا صاحب کے پاس جانے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ لیکن بات یونہی ٹلتی رہی۔ ایک دن اتفاقاً میں قاری صاحب مذکور کے ساتھ ادھر سے گذر رہا تھا انھوں نے کہا کہ دیکھو بابا صاحب یہاں رہتے ہیں چلو ذرا سلام کرتے چلیں۔ اس وقت میں مروتاً ان کے ساتھ چلا گیا، لیکن بابا صاحب کے لب و لہجہ میں کچھ ایسی کشش تھی کہ میں اس کے بعد بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ بابا صاحب کی شخصیت اتنی اثر انداز ہوئی کہ جب میرے والد صاحب کا انتقال ہوا تو بابا صاحب کے برتاؤ نے

مجھے باپ کی محرومی کا احساس ہی نہ ہونے دیا۔ غرضکہ میں بابا صاحب کے بہت قریب ہوگیا جناب اشہد مرحوم بھی ان دنوں میرے ساتھ بابا صاحب کی خدمت میں آنے لگے تھے۔ ڈاکٹر جمیل بھی گاہے بگاہے اپنے مطب سے اٹھ کر چلے آتے تھے۔ میں اور اشہد مرحوم دفتر سے فارغ ہوکر زیادہ تر وقت بابا صاحب کی خدمت میں گذارا کرتے۔ میری مغربی طرز کی زندگی کو مسلمان طرز والی بنانے میں بھی بابا صاحب کا بڑا دخل ہے، بابا صاحب کا انداز میرے ساتھ کبھی ناقدانہ نہیں رہا بلکہ وہ ہر بات کو ایسے پیار سے کہتے تھے کہ انسان ماننے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ میں قرآن شریف پڑھنا نہ جانتا تھا۔ ایک دن بابا صاحب نے پوچھا کہ بیٹا قرآن شریف بھی پڑھتے ہو۔ میں نے کہا یٰسین شریف اور دوسری سورتیں پڑھ لیتا ہوں کہنے لگے جاؤ جاکر قرآن پڑھو۔ ان دنوں میرے ایک قریبی عزیز ڈاکٹر حامد خاں بھی جو ایک اچھے سائنسداں ہیں وہ میرے یہاں آئے ہوئے تھے۔ بزرگ آدمی ہیں۔ میں نے انہیں بھی دیکھا کہ وہ روزانہ ایک منزل تلاوت کرتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ جب ایسے ضعیف حضرات بھی اتنا اتنا قرآن پڑھ سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں پڑھ سکتا۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے آج جو میں اتنا قرآن شریف پڑھ لیتا ہوں یہ سب بابا صاحب ہی کی برکت ہے۔ اگر وہ مجھے اس طرف توجہ نہ دلاتے تو میں کبھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔

اس کے علاوہ بھی جب کوئی پریشانی ہوتی میں جاکر بابا صاحب سے کہدیتا بابا صاحب سنکر اپنے ایک خاص انداز میں کہدیتے کہ " جاؤ جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ فکر کی کیا بات ہے " بس میرا دل ہلکا ہو جاتا۔ اور میری ہی کیا خصوصیت ہے بابا صاحب ہر شخص کو ہر وقت مشورہ دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔ مالی امداد کی ضرورت ہوتی تو اس میں بھی نہ صرف خود مدد کرتے بلکہ اپنے صاحب استطاعت احباب سے بھی امداد کرواتے۔

بابا صاحب کی یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ کسی سے ایک دفعہ ملاقات کے بعد وہ اُسے

اتنا ہی یاد رکھتے جتنا اپنے اعزا کو اور اکثر اس کے متعلق پوچھا کرتے، حافظہ اتنا قوی تھا کہ میرے خاندان کے ایک ایک فرد کو نام لے لے کر خیریت پوچھا کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں ہمیشہ یہی خیال کرتا رہا کہ بابا صاحب اپنے معتقدین میں سب سے زیادہ مجھے عزیز رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا ہر ایک کے ساتھ یہی برتاؤ تھا، یہ راز اس وقت کھلا جب بابا صاحب دنیا سے رخصت ہوگئے اور ہر شخص یہی کہتا ہوا سنائی دیا کہ بابا صاحب سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے تھے۔

میرے بچوں کے ساتھ بھی انھیں بڑا پیار تھا خاص طور سے میری بیٹی سلمیٰ کے ساتھ شروع شروع میں جب ان کی صحت اجازت دیتی تھی تو کبھی کبھار کسی چیز کی فرمائش کر دیتے تھے تاکہ ایک خاص تعلق قائم رہے۔ ایک پرانی بات یاد آئی کہ بابا صاحب نے پلاؤ کی فرمائش کی جو ان کو بہت مرغوب تھا۔ سلمیٰ کی والدہ گھر میں نہیں تھیں سلمیٰ بہت چھوٹی تھی، لیکن پھر بھی اس نے پکا کر بھیج دیا۔ معلوم نہیں کہ بابا صاحب کو پسند آیا یا نہیں۔ لیکن بابا صاحب نے نہ صرف اس کی تعریف کی بلکہ ایک عمدہ قلم بھی انعام دیا، نیز ایک یادگاری سرٹیفکیٹ بھی دیا جس کا ایک جملہ یہ بھی ہے "کہ اس موقعہ پر دینا تو ایک کفگیر چاہیے تھا دے ایک قلم رہا ہوں" اور میں سمجھتا ہوں کہ اس قلم کی ہی یہ برکت تھی کہ میری بیٹی نے ایم۔ اے پاس کیا۔

میرا معمول تھا کہ صبح کی نماز بالعموم بابا صاحب کے ساتھ پڑھتا اور رمضان میں فجر کے علاوہ مغرب بھی ساتھ ہی پڑھتا اور افطار بھی ساتھ ہی کرتا۔ اس وقت ماشاء اللہ اتنے لوگ، اکٹھا ہوتے کہ ایک دعوت کا سماں بندھ جاتا۔ تمام افراد اپنے کو ایک خاندان کا فرد سمجھتے۔ اتنے بڑے مجمع میں سے ایک شخص بھی معمول سے غیر حاضر ہوتا تو دوسرے دن ابا صاحب اس سے ضرور پوچھتے کہ نہ آنے کی وجہ کیا ہے۔ گویا ہر شخص کے ساتھ اپنی

اولاد کی طرح سے لگاؤ اور محبت رکھتے تھے۔

بابا صاحب کو عربی، فارسی، انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ دوسرے بزرگوں کی طرح سے نہ تو لمبے لمبے وظیفے بتلاتے تھے نہ چلہ کشی کرواتے تھے بلکہ بہتر زندگی گذارنے کے طریقے۔ نماز اور اسلام کی دیگر بنیادی باتوں پر زور دیتے تھے۔ آجکل کے انگریزی داں جو مذہب سے بہت دور ہوتے ہیں وہ پہلی ہی ملاقات میں ہتھیار ڈال دیتے ان میں میرا اور ارشاد خاں کا نام بھی داخل ہے۔

میری زندگی میں جب کبھی کوئی سانحہ پیش آیا تو بابا صاحب نے ایسا اچھا سیدھا راستہ دکھلایا کہ اس کے بعد کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہوئی۔ میری بیٹی سلمیٰ کی شادی کی جب بات چلی تو بابا صاحب نے ایک دن میں تمام معلومات فراہم کردیں جبکہ ابھی تک مجھے خود یہ معلومات حاصل نہ ہوسکی تھیں۔

بابا صاحب کی عادت تھی کہ لیٹے لیٹے اکثر سیدھے ہاتھ کی انگشت شہادت اور اس کے ساتھ والی انگلی ملاکر ہوا میں کچھ لکھا کرتے، میں نے ایک دن بے تکلف ہوکر پوچھا کہ باباصاحب آپ یہ فضا میں کیا لکھا کرتے ہیں" فرمایا غور سے دیکھو اللہ لکھتا ہوں"۔

میں ان خوش نصیبوں میں ہوں جو آخری وقت میں بابا صاحب کے پاس تھے رمضان کا مہینہ تھا۔ بابا صاحب نے صبح کی نماز جلدی جلدی ادا کی۔ ہم ان کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ ان کے ہوش و حواس سلامت تھے ہم لوگوں سے بھی تاکیداً کہا جاؤ نماز ادا کرو دیر ہو رہی ہے۔ مرنے سے پہلے ہم لوگوں کو قریب ہونے کو کہا پھر کہا سنو، پھر کلمہ پڑھا اور پوچھا سُنا، گواہ رہنا۔

مرنے کے فوراً بعد ان کی اُس آنکھ میں جو کام نہیں کرتی تھی میں نے ایک عجیب قسم کی چمک اور روشنی دیکھی جو بیان نہیں کی جاسکتی۔ یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ میں

آخری غسل میں حکیم افضال اور ارشاد صاحب کے ساتھ شریک رہا۔ بعد میں پتہ چلا کہ بابا صاحب نے میرا نام لیکر کہا تھا کہ انھیں بھی غسل میں شریک کر لینا۔

حضرت بابا صاحب کی چھوٹی ہمشیرہ محترمہ میمونہ خاتون نے تحریر فرمایا

یادوں کے چراغ

گرچہ دوریم وبیادِ تو قدح می نوشیم ٭ بُعدِ منزل نہ بود در سفرِ روحانی

دل میں یادوں کی یلغار ہے دامنِ صبر بھی تار تار ہے کیا کہوں کیونکر کہوں دریا کو کوزے میں بند کرنا محال نظر آتا ہے۔

بہت چھوٹی چھوٹی معمولی باتیں جن پر اب غور کرتی ہوں تو سمجھ میں آتا ہے کہ انسانی ذہن کی تربیت کے لئے یہ روزمرہ کا ماحول اور سیدھی سادی باتیں کس قدر دور رس اور اہم ہوتی ہیں میرے بھائی جان جو کچھ کہتے یا سمجھاتے تھے اس کا عملی نمونہ وہ خود تھے کوئی بات ایسی نہ تھی جو دوسروں کو کہتے ہوں اور خود اس کے برعکس ہوں۔

میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد ہمیشہ نماز روزے کا پابند دیکھا کوئی طریقہ ایسا نہ تھا جس سے نمود و نمائش اور مغرب زدگی کا اظہار ہوتا ہے لانکہ احباب میں ہر طرح کے لوگ تھے ہندو مسلمان، دہریئے اور دیندار، محفلیں جمتیں، مشاعرے ہوتے تقریباً ہر شام کی نشست میں شعر و سخن کا دور چلتا ـــ چائے، کھانا زیادہ تر باہری نشست میں ہی ہوتا دسترخوان کی وسعت مقدرت سے بھی کچھ زیادہ تھی، کل کی فکر کبھی نہ کی۔ بہت سے لوگ تو صبح آنکھ کھلتے ہی حاضر ہو جاتے طعام و کلام کا سلسلہ جاری رہتا۔ جب کبھی تشریف لیجاتے اس وقت تو گھر میں بیٹھ کر کھانا کھا لیتے کیونکہ جلدی ہوتی تھی۔ خوراک بہت مختصر تھی۔ بہت ہلکی باریک چپاتی بھی ڈیڑھ سے زیادہ نہ کھاتے گوشت میں بس گودے والی ہڈی اور شوربہ، چٹنی دسترخوان پر ضرور ہوتی دوسروں کو کھلا کر بیحد خوش ہوتے۔ کھانے میں طرح طرح کی جدتیں کرواتے۔ ہم لوگ حیران ہوتے کہ بھلا یہ کیا ترکیب ہے مگر جب وہ چیز تیار ہوتی تو بیحد مزے دار ہوتی۔

بھابھی محترمہ مربّے، حلوے، اچار، چٹنی جیلی بنانے کی بہت شوقین تھیں بھائی جان کے چائے کی کثرت کی وجہ سے دودھ اور شکر کا خرچ بہت تھا لیکن بھابی صاحبہ کسی نہ کسی طرح شکر کا اسٹاک جمع کر لیتیں اور ان کا شوق پورا کرتیں۔ بھائی جان خود تو شاید ایک آدھ چمچہ لیتے ہوں زیادہ تر بچوں اور پھر آنے جانے والوں کی مدارات میں ہر چیز ختم ہوتی اپنے بھائی کے بچے تو خیر مستقل ہی ان کی آغوش عاطفت میں رہے ان کے علاوہ بھی قریبی اعزہ کے کئی بچے تعلیم و تربیت کی خاطر رہتے تھے ـــــ کئی عزیز ایسے تھے جو سالہا سال قیام پذیر رہے ان کے خورد و نوش کا بار بھائی جان ہی پر رہتا لیکن کبھی نہ زبان سے ناگواری کا اظہار ہوا نہ کسی اور طریقے سے جو رہتا تھا اسے شاید کبھی احساس ہی نہ ہوا کہ میں کسی پر بوجھ ہوں وہ تو جب ہی ہوتا جب برتاؤ میں فرق آتا۔

شاہانہ اخراجات کی وجہ سے اکثر تنگ دستی رہتی کپڑے تو شاید برسوں کے بعد کچھ بن پاتے ہوں اس کی پروا نہ تھی بس لنگر خانہ جاری رہے یہی سب سے بڑی خوشی کی بات تھی، اللہ میاں پورا بھی خوب کرتے تھے، اکثر ایسا ہوتا کہ جو کچھ گھر میں پکا سب باہر چلا گیا دوبارہ ہم لوگ کچھ پکا کر کھاتے۔ موسم کے پھل ڈھیر رہتے خاص طور سے آم اور امرود پسندیدہ پھل تھے، ٹوکرے بھرے رہتے جس کا جتنا جی چاہے کھائے کوئی روک ٹوک حساب کتاب نہ تھا۔

بھائی جان مجھ سے ۲۳ یا ۲۴ سال بڑے تھے میں نے والدہ کو دیکھا ہی نہیں کیونکہ میں ایک سال کی تھی جب وہ جنت کو سدھار گئیں پھر گیارہ یا بارہ سال کی عمر میں والد صاحب قبلہ عالم جاودانی کو سدھارے۔ ماں تو خیر یوں بھی یاد نہ تھیں لیکن والد صاحب سے ایک منٹ کی جدائی گوارا نہ تھی۔ جب دورے پر جاتے یا شکار کے لئے جاتے تب بھی میں ساتھ ہوتی۔ والد صاحب نے اپنی خرابی صحت کی بنا پر قبل از وقت پنشن لے لی تھی اور لکھنؤ میں مقیم تھے۔ انتقال سے ایک ماہ قبل مجھے بھائی جان کے پاس پرتاب گڈھ چھوڑ گئے تھے پھر تشریف لائے تو اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ بھائی جان سے آٹھ سال چھوٹے برادر محترم امین احسن صاحب بھی بڑی خوبیوں کے مالک تھے، ان کا ۱۹۴۲ء میں

اچانک ہی انتقال ہوگیا۔ ماشاء اللہ چھ بیٹے اور تین بیٹیاں یادگار چھوڑیں —
میرے دونوں بھائی زہد و تقویٰ اخلاص و اخلاق میں اپنی مثال آپ تھے میرے
ساتھ دونوں کا سلوک اولاد کی مانند تھا' نماز پڑھنا مجھے چھوٹے بھائیوں نے
سکھائی اپنے سامنے وضو کرواتے پھر جا نماز پر کھڑا کرتے خود پاس بیٹھ کر زور
زور سے تمام ارکان رکوع و سجود پڑھتے۔ میں دھراتی اس طرح بہت جلد اور آسانی
سے نماز یاد ہوگئی۔

تختی پر نقش کر دیتے اس پر میں قلم پھیرتی اچھی اچھی کتابیں لا کر دیتے پڑھوا کر
سنتے۔ جب پہلے پہل میں نے ٹوٹا پھوٹا خط لکھ کر بھائی جان کو بھیجا تو اس کے جواب میں بےحد
خوشی کا اظہار کیا اور انعام بھیجا۔

بچپن میں مجھے سردیوں میں تنفس کی شکایت رہا کرتی تھی تاکید کے باوجود
بد پرہیزی بھی بہت کرتی تھی دوا پینے میں بھی بڑے نخرے تھے۔ بھائی جان باہر سے
چائے کی پیالی بنا کر بھیجتے اس میں کچا انڈا توڑ کر ڈال دیتے اور میں بےخبری میں پی جاتی
اس سے فائدہ بہت ہوتا تھا۔ ڈانٹتے بہت تھے میں ڈر تو جاتی تھی لیکن برا کبھی
نہ لگا خاموشی سے خفگی کا گمان ہوتا تھا لہذا ڈانٹنا ہی زیادہ بہتر تھا یہ بھی ان کی
انتہائی چاہت کی نشانی تھی بہت سی باتوں کو منع کرتے تھے بگڑتے تھے میں کبھی
بولنے کی ہمت اپنے میں نہ پاتی لیکن جہاں انھوں نے میری آنکھوں میں آنسو دیکھے
اور مان گئے۔ فوراً کہتے جو جی چاہے کرو۔ میرے اوپر اعتماد بھی بہت تھا خاص طور
سے بھتیجی بھتیجوں کے معاملات' ان کے شادی بیاہ کے موقع پر میری خوشی اور منشا'
کے مطابق سب کچھ ہوتا — میری ذرا سی تکلیف پر بےچین ہو جاتے۔ جب کبھی کہیں سے
بھی میری بیماری کے متعلق سنا لکھنؤ' الہ آباد' شاہجہانپور جہاں میں ہوتی عیادت کے لئے
ضرور تشریف لے جاتے ان کے دست شفقت سے مجھے سکون ہو جاتا۔ شادی کے بعد بھی
میں تقریباً ہر چھٹی میں پرتابگڑھ پہونچتی کبھی مہینے دو مہینے بھی قیام رہتا جس وقت سے پہنچی
سارے انتظامات میرے سپرد ہو جاتے معلوم ہی نہ ہوتا کہ میں یہاں سے کبھی گئی بھی تھی لیکن میری دلچسپ

کا تذکرہ ہوتے ہی بھائی جان کے مزاج کی رو بدل جاتی وہ چاہتے تھے کہ کہیں نہ جاؤں جس دن روانگی ہوتی صبح سے گھر میں ۔ آتے میں سمجھتی تھی کہ یہ میری جدائی کا غم ہے لیکن بھائی بہن دونوں مجبور تھے وہ روک نہ سکتے تھے میں رک نہ سکتی تھی پھر جلد آنے کی امید پر دل سنبھالتی جب میں سوار ہوجاتی یکہ ،تانگہ سڑک تک پہنچا تو ایک ہاتھ پردے کے اندر آکر میری مٹھی میں کچھ رقم دبا دیتا اور "خدا حافظ اللہ کے سپرد" کی آواز آتی آہ میرے پیارے میرے بزرگ فرشتہ سیرت بھائی جان تھے ۔ ان کی سیرت کی خوبیوں کا احاطہ میرے امکان سے باہر ہے اگر چھوٹے چھوٹے واقعات اور حالات بیان کرنے بیٹھوں تو ایک ضخیم کتاب لکھی جائے حالانکہ مجھے اس وقت کی کوئی بات شاید ہی بھولی ہو ـــ کوئی نقصان ہوجائے کسی سے بھی کوئی غلطی ہو بھائی جان مجھے ہی کہتے کہ بس یہ ان قابلہ خاتون نے کیا ہوگا کبھی اگر میں تردید کی کوشش میں زبان کھولنا چاہوں تو فرماتے کہ جواب مت دو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خواہ بڑی سے بڑی بات کوئی کہے غلط الزام لگائے میں نے خاموشی کو اپنا شعار بنالیا اس سے فائدہ یہی ہوا کہ جواب الجواب میں بات نہ بڑھی اور بعد میں کہنے والا خود ہی نادم ہوا اور جو غلط بات مجھ سے منسوب کیگئی وہ حقیقت میں کہنے والوں ہی پر صادق آئی ۔ کون کیا کہتا ہے کیا سمجھتا ہے اس کی کبھی پروا نہ ہوئی ساری بات ضمیر کے مطمئن ہونے کی ہے اگر اپنے دل میں کھوٹ نہیں تو دنیا بکتی رہے ـــ بھائی جان کی یہ بھی تاکید تھی کہ کبھی انتقام کا خیال بھی دل میں نہ لانا اگر برائی کے بدلے ہم نے برائی کی تو پھر فرق ہی کیا رہا ۔ بہت سے واقعات ایسے پیش آئے لوگوں نے جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کرنے کے در پے رہے مگر میرے بھائی جان ہمیشہ اُن لوگوں کے کام آئے کبھی شکوہ نہ کیا کسی کی برائی نہ کرتے تھے نہ کسی کا برا چاہتے تھے دنیاوی وسائل نہ ہوتے ہوئے بھی آخر وقت تک اُسی عزت و شان سے زندگی بسر ہوئی ۔

ماں باپ جوان بھائی نوجوان چچازاد بھائی رفیقہ حیات اپنی پہلی اور آخری اولاد اور کتنے ہی عزیز و رفقاء کی دائمی جدائیاں ، پے در پے صدمات صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرتے رہے ۔

اللہ تعالیٰ کی رحیمی و کریمی پر غیر متزلزل یقین تھا ـــ نماز کی تاکید سب کو کرتے تھے فجر کی نماز ادا کرنے کے فوراً بعد ہی جان جان آفریں کے سپرد کی ہم لوگوں کی تو وہی مثل ہے کہ چراغ تلے اندھیرا ہم لوگوں نے کما حقہٗ قدر نہ پہچانی حالانکہ ہزاروں لوگ جنھوں نے صدق دل سے ان کی نصیحتوں پر عمل کیا ، دین و دنیا کی نعمتوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انھیں نوازا ۔ پھر بھی یہ فخر کیا کم ہے کہ اس برگزیدہ

ہستی سے نسبت ہے اُن کی پرخلوص دعاؤں ہی کا اثر ہے کہ تباہ کاریوں کے باوجود فضل خداوندی شاملِ حال ہے۔ سردی کا زمانہ ہوتا تو سب لوگ کمروں میں سوتے لیکن بھائی جان ہمیشہ کھلے برآمدے میں سوتے۔ پچھلے پہر ہم لوگوں کی اگر کبھی آنکھ کھلتی تو ذکر میں مشغول پاتے سب لوگوں کے ساتھ کبھی نہیں سوتے تھے، فرماتے تھے کہ بھئی مجھے گنج شہیداں میں نیند نہیں آتی۔

گھر کا مردانہ حصہ بہت بڑا تھا۔ کچھ تو مستقل رہنے والوں سے کچھ باہر سے آنے والوں کی وجہ سے ہمیشہ بھرا رہتا تھا۔ کوئی سجاوٹ بناوٹ نہ تھی۔ کئی تخت ملا کر بچھے تھے جن پر فرشی دری کئی تہہ کر کے بچھی رہتی تھی چارپائیاں کرسیاں بھی پڑی رہتی تھیں۔ قانون کی کتابیں تو ریک پر رکھی رہتی تھیں لیکن ایک بڑی میز پر پورا کتب خانہ لدا رہتا تھا۔ بے شمار کتابیں رسائل نگار، ساقی، مخزن، الناظر، مولوی، تجلّی، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سے جتنے ملفوظات اور رسالے نکلتے تھے سب آتے تھے۔

بڑا علمی اور ادبی ماحول تھا، مذہب سب پر غالب تھا۔ حضرت جگر مرادآبادی تشریف لاتے تو مہینوں قیام فرماتے۔ جناب سید آلِ رضا اور مولانا آسی لکھنوی، نوح ناروی اکثر تشریف لاتے مقامی لوگوں میں تمام اعلیٰ حکام اور شعرا حضرات کی صبح سے شام تک نشست رہتی۔

جناب پنڈت رادھے بہاری شاد، علامہ مضحک دہلوی جگری دوستوں میں تھے۔

جناب مولانا محمد اسحاق صاحب ایڈوکیٹ بڑے خاص دوستوں میں تھے۔ سب لوگ ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ مولانا مرحوم میرے ساتھ بھی بڑی محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے تھے ان کے بڑے فرزند ارجمند جناب محمد ایوب صاحب نے اپنے والد کے دوست (یعنی بابا صاحب مرحوم) ساتھ جس سعادت اور محبت کا سلوک کیا وہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں تو بدرجہ اتم تھا لیکن فی زمانہ یہ خلوص کا جذبہ عنقا ہے۔ اللہ تعالےٰ جزائے خیر دیں۔

جی چاہتا ہے کہ بھائی جان کے متعلق باتیں کرتی ہی چلی جاؤں۔ مگر کہوں تو کیا کہوں ان کے اوصاف حمیدہ کا احاطہ کرنا ممکن نہیں اپنے جہل کا مجھے اعتراف ہے۔ میرے سامنے تو یہی تصور ہے کہ میری ذراسی تکلیف پر بے چین ہیں اپنی کمزوری اور ناسازی طبع کے باوجود

چلے آرہے ہیں ایک نہیں دو نہیں تین چار ڈاکٹر بیک وقت لے آئے دواؤں کا ڈھیر ہے پھل، خمیرے، مربے، شربت کا ڈھیر مجید بدترین خلائق کے لئے ہر طرح کی آسائش مہیا گلے لگا رہے ہیں تسلیاں دے رہے ہیں۔ لڑکوں کو تاکید کر رہے ہیں کہ یوں کرو، یوں آرام پہونچاؤ۔ کوئی شکایت کرتا کہ کہنا نہیں مانتی ہیں کام کرنے لگتی ہیں تو کہتے پھر کیا کریں۔ میرے شوہر جو کہ ان کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ ان کی دائمی جدائی کے بعد سے میرے ساتھ انتہائی خصوصی توجہ کا برتاؤ تھا، برابر یہی کہتے تمہارے لڑکوں سے کچھ مطلب نہیں میرے ہوتے تم کسی کی محتاج نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے علاوہ کسی کا محتاج نہ کرے لیکن اب دل پر مرہم رکھنے والا نہ رہا۔ آنکھیں خشک ہیں لب خاموش ہیں۔

بھائی جان کی جدائی کے تین ماہ بعد بے حد عزیز اور پیارے بیٹے مکین احسن بھی اپنے بابا کے پاس پہونچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے چون وچرا کی گنجائش نہیں۔

دل ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

اب سے تقریباً چالیس پینتالیس سال پہلے کسی صاحب نے ایک نظم کہی تھی جس کا ایک شعر مجھے اب بھی یاد ہے ؎

ستاروں کی تجلی گاہ ان کی بزم امکین ہے
میں کیوں چھوٹا بڑا سمجھوں کہ جب ہر نجم احسن ہے

———— سچ ہے ؏ ہمیشہ رہے نام اللہ کا

دردِ لا دوا

دل میں ہیں مستور اُن کو ڈھونڈنے جائیں کہاں
ہیں نظر سے دور لیکن میری رگ رگ میں نہاں

سب بھٹکتے پھر رہے ہیں اپنی منزل کے لئے
اپنے پیچھے آپ نے چھوڑا ہجومِ عاشقاں

سوگواروں کی کرے تسکین خاطر کون اب
آپ کے سب ہمنشیں ہیں مضطرب اور نوحہ خواں

ایک سناٹا سا میری روح پر طاری ہے آہ
لُٹ گئیں ساری بہاریں چھا گئی ہر سو خزاں

کس کے قدموں سے لپٹ کر دِل مرا تسکین پائے
کون ہے دنیا میں جو مجھ پر ہو اتنا مہرباں

تھی محبت ہی محبت چار سو پھیلی ہوئی
علم و حکمت اور محبت کے تھے بحرِ بیکراں

کاش اس نقشِ قدم پر سب کو چلنا ہو نصیب
اس مثالی زندگی سے لیں سبق پیر و جواں

دِل میں دردِ لا دوا ہے لب پہ ہے مُہرِ سکوت
بُجھ گئے شُعلے دبی ہیں راکھ میں چنگاریاں

میمونہ خاتون

جناب حکیم اسرار احمد صاحب کریوی تحریر فرماتے ہیں :

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

سید افضال احمد میرے بچپن کے ساتھی، عزیز قریب اور برسوں ہم سبق ہونے کی حیثیت سے ایک ہی تعلیم گاہ اور اسی تعلیم گاہ کے اقامت خانے کے ایک ہی کمرے میں رہتے بستے رہے۔ تعلیم سے فراغت پانے کے بعد وہ حیدرآباد دکن چلے گئے اور ریاست کے محکمۂ تعلیم سے منسلک ہو گئے۔ زمانہ نے پھر ایک ورق الٹا اور ریاست سے وظیفہ یاب ہونے کے بعد چند سال پہلے وہ مستقل طور پر کراچی آ گئے۔ حیدرآباد دکن کے قیام کے دوران اُن پر مذہبی رنگ کچھ گہرا چڑھ گیا۔ تبلیغی جماعت کے سربراہ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ العالی سے بیعت حاصل کی اور قصہ مختصر "زاہد شب زندہ دار" کے روپ میں تقریباً پینتیس سال کے بعد کراچی میں اُن سے ملاقات ہوئی ایک روز باتوں ہی باتوں میں انھوں نے نجم بابا کے نام سے ایک بزرگ کا ذکر کیا۔ وہ تو اکثر ان کے پاس جاتے ہی تھے مجھے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے پر آمادہ کیا۔ میں نے عرض کیا کہ ایک بابا (یعنی بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم) کے ساتھ تیس سال سے اوپر زندگی گزارنے کے بعد اب اور کسی بابا کے در پہ جبہ سائی کی آرزو نہیں۔ لیکن ان کا اصرار بڑھتا ہی گیا اور آخرکار ایک دن میں نے سپر ڈال دی ان کے ساتھ ۹ بجے صبح کے بعد ناظم آباد ۲ کے ایک مکان پر پہنچا۔ نجم بابا تشریف فرما تھے اور ان کے چند نیازمند اور عقیدت کیش بھی بیٹھے تھے۔ میں بھی سلام اور مصافحہ کر کے ایک چوکور چھوٹے سے کمرے میں فرش پر بیٹھ گیا کمرے میں ایک چارپائی اور چارپائی کے نیچے کچھ متفرق ضروری اور غیر ضروری سامان۔ فرش پر چادر بچھی ہوئی اور کمرے کی شمالی دیوار سے متصل ایک گاؤ تکیہ کے سہارے نجم بابا بیٹھے ہوئے تھے۔

سید افضال احمد نے بابا سے میرا تعارف کرایا۔ بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ ایک گھنٹہ تک وہاں بیٹھا اور ان کی باتیں سنیں۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں کے بعد وہاں کی حاضری زندگی کا معمول سی بن کر رہ گئی۔ نجم بابا کا اسم گرامی نجم احسن تھا اور وہ اودھ کے ایک مردم خیز قصبہ نگرام کے رہنے والے تھے۔ بی۔ اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور وکالت کی ڈگری لینے کے بعد اودھ ہی کے ایک چھوٹے سے شہر پرتاب گڑھ میں وکیل کی حیثیت سے عملی زندگی میں قدم رکھا۔ مجموعی حیثیت سے ان کا خاندان مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا اس لئے بابا بھی بڑی حد تک اسی رنگ میں رنگ گئے اور اپنے دور کے مشہور صاحبِ سلسلہ بزرگ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مرحوم کے مریدوں کے حلقے میں شامل ہو گئے اور عام مرید کے درجے سے ترقی کر کے خلافت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مرحوم کے خلفاء میں دو طبقے تھے "خلیفہ مجاز" اور "خلیفہ صحبت" نجم بابا مرحوم خلیفۂ صحبت تھے انھیں خود دوسروں کو مرید کرنے کا حق نہ تھا لیکن اتنی اجازت ضرور تھی کہ لوگ ان کے پاس آئیں اور ان سے استفادہ کریں۔

حضرت مولانا نجم احسن اگرچہ عام طور سے اپنے نیازمندوں کے حلقے میں نجم بابا کے نام سے مشہور تھے لیکن ان میں تصوّف کے نام نہاد "باباؤں" سی کوئی بات نہ تھی ہمہ تن روحانیت سے تو انھیں خاص لگاؤ تھا ہی لیکن تاریخ اسلام، سیاسیات عالم اور ادب و شعر کے بارے میں بھی ان کی معلومات قابلِ رشک تھی۔ حافظہ ایسا غضب کا پایا تھا کہ پچاس ساٹھ سال پہلے کی باتیں اور واقعات یوں بیان کرتے تھے جیسے وہ کل کی بات ہو۔ شعر بھی خوب کہتے تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کے خلفاء میں خواجہ عزیز الحسن مجذوبؔ مرحوم۔ ڈاکٹر عبدالحیُ صاحب مدظلہٗ اور بابا نجم شعر و غزل میں انفرادیت کے مالک ہیں۔ میں نے کبھی کبھی نجم بابا مرحوم کی زبان سے اور اکثر ان کے ایک عقیدت مند محمد خاں صاحب کی زبان سے ان کا کلام سنا۔ ان کا کلام

حقیقت اور مجاز کا ایک دل کش گلدستہ ہے بعض ایسی غزلوں سے قطع نظر کرکے جن میں مقصدیت کا رنگ کچھ شوخ اور غیر متوازن ہے۔ ان کی غزلیں زبان و بیان سادگی و پرکاری جذبات نگاری اور داخلیت کا پُر اثر مجموعہ ہیں۔ نجم بابا مرحوم کی سب سے بڑی خصوصیت ان کی سادگی ہمدردی بے تکلفی یعنی انسانیت کی وہ حسین قدریں تھیں جن سے انسان انسان بنتا ہے یوں تو ان کے یہاں پابندی سے روزانہ آنے والوں کی تعداد پندرہ سولہ افراد سے زیادہ تھی لیکن جمعہ کے دن عام طور سے پچاس ساٹھ آدمی آجایا کرتے تھے۔ ان میں وکیل، استاد، تاجر، شاعر، زبان دان زیادہ پڑھے لکھے، معمولی پڑھے لکھے اور برائے نام خواندہ اشخاص بھی ہوتے تھے وہ سب سے بڑی گرم جوشی سے ملتے۔ ان کا حال بچوں کا حال اور معاشی حالات بھی پوچھتے مفید مشورہ دیتے۔ زبانی طور پر نہیں بلکہ عملی طور پر بھی۔ عید کے موقعہ پر وہ چند نیاز مندوں کو عیدیاں بھی دیتے۔ وہ آنے والوں کے حالات پر نظر رکھتے اور جہاں بھی ضرورت محسوس کرتے ان کی دامے درمے قلمے سخنے مدد کرتے۔ نجم بابا مرحوم خود صاحبِ اولاد نہ تھے لیکن انھوں نے اپنی فطرت میں ایسی ہمہ گیری پیدا کرلی تھی کہ اپنے پاس آنے والوں کو اپنا بھائی، بیٹا اور ان کی اولاد کو اپنی اولاد سمجھتے تھے اور جہاں کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ کسی تکلیف میں ہے تو جب تک اس کی تکلیف رفع کرنے کے سلسلے میں اپنی سی کوشش کر نہ لیتے چین سے نہ بیٹھتے۔ کراچی میں ان کے بھتیجے بھتیجیاں، بھانجے بھانجیاں اور دوسرے نزدیک دور کے اعزا و اقارب تھے اور آج بھی ہیں اور اکثر اُن میں خوش حال اور آسودہ حال ہیں لیکن وہ جب سے کراچی میں تشریف لائے ابتدائی مدت کو چھوڑ کر ناظم آباد نمبر ۲ کے اسی مکان میں رہے جو ان کے دوست ایوب صاحب کا ہے۔ ایوب صاحب الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ اور اُن کے اور اُن کے بزرگوں کے تعلقات نجم بابا مرحوم سے اسی وقت سے ہیں جب بابا مرحوم پرتاب گڈھ میں وکالت کیا کرتے تھے۔ بابا مرحوم کی وضع داری بھی آپ اپنی مثال ہے کہ اگرچہ ان کے اعزا اقارب خصوصاً ان کے عزیز بھتیجے زصیر حسن صاحب

نے (جو پاکستان میں سی۔ ایم۔ اے یعنی کنٹرولر آف ملیٹری اکاؤنٹس ہیں) انتہائی کوشش کی کہ بجم بابا مرحوم ان کے ساتھ رہیں لیکن بابا مرحوم اپنی آخری سانسوں تک ایوب صاحب ہی کے یہاں مقیم رہے وہ اپنے بھتیجے بھتیجیوں۔ بھانجے بھانجیوں سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ میں نے بارہا دیکھا کہ ان کا کوئی نیازمند انکی خدمت میں مٹھائیاں یا پھل لاتا تو اس میں سے ایک حصہ اپنے گھرانے کے چھوٹے بچوں کے لئے الگ کر دیتے۔

انھیں اپنے علم و فضل اور زہد و پارسائی کا ذرہ برابر احساس و غرور نہ تھا لوگ ان کے پاس آتے اور مختلف موضوعات اور مضامین پر بڑی بے تکلفی اور برابری سے اپنی رائے کا اظہار کرتے وہ بابا مرحوم کی رائے سے اتفاق بھی کرتے اور اختلاف بھی۔ لیکن وہ کبھی برا نہ مانتے۔

وہ روشن خیال۔ وسیع النظر اور انصاف پسند تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار میں نے برسبیل تذکرہ ان کے پیر و مرشد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مرحوم کی مرتبہ کتاب "اعمال قرآنی" کے ایک مخصوص عمل کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ حضرت! اس عمل کے بیان و تحریر کی نسبت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مرحوم کی ذاتِ اقدس سے کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ بابا مرحوم نے میرے معروضہ سے اتفاق کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بھئی حکیم صاحب! یہ کتاب حقیقت میں مولانا کی مرتب کردہ نہیں بلکہ ان کے ایک عقیدت مند نے مرتب کی ہے اور مرتب کی نسبت سے حضرت مولانا کا نام لکھدیا ہے۔ مجھے بابا کی اس توجیہ و تاویل سے کچھ اطمینان نہ ہوا جسے وہ بھانپ گئے اور فرمایا کہ زندگی میں بارہا ایسے مقامات آتے ہیں کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی نہ جاننے کا اقرار زیادہ مناسب اور کارگر ہوتا ہے پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ عقل و خرد کے وسوسوں کو یقین و عقیدہ کے بادن میں ڈال کر نہ صرف پارہ پارہ کر دیجئے بلکہ اُس کی باقیات کو دریائے شور میں بہا کر دم لیجئے۔ وہ اکثر اپنے نیازمندوں سے مسکرا کر کہا کرتے تھے کہ میں نہ پڑھا لکھا ہوں اور نہ حکیم و دانشور ہوں لیکن عبدالحکیم ضرور ہوں۔ یہ ان کی خاکساری تھی ورنہ ہر اعتبار سے فکر و نظر اور علم و عمل کے معیار پر پورے اترتے تھے۔

وہ برائے نام کھاتے پیتے تھے لیکن احباب، رفقاء، نیازمندوں اور عقیدتمندوں کو کھلا پلا کر بہت خوش ہوتے تھے۔ صبح کی محفل میں ان کے ایک عقیدتمند کے ہاں سے تھرماس میں تیار شدہ کافی آتی تھی وہ موقع پر موجود لوگوں کو کافی پلاتے اور خود سب سے کم تقریباً تہائی یا چوتھائی پیالی پیتے۔ اس موقعہ پر سب سے بڑا حصہ حضرت سوز شاہجہانپوری کو ملتا۔ جن کے تعلقات بابا مرحوم سے اس زمانے سے تھے جب سوز صاحب لکھنؤ میں اور بابا مرحوم پرتابگڈھ میں رہا کرتے تھے۔ نجم بابا سوز صاحب کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ان کی دل داری اور ناز برداری میں کبھی کوئی کمی نہ آنے دیتے تھے ان کے اس رجحان کا پاس بیٹھنے والوں کو بھی احساس و اندازہ تھا اس لئے وہ سب بھی سوز صاحب کا احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ ایک آدھ بار سوز صاحب کو قدرے شکر رنجی پیدا ہو گئی پھر بابا مرحوم نے ان کی تالیف قلب کے لئے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے۔

حضرت سوز شاہجہانپوری کے خوش گو شاعروں میں ہیں وہ اچھا کہتے بھی ہیں اور اچھا پڑھتے بھی ہیں۔ بڑی آن بان والے ہیں۔ گھر کے باہر شیروانی کے بغیر نکلنا ان کے طریق میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ کچھ رکھ رکھاؤ ایسا کہ اچھے اچھوں کو بھی سر تسلیم خم کئے بغیر چارہ نہ رہے۔ میں ان کی وضعداری رکھ رکھاؤ اور شعر و شاعری کی بنا پر انھیں "مرزا مظہر جان جاناں" کا پرتو قرار دیتا تھا۔ یہ بات یہاں تک عام ہوئی کہ ہم سب لوگ انھیں سوز صاحب کے بجائے حضرت مرزا صاحب کہنے لگے۔ بابا مرحوم بھی اس سے محظوظ ہوتے اور جب کبھی سوز صاحب کے آنے میں چند منٹوں کی بھی دیر ہو جاتی تو فرماتے نہ جانے کیا بات ہے کہ جناب مرزا صاحب اب تک تشریف نہیں لائے۔ اب جب سوز صاحب کا ذکر آ گیا تو لگے ہاتھوں بابا مرحوم کے چند دوسرے نیازمندوں کے بارے میں بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجئے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ یوں تو مرحوم بابا اپنے سارے نیازمندوں پر یکساں مہربان اور شفیق تھے ان میں تین اصحاب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں وہ یہ ہیں۔ نواب عشرت علی خاں صاحب قیصر۔ نواب شمشاد علی خاں صاحب۔ اور سید حسن صاحب۔

نواب قیصر صاحب کی والدہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کی مرید ہیں۔ اور انھیں کی وجہ سے قیصر صاحب بابا کی خدمت میں آنے جانے لگے۔ نواب شمشاد علی خاں صاحب باغپت ضلع میرٹھ کے مشہور رئیس نواب جمشید علی خاں صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ نواب جمشید علی خاں صاحب مرحوم حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مرحوم کے حلقہ بگوش تھے۔ سید حسن صاحب ان سب سے کم عمر لیکن قربت اور خصوصیت کے لحاظ سے قریب قریب اسی مقام پر قائز ہیں جہاں نواب قیصر صاحب اور نواب شمشاد علی خاں صاحب متمکن ہیں۔ سید حسن صاحب لکھنؤ کی مشہور ٹیلے والی مسجد کے بزرگ حضرت وارث علی شاہ مرحوم کے نواسے ہیں اور نجم بابا مرحوم سے بڑی والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ سید صاحب احسن آباد کو آپریٹو ہاؤسنگ سوسائیٹی کے بھی بانی ہیں۔ اور اس سوسائیٹی کا نام انھوں نے حضرت مولانا نجم احسن مرحوم (نجم بابا) کے نام پر رکھا ہے نجم بابا کے پاس آنے والوں میں حکیم افضال صاحب بھی ہیں۔ نجم بابا ان سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ نجم بابا کے ارشاد پر حکیم صاحب لوگوں کے لئے تعویذ بھی لکھا کرتے تھے۔ نجم بابا۔ مرحوم کے مخصوص عقیدتمندوں میں ڈاکٹر صاحبان بھی ہیں اور اتفاق سے دونوں کے نام میں جمیل کا لفظ شامل ہے۔

نجم بابا مرحوم ہم سب سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے لیکن اُن کی یاد کبھی ہمارے دلوں سے جدا نہیں ہو سکتی۔ اللہ انھیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔ آخر میں ان کے بارے میں مولانا حالی مرحوم کے اس مرثیے کے دو شعر پیش خدمت ہیں جو انھوں نے اپنے استاد مرحوم مرزا اسد اللہ خاں غالب کی وفات پر لکھے تھے اور جو آج نجم بابا کے حال پر بھی اسی طرح منطبق ہیں جیسے مرزا غالب مرحوم کے بارے میں ؎

نکتہ داں نکتہ سنج نکتہ شناس ⁂ پاک دل پاک ذات پاک صفات

شیخ اور بذلہ سنج شوخ مزاج ⁂ رند اور مرجعِ کرام و ثقات

ایک مشورہ

احقر مرتب ذیل میں نصاب سلوک پیش کرتا ہے جو خانقاہ تھانہ بھون میں رائج تھا جس پر چل کر سیکڑوں آخرت سے غافل لوگ دنیاداری سے نکل کر نہ صرف دین دار بلکہ اپنے وقت کے کاملین اور عارفین میں بھی داخل ہوئے۔

کچھ ہیں۔ کچھ رحمت کا لباس پہن کر، رحمت کی سواری پر بیٹھ کر رحمت کے فرشتوں کے جلوس کے ساتھ رحمت کی دنیا میں جا چکے ہیں۔ اگر اللہ پاک شوق دے تو آپ بھی آزمائیے ؎

گر نہ بینی نورِ حق بر ما بخند

تقسیم ہند سے پہلے تو اس کے مطالعہ کے لئے چنداں شرائط نہ تھیں مگر پاکستان میں مختلف طبقوں کے اختلاط سے ایسے ناصاف حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ جس میں نہ گھر کے اندر کا معاشرتی رنگ مسلمانانہ اور مودبانہ رہ سکا نہ گھر کے باہر کا تمدنی ماحول شائستہ اور مہذبانہ برقرار رہا۔ لہٰذا اب اس نصاب سلوک کے مطالعہ کے لئے چند شرائط ضروری ہو گئیں۔

پہلی شرط

خلوص فی الطلب ہے

جس کے لوازم میں سے ہے قلب پر آخرت کی اہمیت یوماً فیوماً بڑھتے جانا اور دنیا کی وقعت اسی نسبت سے دل سے گھٹتے جانا۔ حتیٰ کہ آخرت کی اہمیت تمام دنیا و ما فیہا پر غالب آجاتا۔

دوسری شرط

اختلاط با لا نام سے اجتناب کرنا ہے۔

یعنی بغیر اشد ضرورت کے کسی مجمع یا تقریب میں شرکت نہ کرنا۔ پھر بقدر ضرورت اکتفا کرنا۔

تیسری شرط

نصاب کے مطالعہ کے دوران دوسری کتابوں کا مطالعہ نہ کرنا حتیٰ کہ اخبارات کا بھی۔

چوتھی شرط

رجوع الی اللہ تعالےٰ کرتے رہنا

یعنی حق جل وعلیٰ سے رو رو کر دعا مانگنا کہ یا اللہ ان مضامین کے مدلول تک میرے ذہن کی رسائی فرما دیجئے اور اسے اپنی محبت۔ معرفت اور رضا کا ذریعہ بنا دیجئے۔

نصابِ سلوکِ خانقاہ تھانہ بھون

(۱) تعلیم الدین
(۲) آداب المعاشرت
(۳) فروع الایمان
(۴) تبلیغِ دین
(۵) جہاد اکبر
(۶) نزہت البساتین
(۷) قصد السبیل
(۸) معمولات خانقاہ
(۹) اصول الوصول
(۱۰) الابتلا لاہل الاصطفاء
(۱۱) وعظ راحت القلوب
(۱۲) رحمت المتعلمین
(۱۳) مسائل السلوک
(۱۴) نعمتِ عظمیٰ
(۱۵) رفع الضیق
(۱۶) ترجمہ آداب العبودیہ

(۱۷) ترجمہ تنبیہ المغترین

(۱۸) الدر المنضود

(۱۹) اکمال الشیم

(۲۰) عوارف المعارف

(۲۱) مثنوی دفتر ششم

(۲۲) تکشف

(۲۳) تربیت السالک

اوپر کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ایک سال کا وقفہ دے کر ایک نسخۂ کیمیا بھی میری طرف سے پڑھ لیجئے۔ یعنی

اشرف السوانح

انشاء اللہ تعالیٰ ساری کتابوں کے ختم سے پہلے ہی کام بن جائے گا۔ اور آپ اسے ذوقاً محسوس کریں گے۔

محمّد صدّیق

کراچی ۲۳ر اکتوبر ۱۹۷۷ء

نعت

(از بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

خلش ہوتی ہے اک محسوس پیہم　　قیامت سی مچی ہے دل میں ہر دم
توئی اے شاہِ محبوباں پناہم　　ز مہجوری بر آمد جانِ عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

کمر بارِ گناہ سے ہوگئی خم　　کروں کس طرح میں اپنا ہی ماتم
سہارا ہے ترا رحمِ مجسم　　ز مہجوری بر آمد جانِ عالم
ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

بہار سرِ حق را تو امینی　　بہ دلہائے غلامانت مکینی
پئے لب تشنگاں مارا معینی　　نہ آخر رحمتہ للعالمینی
ز مہجوراں چرا غافل نشینی

گنہگارانِ امت را معینی　　پے نومیدگاں حبلِ متینی
چرا اے جانِ جاں خلوت گزینی　　نہ آخر رحمتہ للعالمینی
ز مہجوراں چرا غافل نشینی

سروں تک آگیا اب آہ پانی　　نہیں دریائے غم کی کم روانی
توئی مقصود وہم محبوب جانی　　بروں آور سراز بُردِ یمانی
کہ روئے تست صبحِ زندگانی

تمامی عمر غفلت میں گنوانی | رہا میرا اصولِ زندگانی
فغاں اے آں کہ او رانیست ثانی | بروں آور سراز بردِ یمانی

کہ روئے تست صبح زندگانی

فدایت جانِ ما از خواب برخیز | تبہ شد حالِ شیخ و شاب برخیز
دگر با مجمع احباب برخیز | زخاک اے لالۂ سیراب برخیز

چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

گذشت از حد کنوں دردم دوا کُن | بہارِ لطف را مشکل کشا کُن
ببیں حالِ تباہ و چارہ ہا کُن | ادیم طائفی نعلینِ پا کُن

شراک از رشتۂ جاں ہائے ما کن

محبت

محبت میں فکرِ منازل کہاں
تمنا کہاں دیدۂ دل کہاں

کہاں ابتدا ہے کہاں انتہا
جنوں کے سوا اور منزل کہاں

محبت میں فکرِ مقامات کیا
محبت میں یہ بات وہ بات کیا

محبت میں کب ہے زمان و مکاں
محبت میں دن کیا اور رات کیا

محبت میں سب سے بڑی ہوگی چوک
ہوس ہو جو انساں میں مثلِ ملوک

یہ ممکن نہیں ہے محبت ہو قید
بہ محدودیت ہائے جذب و سلوک

محبت میں یہ اور یہ کی ہوس
عسل کی تمنا ہے مثلِ مگس

محبت میں کیا ماسوا پر نظر
محبت کا حاصل محبت ہے بس

وہ رکھیں جہاں وہ ہے میرا مقام
وہ جو کام لیں مجھ سے وہ میرا کام

میری ہستی خود کوئی ہستی نہیں
فقط حکم سے ان کے ہے میرا نام

محبت میں انسان گونگا رہے
محبت میں بہرا ہوا اندھا رہے

محبت میں اپنے کو بس بھول جائے
انھیں کا انھیں کا انھیں کا رہے

شرابِ محبت کے رنگین جام
رہو پیتے اے مے پرستو مدام

تمھیں این و آں سے غرض کچھ نہیں
تمھارا تو بس بادہ کوشی ہے کام

محبت میں ناقص نہ کامل کوئی
محبت میں مجنوں نہ عاقل کوئی

محبت تو بس جادہ ہی جادہ ہے
مقامات اس میں نہ منزل کوئی

محبت ہے دور از سکون و مقام
مراتب کا ارماں ہے اس میں حرام

تڑپنا تڑپنا تڑپنا سدا — یہی کام ہے بس یہی ایک کام
محبت میں ہوتی ہے یہ شان بھی — رہو پیاسے کرتے رہو مے کشی
سفر ہی گذریں خزاں و بہار — نہ تم مبتدی ہو نہ تم منتہی
خراباتیاں مے پرستی کنند — محمد بگوئید و مستی کنند
چو درویش نیا یدفشانید جاں — چو یاد آورد ترک ہستی کنند
مزاجِ محبت ـ مزاجِ رسول — سوا اس کے جو کچھ ہے وہ ہے فضول
محبت کو کہنا محبت عبث — نہ ہو ان کی جانب سے جبتک قبول
محبت نہیں کوئی اپنا ہنر — نہ دل اپنا اس میں نہ اپنی نظر
محبت کا سارا جمال و کمال — انھیں کی عنایت پہ ہے منحصر
محبت نہیں کچھ عبادت کا نام — نہ زندانیوں کی اطاعت کا نام
محبت نہیں ہے محبت نہیں — فریب گمانِ محبت کا نام

۲۸ / اکتوبر ۱۹۵۴ء — احسن